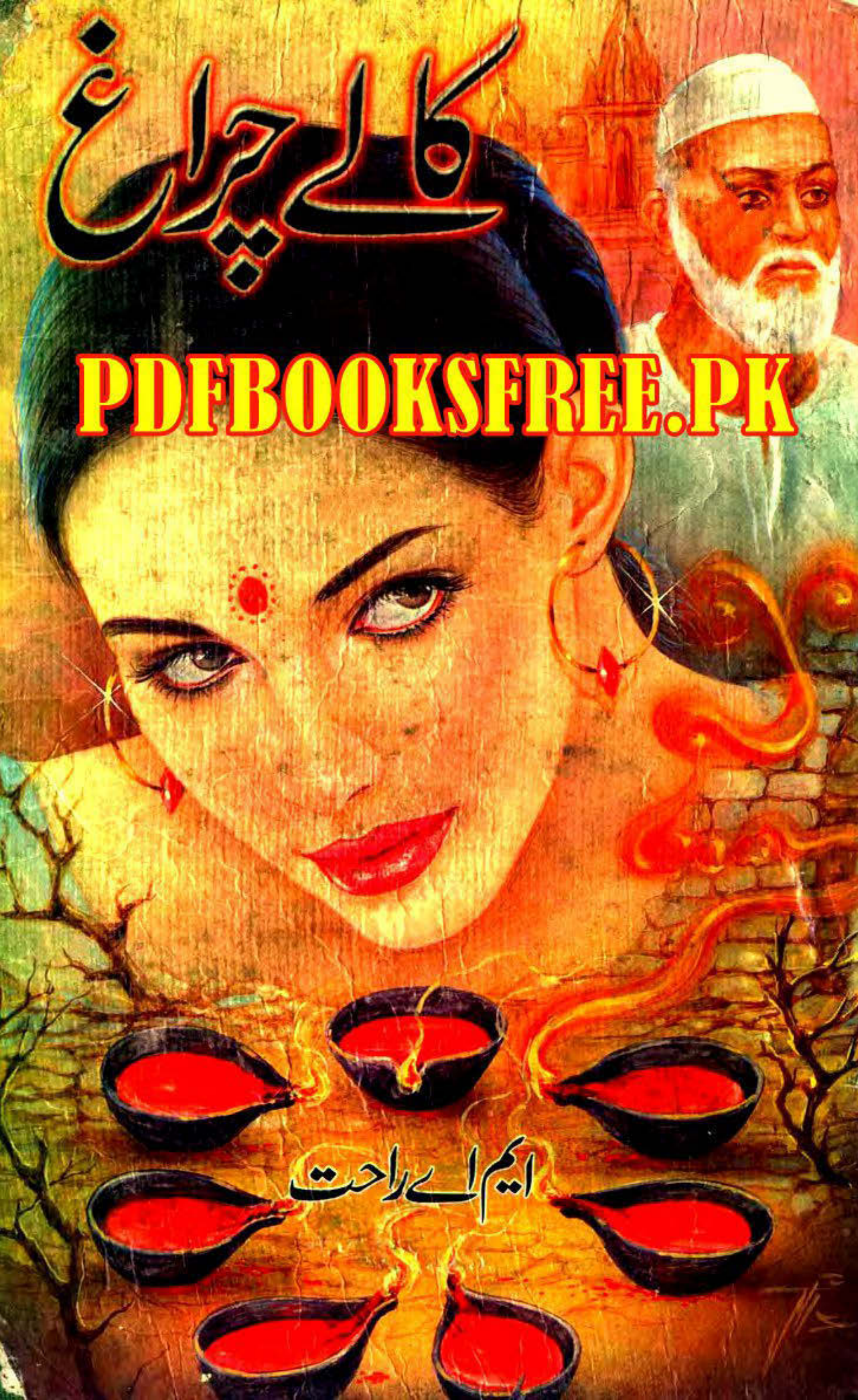
کالے چراغ
PDFBOOKSFREE.PK
ایم اے راحت

کالے چراغ ☆ 3

پوری زندگی کے تجربے کا نچوڑ بتادوں آپ کو' ماں اور صرف ماں۔ اس کائنات میں اگر خدا کا کوئی روپ ہے' تو ماں کی شکل میں ہے' شاید اللہ تعالیٰ نے اپنے عکس کو ماں کی شکل میں مجسم کر دیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ماں نہیں تو اولاد ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ باپ کا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ زندگی کے سفر میں باپ کا سایہ بہت ضروری ہوتا ہے لیکن اگر کسی بدنصیب کی ماں نہ ہو تو شاید اس کا ذہن مربوط نہیں ہو پاتا۔ میں کہانی نگار بننے کی کوشش نہیں کر رہا سیدھی سیدھی بات بتاؤں آپ کو میرا نام شعبان علی ہے۔ باپ کا نام رمضان علی تھا لیکن شعبان اور رمضان میں بڑا فرق ہے۔ رمضان علی بستی علی جاہ کے ایک معزز بزرگ تھے۔ ان کے والد بھی علی جاہ بستی کی جامع مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے اور شاید ان کے والد بھی۔ یعنی یہ کام پشتوں سے چلا آرہا تھا اور بہرحال مذہب کے حوالے سے لوگ ہمارے گھرانے کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔

ایک بہت انوکھی بات بتاؤں آپ کو' ہمارے خاندان میں خواتین کی بڑی کمی تھی۔ خاندان تھا ہی کیا مسجد سے مسجد تک۔ بابا صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک کو سانپ نے کاٹ لیا دوسرے کو بیوی نے' بیوی نے ایک بیٹا پیدا کیا اور پھر طلاق لے کر میکے چلی گئی۔ تو یہ بیٹے صاحب جو تھے' انہوں نے ایک اور بیٹا پیدا کیا اور یہی پیدائش رمضان علی میرے والد صاحب تھے۔ والد صاحب کی شادی بھی ایک معزز خاتون سے کر دی گئی اور ان معزز خاتون نے مجھے جنم دیا۔ اور میں شاید ابتداء ہی سے ایک بدنصیب انسان تھا کہ میری پیدائش کے دوران ہی والدہ صاحبہ نے میری صورت پر لعنت بھیج دی اور مجھ پر تھوک کر اس دنیا سے چلی گئی۔ والد صاحب کو خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ بس جس طرح بھی انہوں نے میری پرورش کی ایک ایسا ہی باپ جانتا ہے جس نے اپنی بیوی کے نہ ہونے سے اپنے بچے کی پرورش کی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خیر صاحب تو اس طرح شعبان علی عرف شبو وجود میں آئے اور پروان چڑھنے لگے۔ والد صاحب کا کام اللہ کے فضل و کرم سے جدی پشتی تھا اور بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھا۔ جمعہ سے لے کر جمعرات تک شام کا کھانا گھروں میں بندھا ہوا تھا۔ کسی دن کہیں سے کسی دن کہیں سے آجاتا تھا۔ دوپہر کو ابا جان تھوڑی بہت دال روٹی پکا لیا کرتے تھے۔ ورنہ عام طور سے یہی ہوا کرتا کہ رات کو جو کھانا آتا اسی میں سے تھوڑا دوسرے دن دوپہر کے لئے بچا لیا جاتا۔ صبح کا ناشتہ چائے اور پاپے وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ میرا مطلب ہے جب میں نے ہوش سنبھالا وہی طریقہ کار دیکھا' جامع مسجد سے جو تنخواہ ملتی تھی۔ وہ بیشتر ضروریات میں کام آتی تھی۔ بہت سے لوگوں نے کوشش کی اور میرے والد صاحب سے کہا کہ رمضان علی دوسری شادی کر لو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ چھوٹے سے بچے کی پرورش بھی ہو جائے گی اور نگہداشت بھی ہو جائے گی تو رمضان علی نے کہا نہیں بھائی' بیٹے کی سوتیلی ماں لانے کا مقصد یہ ہے کہ دین سے بھی جاؤ اور دنیا سے بھی۔ نہ اس کے ساتھ انصاف کر سکیں گے نہ اس کے ساتھ' بس اس طرح ٹھیک ہے زندگی کٹ ہی جائے گی اور کاٹ بھی لی اسی طرح زندگی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ان کی زندگی کی کاٹ میں میرا بہت بڑا حصہ رہا اور میں نے صحیح معنوں میں ان کی زندگی کاٹ کے رکھ دی۔ میرا باپ' آپ کو بالکل صحیح بتا رہا ہوں ماں ہی ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ اگر میری ماں ہوتی تو شاید میری شخصیت ہی بالکل مختلف ہوتی۔ وہ نہ ہوتا جو تھا۔ ہوں نہیں۔ ہوں کی بات ذرا بعد میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔ کیونکہ ہوں کے بارے میں بتادوں تو یہ ہے کہ کہانی ختم پیسہ ہضم۔

نہیں جناب ایسی بات نہیں ہے غالباً میری عمر اس وقت گیارہ یا بارہ سال تھی۔ جب مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اپنے والد کو حد سے زیادہ پریشان کرتا ہوں۔ حرکتیں تو بچپن ہی سے شروع ہو گئی تھیں اور ان کی وجہ سے رمضان علی صاحب کو بہت پریشانی تھی۔ ہر طرف سے مختلف قسم کی شکایتیں آیا کرتی تھیں۔ لوگ میرے سامنے ہی مجھ پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ یہ دیکھو اسے کہتے ہیں ولی کے گھر بھوت اور بھوت کے ہاں ولی۔ یہ خاندان کتنا نیک نام ہے اور اس نیک نام خاندان کے یہ سپوت۔ توبہ' توبہ لڑکا ہے یا شیطان کا شاگرد۔ بیچارے رمضان علی کتنے پریشان رہتے ہیں اس کے لئے۔ تو جناب یہی صورتِ حال چل رہی تھی۔ مسجد میں کھانا آجاتا تھا اور "اللہ دے کھانے کو تو بلا جائے کمانے کو۔" کیا پڑی تھی اِدھر اُدھر کی حرکتیں کرنے کی۔ والد صاحب گھیر گھار کر

پڑھانے کے لئے بٹھا دیا کرتے تھے۔ چلیں خیر اب باپ تھے ایک دو گھنٹے ان کے نام بھی سہی۔ اور پھر اسکول میں بٹھا دیا۔ اور سنیئے وہ بھی مولوی قیوم کے پاس' کیا چیز تھے' مار پیٹ میں ایکسپرٹ میرا تو خیال ہے کہ کسی زمانے میں وہ اسٹریٹ فائٹر رہے ہوں گے۔ بچوں کو پڑھاتے کم تھے مارتے زیادہ تھے لیکن جناب ہم بھی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ ہم ایسی ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آجاتا تھا۔ غالباً چوتھی یا پانچویں کلاس تھی ویسے تو یہ اسکول مڈل تک تھا لیکن ہم نے بس پانچویں کلاس تک ہی پڑھنا مناسب سمجھا۔ اس کے بعد بھلا کون مائی کا لال پڑھا سکتا تھا۔ بستہ لے کر گھر سے نکلتے تھے۔ بستہ املی کے درخت پر اتنی اونچی جگہ ٹانگ دیا کرتے تھے کہ اسے کسی طرح نقصان نہ پہنچے۔ درخت پر بندر کیا پھرتی سے چڑھتے ہوں گے جس پھرتی سے ہم چڑھتے تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ علی جاہ میں ہم سے زیادہ تیز رفتاری سے درختوں پر چڑھنے والا اور کوئی نہیں تھا۔ ایک دفعہ تو ماما جاگیر نے ہمارا فن دیکھ کر کہا تھا۔

"بیٹا! میرے ساتھ بھاگ کر چلے گا۔"

"کیوں۔ گاؤں میں مقابلہ کرنا چاہتے ہو کیا مجھ سے۔" میں نے ماما جاگیر سے کہا۔

"نہیں پاگل یہ مقصد نہیں ہے ایسے دوڑنے کو نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ یہاں سے نکل چل میرے ساتھ۔"

"پھر؟"

"استاد بنا دوں گا استاد' لاکھوں میں کھیلے گا لاکھوں میں۔"

"میں اپنے دو چار دوستوں میں ہی کھیل لیا کرتا ہوں۔ لاکھوں میں کھیل اچھا نہیں لگتا۔"

"میرا مطلب ہے دولت' دولت۔"

"دولت خان کی بات کر رہے ہیں۔"

"افوہ۔ ایک تو تیرے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے۔ میں اس موٹے دولت خان کی بات نہیں کر رہا جو ہمیشہ کم تولتا ہے۔ میں تو مال و دولت کی بات کر رہا ہوں۔ روپیہ پیسہ۔"

"نہیں چاہئے۔" بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ماما جاگیر اصل میں چور تھا۔ دیواریں کودنا لوگوں کی جیبیں کاٹنا اور ایسے دوسرے کام۔ ایک مرتبہ پولیس گرفتار کر کے لائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ سارا چہرہ نمونہ بنا ہوا تھا۔ نیلے نیلے ڈیزائن چھپے ہوئے تھے۔ تفتیش کرنے کے لئے لائی تھی اور اس وقت میں اتنا سمجھدار ہو چکا تھا کہ یہ سمجھ سکوں کہ ماما جاگیر پولیس کے قبضے میں کیوں ہے۔ کم بخت مجھے بھی چوری چکاری کے راستے پر لگانا چاہتا تھا لیکن باقی تفریحات کے لئے اگر کوئی الٹا سیدھا کام ہو جائے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ دنیا کی تو کبھی خیر میں نے پرواہ نہیں کی۔ بھلا دنیا کس کی پرواہ کرتی ہے جو اس کی پرواہ کی جائے لیکن اس ساری دنیا میں اگر کوئی ایسی شخصیت تھی جس کی میں عزت کروں۔ یا جس کا مجھے خوف ہو۔ تو وہ صرف میرے باپ کی شخصیت تھی۔ رمضان علی میرے بارے میں بہت زیادہ پریشان رہتے تھے۔ پہلے تو وہ مجھے تعلیم دلانے پر مصر رہے اور مسجد میں جمعہ کی نماز میں جو تقاریر کرتے تھے یا ویسے بھی دنیا کو نیکیوں کی باتیں بتاتے تھے لیکن میرے لئے انہوں نے ایک مخصوص وقت مقرر کر رکھا تھا۔ جب وہ صرف میرے لئے تقریر کیا کرتے تھے اس تقریر میں صرف یہی ہوا کرتا تھا کہ میں اپنی دنیا برباد کر رہا ہوں۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ بن جاؤں ورنہ کل جب ان کی آنکھیں بند ہو جائیں گی تو میں کیا کروں گا۔

میں ان کی تقریریں اسی طرح سنتا تھا۔ جیسے مسجد میں ہاتھ باندھ کر ان کی دوسری تقریریں سنتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں کچھ کر لوں کچھ بن جاؤں اور میں یہ سوچتا تھا کہ کیا کروں اور کیا بنوں۔ دوستوں سے بھی اس سلسلے میں مشورے جاری رہتے تھے۔ پھر ایک دفعہ کچھ بننے کا موقع ملا۔ ہوا یوں کہ بستی میں میلہ لگا اور میلے میں کارنیوال وغیرہ آیا۔ کارنیوال کے لوگ پہلے سے آ گئے تھے۔ انہوں نے زمین میں ایک کنواں کھودا اور کنوئیں کی مٹی سے لپائی کی۔ اور پھر مختلف کھیل تماشوں کے ساتھ ساتھ ایک جیالے جوان نے اس چوڑے کنوئیں کے درمیان سائیکل چلانے کا مظاہرہ کیا۔ میرے لئے تو یہ ایک آفاقی مسئلہ تھا۔ کیا عجیب و غریب بات تھی۔ کنوئیں کی دیواروں پر سائیکل بجلی کی سی تیزی سے چلتی تھی اور وہ جوان بڑے مزے سے سائیکل پر کرتب دکھایا کرتا تھا۔ میلہ ختم ہو گیا کارنیوال ختم ہو گیا لیکن میرے اور میرے دوستوں کے ذہن پر کنوئیں میں سائیکل چلانے کا سحر سوار تھا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا۔

"یارو! اگر زندگی میں کچھ کرنا ہے تو اس کنوئیں میں سائیکل چلانے کی مشق کی جائے۔ سمجھ لو اگر ہم نے اس کنوئیں میں سائیکل چلالی تو دنیا ہمارے قدموں میں ہو گی۔"

"مشق تو جب کی جائے گی ناں، جب سائیکل ہو ہمارے پاس۔"

"اصل مسئلہ تو یہی ہے۔"

"گاؤں میں جتنے لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی ہمیں سائیکل دینے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔" میرے ایک دوست نے کہا۔

"کیا.........؟"

"پگڈنڈی سے علی جاہ جانے والے گزرتے ہیں۔ یہ دوسری بستیوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر ہم وہاں سے کسی کی سائیکل چھینیں تو کیسا رہے۔"

"تجویز قابل غور ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ پہلی پگڈنڈی پر لوگ سائیکلوں پر جاتے آتے ہیں۔"

"ہم چار افراد ہیں۔ میرا خیال ہے اگر ہم ہمت کریں تو سائیکل حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ہمت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ جو کہتے ہیں نا۔ ہمت مرداں مدد خدا۔"

"تو پھر آؤ۔ آج سے کوشش شروع کر دی جائے۔" تین دن تک گھات لگا کر بیٹھنا پڑا تھا۔ ان تین دنوں میں چار پانچ سائیکل سوار گزرے تھے۔ اور ہم نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ہمیں کہاں اور کس جگہ یہ واردات کرنی ہو گی۔ بہرحال پھر اس دن ہم نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے آج سائیکل حاصل کرنی ہے۔ درختوں کی ٹہنیاں توڑ کر پگڈنڈی بند کر دی گئی۔ چہرے پر کالے ڈھاٹے باندھے گئے اور ہم چاروں جوان ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر یہی ہوا وہ شخص اچھے خاصے تن و توش کا مالک تھا اور اس نے بہت اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ غالباً سسرال جا رہا تھا۔ سائیکل وہاں پہنچی تو جھاڑیاں راستہ روکے ہوئے تھیں۔ وہ حیرانی سے ان جھاڑیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مشکوک نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ مگر اب ایسا بھی نہیں کہ ہم آسانی سے اس کی نگاہوں میں آ جاتے۔ پھر وہ سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کر کے نیچے اترا اور جھاڑیوں کے پاس پہنچ کر جھاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے جھاڑیاں ہٹانا شروع کر دیں۔ بس یہی موقع تھا میں نے سب سے پہلے اپنی جگہ چھوڑی تھی۔ سائیکل کو اسٹینڈ سے اتارا تھا اور اسے لے کر ہوا ہو گیا تھا۔ وہ شخص میرے پیچھے بھاگتا رہا لیکن بہرحال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائیکل کی اپنی بات الگ ہوتی ہے۔ ایک ہی آدمی سے کام بن گیا تھا۔ باقی تینوں کو صرف وہاں سے فرار ہونا تھا۔ اور پھر میں بستی پہنچ گیا۔ بستی میں زمانہ قدیم کا ایک پرانا مندر تھا۔ جو تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ منصوبے کے مطابق سائیکل کو مندر میں کھڑا کر دیا گیا۔ باقی لوگوں کو بھی وہیں پہنچنا تھا۔ چنانچہ میں انتظار کرتا رہا۔ دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ طے یہ تھا کہ تھوڑے دن تک یہ سائیکل مندر میں ہم لوگوں کی حفاظت میں رہے گی اور اس کے بعد جب معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو پھر سائیکل کو نکال کر اسے کنوئیں میں چلانے کی مشق کی جائے گی۔ ایک ایک کر کے چاروں دوست مہارت حاصل کریں گے اور اس کے بعد اعلان کر دیں گے کہ کنوئیں میں سائیکل چلائی جائے گی۔ ٹکٹ ایک روپیہ ہوگا۔ اس کے بعد ہم اپنے سامنے ایک ایک روپے کے بے شمار انبار دیکھا کرتے تھے۔ بہرحال میں انتظار کرتا رہا۔ ایک گھنٹہ۔ ڈیڑھ گھنٹہ' دو گھنٹے یہاں تک کہ تیسرا گھنٹہ بھی گزر گیا لیکن چوتھا گھنٹہ بڑا سنسنی خیز لگا۔ چوتھے گھنٹے میں' میں نے دیکھا کہ علی جاہ بستی کی طرف سے چوہدری ریاض چھ سات آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں۔ سب سے آگے شفیقہ تھا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ منہ سوجا ہوا تھا ایک آنکھ ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ لنگڑا کر چل رہا تھا اور شفیقہ کا باپ اس کی گردن میں رسی ڈال کر اسے مندر کی جانب گھسیٹ رہا تھا۔ شفیقہ ہم چاروں میں سے ایک تھا جو اس ڈاکہ زنی میں شریک تھے۔

"ارے باپ رے۔" میرے منہ سے نکلا' کم بخت شفیقہ پکڑا گیا اور اب سائیکل کی برآمدگی ہونے والی ہے۔ اس آدمی کو بھی دیکھ لیا تھا میں نے جو سائیکل کا مالک تھا۔ بس اس کے بعد عقل کا تقاضا یہی تھا کہ جتنی قوت سے دوڑا جا سکتا ہے۔ مندر کے پچھواڑے دوڑا جائے۔ سائیکل تو خیر ان لوگوں کو مل ہی جائے گی۔ مگر منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد تقریباً دس دن تک رمضان علی صاحب سے چھپنا پڑا تھا۔ روٹی پانی بھی بس کہیں نہ کہیں سے اس طرح مل جاتی تھی کہیں کھیت سے بھٹے توڑ کر کھالیے۔ البتہ رمضان علی کو یہ بات معلوم تھی کہ رات کو مسجد کے پچھلے حصے میں آکر سوجاتا ہوں۔ ایک دفعہ میں نے رمضان علی صاحب کا سایہ بھی دیکھا تھا وہاں۔ پھر اس کے بعد رمضان علی صاحب میرے پاس پہنچ گئے۔

"کیوں اپنی زندگی برباد کر رہا ہے۔ جو کر چکا ہے اس کا داغ میرے ماتھے پر لگ گیا ہے۔ کیا کہوں اور کیا نہ کہوں۔"

"ابا بس ایک دفعہ اور معاف کر دو۔" میں نے موقع غنیمت دیکھ کر کہا۔ شفیقہ ر میرے باقی دو دوستوں کے والدین تو انہیں معاف کر چکے تھے۔ اکیلا میں ہی رہ گیا ا۔ بہرحال ابا کے لیکچر بڑی سعادت مندی سے سنے اور دل میں فیصلہ کیا کہ بھلا اب ں کی کیا گنجائش ہے کہ میرے اندر کوئی برائی باقی رہ جائے۔ نماز بھی باقاعدگی سے ھنی شروع کر دی تھی۔ چند روز کا معاملہ تھا بس ابا راضی ہو جائیں۔ باقی سب خیریت ہے۔ غرضیکہ یہ ساری باتیں چل رہی تھیں۔ کنوئیں میں سائیکل چلانے کا منصوبہ تو فیل چکا تھا لیکن دوستوں نے ایک اور تجویز پیش کی۔ وہ یہ کہ رسی پر چلنے کی مشق کی ائے۔ اب یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے ایک تھوڑی سی رسی چاہئے۔ کسی کی چارپائی ی ادوان سے بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ رسی درختوں کے بیچ میں باندھ کر اس پر چلنے ی مشق کر لی جائے۔ یہ چیز بھی ہم نے کارنیوال ہی میں دیکھی تھی۔ وہ تو بڑی دبلی پتلی بصورت سی لڑکی تھی۔ جو ایسے رسی پر چلتی تھی کہ ایک لمبا سا بانس ہاتھ میں لے لیا کرتی تھی۔ جس سے اپنے آپ کو بیلنس رکھتا تھا۔ اس بار شفیقہ نے اس سلسلے میں پہل کی تھی۔ زمیندار کے باغ میں چارپائی ہوا کرتی تھی۔ مالی اکثر درخت کے نیچے سو جایا کرتا تھا۔ بہرحال مالی کی آنکھ بچا کر چارپائی کی ادوان کھول لی گئی اور پھر اسے کافی دور پہلے سے منتخب شدہ درختوں کے گرد باندھ لیا گیا۔ شفیقہ نے پہلی ٹرائی کی۔ پہلی ہی ٹرائی میں ہمارا مستقبل کھڈے میں جا گرا۔ شفیقہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور اس کے بعد کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ اندازہ ہوا کہ اس طرح کام نہیں بنے گا۔ یہ سب کچھ انہی سرکس والوں کا کام تھا۔ سو پورا کر گئے۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہوگا۔ شفیقہ کی ٹانگ ٹوٹ جانے پر خاصی گڑبڑ ہوئی تھی۔ بلکہ زمیندار صاحب نے مالی کی چارپائی سے ادوان کھولنے کے الزام میں شفیقہ کے باپ کو پکڑ کر بلوا لیا تھا اور اس کی خاصی پٹائی کرائی تھی۔ ساری بات کھل گئی تھی۔ شفیقہ نے بتا دیا تھا کہ کون کون ساتھ تھے۔ چنانچہ اچھی خاصی لے دے ہوئی۔ مولوی صاحب سے بھی کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ بہرحال یہ ساری باتیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی گئیں۔

پھر وقت نے ایک اور کروٹ بدلی۔ میں عمر کی اس منزل میں تھا جب بقول رمضان علی صاحب قبلہ کے لڑکے دیوار میں پاؤں مارتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے۔ ایک مرتبہ ان کی اس ہدایت پر بھی عمل کر کے دیکھا تھا۔ جس دیوار میں لات ماری تھی۔ اس کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ البتہ ایڑی کی ہڈی میں اتنی زور کی چوٹ آئی تھی کہ ہفتوں

سیدھا چلا نہیں جاتا تھا۔ ساری کی ساری باتیں غلط اور پھر میں آپ کو بتا رہا تھا کہ پھر وقت نے کروٹ بدلی۔ اچانک ہی رمضان علی صاحب بیمار ہوئے اور اس کے بعد کوئی ایک ہفتے بیمار رہ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ ماں تو خیر پہلے ہی نہیں تھی۔ تصور بھی نہیں آتا تھا کبھی ماں کا۔ باپ بہت شفیق اور مہربان تھے۔ تین چار دن تک ان کی یاد میں روتا رہا۔ یار لوگ کھلاتے پلاتے رہے۔ ضد کر کے کھانا کھلایا جاتا تھا لیکن اس کے بعد لوگوں نے بھی بے اعتنائی اختیار کر لی۔ دوست احباب کچھ تھے کچھ کہیں محنت مزدوری کے لئے چلے گئے تھے۔ ایک بار شفیقہ اپنے ایک کزن کے ساتھ شہر جا رہا تھا تو کسی نے کہا تھا کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ اب یہ ظفر صاحب کون تھے اس کا تو مجھے علم نہیں تھا لیکن بہرحال یہ محاورہ ضرور ذہن میں تھا کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔

خیر جناب مسجد کے حجرے میں وقت گزر رہا تھا لیکن کوئی آٹھ دس دن ہی ہوئے تھے۔ رمضان علی صاحب کے انتقال کو کہ پہلی جمعرات خالی گئی۔ کوئی مسجد میں روٹی نہیں لایا تھا۔ میں بڑا حیران ہوا گھر میں جو تھوڑا بہت تھا اس سے کام چلایا۔ جمعہ کو بھی کوئی نہیں آیا پھر اتوار پیر بھی اس طرح گزر گئی۔ تو میری حیرت انتہا کو پہنچ گئی کہ یہ لوگوں کو کیا ہوا۔ نمازی مسجد میں نماز ادا کرنے آتے تھے۔ انہی میں سے کوئی امامت بھی کر لیتا تھا۔ بہرحال ساتواں دن تھا۔ پورا ہفتہ خالی گیا تھا۔ بات میری سمجھ میں آہستہ آہستہ آنے لگی۔ پہلے تو لوگ مؤذن صاحب کے لئے کھانا لاتے تھے۔ اب ابا دنیا میں نہیں رہے تھے تو کون کھانا دینے کے لئے آتا۔ بڑا پریشان ہوا کہیں سے بھی دو روٹی کا سہارا نہیں تھا۔ ہٹا کٹا آدمی بھلا کسی سے کیا کہتا کہ بھائیو۔ یہ میرا رزق کیوں بند کر دیا۔ لوگ منہ پھٹ بھی ہوتے ہیں کہہ دیتے کہ میاں محنت مزدوری کرو اور کھاؤ۔ یہ عمر خیرات کے کھانے پر پلنے کی تو نہیں ہے۔ وہ تو رمضان علی صاحب کا دم تھا کہ ان کے حصے میں تمہیں بھی دو روٹیاں مل جاتی تھیں۔ ایک ہی ترکیب سمجھ میں آئی۔ اس دن بھی ساری رات بھوک سے جاگتا رہا تھا۔ اس لئے نیند ہی نہیں آئی تھی۔ ورنہ فجر کی نماز میں تو شاید کبھی شریک بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن صبح ہی صبح مسجد کے مینار پر چڑھا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اذان تو آتی تھی۔ پوری اذان دی تو نمازی مسجد میں آنے لگے لیکن نماز پڑھانا نہیں آتی تھی۔ بس اذان دے کر خاموش ہو گیا تھا۔ لوگوں نے نماز پڑھی۔ پھر ایک بزرگ نے مجھے حجرے سے نکال لیا۔

"میاں صرف اذان دینا سیکھی ہے۔ نماز پڑھانا آتی ہے؟" شرمندگی سے میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گردن جھک گئی تو ان بزرگ نے کہا۔

"آئندہ ایسی جرأت نہ کرنا یہ مذہبی معاملات ہیں لوگ تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گے۔ اس مسجد اور منبر تک پہنچنے کے لئے بڑی ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ مولوی رمضان علی صاحب نے دنیا میں نیکیوں کے بہت سے کام کیے ہوں گے لیکن افسوس اپنی اولاد کے لئے وہ کچھ کر کے نہیں گئے۔ تمہیں بھی اگر دینی تعلیم مل جاتی تو ہم خوشی سے تمہیں اس منبر پر خوش آمدید کہتے۔ کیونکہ بہرحال رمضان علی صاحب کا شجرہ نسب بالکل پاک صاف تھا۔ یہ تو اور مشکل پیش آ گئی۔ خاصی لے دے ہوئی۔ یہاں تک کہ چوہدری صاحب نے فیصلہ کیا کہ فوراً کسی مولوی کو مسجد میں لا کر رکھا جائے اور حجرہ خالی کرا لیا جائے۔ چوہدری صاحب کا حکم بہت بڑی بات تھی وہی ہوا حجرہ خالی کرنا پڑا۔ مجھے بھی پنچائیت میں پیش کیا گیا تھا اور بڑی مشکل پیش آ گئی تھی جواب دینے میں۔ خیر باقی باتیں تو اپنی جگہ تھیں لیکن اب تو بے گھر ہو گیا تھا۔ غرض یہ کہ وقت اس طرح گزرتا رہا اور اس کے بعد ایک بزرگ نے مشورہ دیا کہ "میاں بستی چھوڑ دو۔ بستی کے بہت سے نوجوان باہر جا کر کام دھندے پر لگ گئے ہیں۔ تم بھی کوئی کام دھندہ تلاش کرو۔ بس جناب ذہن پر لگ گئی اور فیصلہ کیا کہ اب یہاں سے باہر نکل لیا جائے۔ اس نگر میں اپنی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

وقت گزرتا رہا اور اس کے بعد باہر نکل کھڑا ہوا۔ پہلی بار بستی سے باہر جا رہا تھا۔ ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات تھے۔ دنیا بہت کم دیکھی تھی لیکن کسی کا یہ کہنا کہ دنیا عقل سے زیادہ بڑی نہیں ہے اور ساری دنیا عقل میں سمٹی ہوئی ہے۔ ہوشیاری سے کام لیا جائے تو زندگی بن سکتی ہے۔ بہرحال مختلف کیفیات کا شکار تھا۔ بستی سے باہر جانے والے راستوں پر سفر کرتا رہا اور آہستہ آہستہ رات ہو گئی۔ ہر طرف ہُو کا عالم جنگل بیابان گیدڑوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ آنکھیں بھر آئیں دل اداس ہو گیا۔ بستی سے بچپن کی یادیں وابستہ تھیں وہیں ہوش سنبھالا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں ایک بار پھر آؤں گا اس بستی میں اور کچھ بن کر ہی آؤں گا۔ کچھ بننے کا راستہ ذہن میں نہیں تھا۔ چنانچہ سفر کرتا رہا اور آخر کار تھک گیا۔ پھر ایک جگہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ نیند بھی آ گئی لیکن دوسری صبح بے حد اداس تھی۔ کھیت تھے نہ درخت' سنگلاخ چٹانیں بنجر درخت چھٹی کا دودھ یاد آ گیا اور کچھ نہ ملے سورج سے پناہ تو ملے۔ ذرا سی دیر میں زبان باہر نکل آئے گی۔ سورج صبح کو نکلا تھا لیکن بتا رہا تھا کہ دوپہر تک وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے بدن کا پانی پسینے کی شکل میں نچوڑ دے گا۔ رفتار تیز کر دی کوئی پناہ گاہ ضرور ملنی چاہئے۔ خدا خدا کر کے دوپہر سے پہلے ایک باغ نظر آیا اور رفتار تیز کر دی۔ باغ میں پہنچا تو پھل بھی نظر آئے۔ درختوں پر چڑھنے کا ماہر تھا۔ کتنا ہی اونچا درخت ہو میری گرفت سے بھلا کہاں دور جا سکتا ہے۔ چنانچہ پھل توڑ کر کھایا اور گردن اٹھائی تو اپنے سامنے ایک لڑکے کو کھڑے ہوئے پایا۔ لڑکا ہی کہہ سکتا ہوں نوجوان کہہ لیا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں کیا ہو رہا تھا؟"

"جو ہو رہا تھا تم نے دیکھ لیا ہے کیا؟"

"ہاں دیکھ لیا ہے۔ باپ کا باغ سمجھا ہے کیا تم نے؟ سمجھ رہے ہو ناں۔ امام دین کا باغ ہے یہ۔"

"امام دین کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے امام دین ہم ہیں۔ تم نے پھل کیوں توڑے۔"

"بھوک لگی تھی یار!" میں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

"ہوں۔ مسافر ہو؟"

"پکے مسافر ہیں لگ نہیں رہے ہیں شکل و صورت سے۔"

"کیا نام ہے تمہاری بستی کا۔"

"بستی علی جاہ۔ بس یوں سمجھ لو دوست! کہ زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ اپنی بستی چھوڑ کر آ گئے ہیں۔ اب سوچا ہے کوئی نیا نگر بسائیں گے۔" میں نے نہ جانے کس جذبے کے تحت کہا۔

"ہوں۔ چلو پھر جان بچاؤ۔ آ جاؤ جلدی آ جاؤ۔ غلط وقت میں باغ میں گھسے ہو۔ وہ دیکھو وہ آ رہا ہے۔" لڑکے نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ سوچے سمجھے بغیر دوڑ پڑا۔ میں نے بھی دوڑ لگا دی تھی۔ کافی دور جانے کے بعد اس نے دم لیا۔ میں نے کہا۔

"کیا بات ہوئی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"دوڑ اچھی ہے تمہاری۔ اگر تم اتنی تیزی سے نہ دوڑتے تو بات فوراً سمجھ میں آ جاتی۔"

"یار کچھ بتاؤ گے بھی یا پھر ایسے ہی الٹی سیدھی ہانکتے رہو گے۔" میں نے درخت کے سائے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بڑے بھائی۔ وہ امام دین کا باغ تھا اور امام دین کو تم نہیں جانتے گاؤں کا سب سے تگڑا پہلوان ہے۔ زندگی میں ایک بار جس نے اس کے ہاتھ سے مار کھالی۔ وہ زندگی بھر نہیں بھولتا۔ ہم بھی پٹ چکے ہیں اس کے ہاتھوں سے مگر بات ہی کیا ہوئی۔ ہم نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر پھل کھائیں گے تو امام دین کے باغ کے ورنہ کھائیں گے ہی نہیں۔ بس سمجھ لو پہلی بار مار کھانے کے بعد یہ قسم کھائی تھی۔ مگر امام دین بڑی خطرناک چیز ہے۔"

"تو تم امام دین نہیں ہو۔"

"نہیں اب جب کہ یاری ہو گئی ہے تو ہم تمہیں بتا دیں کہ اپنا نام شیر علی ہے۔ ہمارا قصور نہیں ہے اس میں۔ شیر ویر سے ہماری کوئی دوستی نہیں ہے نہ ہم شیر ہیں۔ بس یوں سمجھ لو ماں نے نام رکھ دیا ہو گا۔"

"آدمی سمجھ دار معلوم ہوتے ہو کرتے کیا ہو۔"

"پھل کھاتے ہیں۔ بھٹے لگاتے ہیں چنے تیار ہوتے ہیں تو کچے چنے کھاتے ہیں۔ بس اور کیا کرنا ہے۔ ویسے تم یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا پروگرام ہے۔ کون سا نگر بسانے جا رہے ہو۔"

"یار کوئی دھندے پانی کا بندوبست ہو جائے تو یہیں رہ پڑیں گے۔ تم کیا کرتے ہو۔"

"محنت مزدوری کے علاوہ سب کچھ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پر میں کیا کروں گا۔"

"پارٹنر شپ۔" شیر علی بولا۔

"کس کام میں؟"

"بس ایک آئیڈیا ہے اپنی کھوپڑی میں کام کے آدمی کی تلاش تھی تم کچھ نظر آ رہے ہو اور پھر ہو بھی دوسری بستی کے رہنے والے اگر بات بن گئی تو سمجھ لو چاندی ہی چاندی ہے۔ نہیں تو کچھ اور سوچیں گے۔"

"آئیڈیا کیا ہے۔" مجھے یہ لگ رہا تھا کہ شیر علی میرے لئے بڑے کام کی چیز ثابت ہو سکتا ہے۔ شیر علی سرگوشی کے انداز میں مجھے اپنا آئیڈیا بتانے لگا اور میرا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ میں نے پُر مسرت انداز میں پوچھا۔

"کیا یہ سب کچھ ممکن ہے شیر علی!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شیر سے دوستی ہوئی ہے تمہاری کیا سمجھے' سب کچھ ممکن ہے میں تمہیں بتاؤں۔ میری ماں بستی والوں کے رشتے کراتی ہے اور رشتے کرانے والی کوئی معمولی ہستی نہیں ہوتی۔ زبان کی مار مارتی ہے اور زبان کا مانگا کھاتی ہے۔ مگر سوچ لو' آدھے آدھے کا سودا ہوگا۔"

"سو فیصدی ہوگا لیکن اس کام میں وقت تو کافی لگ جائے گا۔"

"بالکل لگے گا لیکن اپن تمہیں ایک آفر کر سکتے ہیں۔ اس دوران جب تک کام نہ ہو جائے روٹی پانی فری۔ کپڑوں کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔"

"اس سے اچھی کیا بات ہے۔ تم سمجھ لو کہ ہم بھی یاروں کے یار ہیں۔" میں نے بڑی گرم جوشی سے شیر علی سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد ہم دونوں میں پکی دوستی ہوگئی۔ اس کے بعد اس کاروبار کے لئے لوکیشن تلاش کی جانے لگی۔ قبرستان نزدیک تھا اس سے کچھ فاصلے پر سلاٹر ہاؤس تھا۔ جہاں لنگڑے لولے بیمار جانور ذبح کیے جاتے تھے اور یہیں سے گوشت بستی میں جاتا تھا اس سے کچھ فاصلے پر ایک مناسب جگہ پسند کر لی گئی۔ جسے بہرحال ایک نامعلوم بزرگ کا مزار بنا دیا گیا۔ منصوبہ مکمل تھا میرے بال پہلے ہی لمبے تھے۔ البتہ داڑھی بڑھنے میں کچھ وقت لگا تھا۔ اس دوران شیر علی ایک خاص قسم کی قبر کھودنے میں مصروف رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ سارا سامان جمع کرتا جا رہا تھا۔ اس جگہ لمبی لمبی ٹہنیوں سے ایک احاطہ بنا دیا گیا۔ جس میں دروازہ بھی رکھا گیا تھا۔ جگہ چونکہ عام راستے پر نہیں تھی اس لئے بستی والوں کو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا اور آخر کار خانقاہ مکمل ہو گئی۔ سارے کام منصوبے کے مطابق ہو رہے تھے۔ میں بھی مطمئن تھا کہ چلو ایک اچھا ذریعہ معاش ہاتھ آیا ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے اور میرا یہ سفر اب ظفر کی طرف جا رہا تھا۔

جب ساری تیاری مکمل ہو گئی تو شیر علی نے اپنی نوٹنکی شروع کر دی۔ ساری رات اس نے اپنے گھر میں خوب توڑ پھوڑ کی۔ اس کی ماں جو رشتے کرانے والی تھی اور جس کا نام بشیرن تھا۔ حیران رہ گئی شیر علی چھت پر چڑھ گیا اور اس کے بعد اس کی دل ہلا دینے والی باتیں سنائی دی جانے لگیں۔ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چنانچہ بیچاری بشیرن سخت پریشان ہو گئی۔ شیر علی جو بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ اسے کیا ہو گیا محلے بھر میں کہرام مچ گیا اور شیر علی نے خوفناک آواز میں بتایا کہ اس کا نام شیر علی

نہیں بلکہ رحمان علی جن ہے یہ الفاظ سن کر تو شاید ساری بستی میں ہی مصیبت آ گئی۔ بہرحال جن کافی دیر تک شیر علی پر رہا اور اس کے بعد وہاں سے واپس چلا گیا لیکن اس نے دوسری رات آنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ دوسری رات پہلی رات سے زیادہ خوفناک تھی۔ شیر علی کی آواز بدل گئی تھی گردن پھول گئی تھی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ بیچاری بشیرن بھاگی بھاگی مسجد کے مولوی صاحب کے پاس گئی بستی والوں کو تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ شیر علی پر جن آ چکا ہے۔ چنانچہ بستی کے واحد مسجد کے مولوی محسن علی بمقابلہ رحمان علی آ گئے تھے۔ انہوں نے شیر علی کے سامنے آ کر کہا۔

"میاں خلقِ خدا کو کیوں پریشان کرنے آئے ہو۔ تمہاری دنیا الگ ہے ہماری دنیا الگ' جاؤ تم اپنی دنیا کا راستہ لو۔ اس بچے کو چھوڑ دو۔" جواب میں رحمان علی جن نے مولوی صاحب کی گردن پر زوردار مکا مارا اور مولوی صاحب منہ کے بل نیچے جا پڑے۔ اس کے بعد آگے کا عمل نہ پڑھا جا سکا اور وہ بمشکل تمام سنبھل کر بشیرن سے بولے۔

"بی بی کسی بڑے عامل کو دکھاؤ' یہ جن میرے بس کا نہیں ہے۔ میں جمعہ کی نماز میں دعا کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے تیسری رات بھی وہی ہنگامہ ہوا۔ محلے والے سب لوگ سہمے ہوئے تھے۔ جن کا معاملہ تھا۔ کوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی عالم میں شیر علی نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ وہ کہنے لگا۔

"دیکھ شعبان علی! میرے معاملے میں ٹانگ مت اڑا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ کھول دے رسیاں کھول دے میری' میں کہتا ہوں کھول دے۔" وہ اس طرح ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔ جیسے کوئی اسے رسیوں سے باندھ رہا ہو۔ پھر وہ گھر سے چلا آیا۔ بشیرن بیچاری روتی پیٹتی پیچھے چلی تو بہت سے ہمدرد بھی ساتھ ہولئے۔ کچھ تو اسے قبرستان کا رخ کرتے دیکھ کر راستے ہی میں بھاگ گئے لیکن کچھ ایسے تھے جنہیں بشیرن سے ہمدردی تھی۔ وہ بشیرن اور شیر علی کے پیچھے پیچھے اس نومولود خانقاہ تک پہنچ گئے۔ جسے شاید انہوں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہاں میں ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ شیر علی اس قبر کے پاس آ کر سر پٹخنے لگا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ "چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دے' دیکھ مجھے چھوڑ دے شعبان علی میری رسیاں کھول دے کیوں بلایا ہے مجھے۔"

"میں نے تجھ سے کہا تھا ناں رحمان علی! کہ یہ بستی میری پناہ میں ہے۔ یہاں کے کسی بچے کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری رسیاں کھول دو شاہ جی! اب نہیں آؤں گا۔ میں اب نہیں آؤں گا۔ ایک دفعہ میری رسیاں کھول دو۔"

"قسم کھا ان سات قبروں کی جو زمین پر ہیں نہ آسمان پر۔"

"قسم کھاتا ہوں اب نہیں آؤں گا ایک بار چھوڑ دو شاہ جی!"

"جا بھاگ جا۔ اس غریب بیوہ کے اکلوتے بیٹے کو ستاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔" میں نے پُرجلال انداز میں کہا اور شیر علی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ لوگ دنگ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر میں آگے بڑھا اور میں نے مٹی کے پیالے میں مٹکے میں سے پانی نکالا اور شیر علی کے اوپر چھڑکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لے جاؤ بہن اپنے بیٹے کو' لے جاؤ اب یہ ٹھیک ہے۔" بس اس کے بعد کیا تھا۔ بشیرن میرے قدموں میں گر پڑی۔ بہت سے لوگوں نے یہ منظر دیکھا تھا۔ چنانچہ میری شہرت کیوں نہ ہوتی' بستی بھر میں لوگ اس خانقاہ اور اس خانقاہ کے مجاور شعبان علی کے تذکرے کرتے پھر رہے تھے۔ جو بہت ہی کم سن تھا لیکن جس کے سامنے رحمان علی جن ایسے دم دبا کر بھاگا تھا کہ دیکھنے والے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ پھر خود بشیرن کی بھی معمولی شخصیت نہیں تھی جیسا کے شیر علی نے بتایا تھا کہ اس کی ماں بستی کے ہر گھر کی خبر رکھتی ہے اور پوری خبر رساں ایجنسی ہے۔ بس جناب اس کے بعد عقیدت مندوں کے ریلے کے ریلے خانقاہ کی طرف آنے لگے۔ اس پوری خانقاہ کے اردگرد کی صفائی کی گئی۔ پودے لگائے گئے اور اس کے بعد نذر نیاز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگوں نے شعبان علی شاہ کے لئے اپنی خدمات وقف کر دیں اور صحیح معنوں میں میرے عیش ہو گئے۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سفر اس طرح وسیلہ ظفر ہو گا۔ بلکہ اب میں یہ سوچتا تھا کہ ابا حضور نے صرف ایک مسجد کے منبر پر زندگی گزار دی۔ ایک ایک دن کی روٹی جو کہ بالکل ہی معمولی سی ہوا کرتی تھی آ جاتی تھی اس میں زندگی گزار دی۔ کاش وہ یہ دیکھتے کہ ان کے بیٹے نے کس طرح کام کا آغاز کیا ہے۔ بہرحال ہمارے عیش ہو گئے تھے۔ شیر علی بھی اپنے اس عمل پر بے پناہ خوش تھا اور میری بڑی تعریف کرتا تھا کہ اصل بات میری ہے جس نے یہ سب کچھ سنبھال لیا ہے۔ بستی کے بہت سے لوگوں کو میری ذات بابرکت سے فیض پہنچا اور جو ناکام رہے۔ انہوں نے ناکامی کو تقدیر سمجھ لیا۔

مجھے اب اس کاروبار کے بہت سے گُر خود بخود آ گئے تھے۔ میں لوگوں سے یہ کہتا

تھا کہ شفا دینے والی ذات خداوند عالم کی ہے۔ دعا کرنا اس گنہگار کا کام ہے۔ اگر کسی کی حاجت پوری نہ ہو تو وہ اس گنہگار کو قصوروار نہ کہے' سیدھا سادا کام تھا کوئی لاگ لپٹ نہیں تھی کسی کا کام بن گیا تو شاہ جی زندہ باد اور نہ بنا تو اللہ کی مرضی۔ ہاں کچھ کرامات ایسی تھیں جو عقیدت کو قائم رکھے ہوئے تھیں اور اس کا روح رواں شیر علی تھا جو بستی بھر کی خبر رکھتا تھا۔ بلکہ اب یہ اس کا کام ہو گیا تھا۔ یہ خبریں وہ حاصل کرتا اور خفیہ راستے سے میرے پاس پہنچ جاتا اور پھر مجھے یہ پتا چل جاتا کہ کس کے ہاں کیا ہو رہا ہے اور کون میری جانب رخ کرنے والا ہے۔ جب کوئی حاجت مند میرے پاس آتا تو میں اسے اس کی حاجت کے بارے میں اس سے پہلے بتا دیتا اور ظاہر ہے اس کے بعد لوگوں کی حیرانی انتہا کو کیوں نہ پہنچ جاتی۔ دال روٹی کے بجائے گوشت روٹی خوب چل رہی تھی۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ من و سلوا اترتا تھا۔ صحت بھی بہترین ہوتی جا رہی تھی بہت سی باتیں اب ذہن سے اتر گئی تھیں۔ علی جاہ بستی کا تو اب خیال بھی نہیں آتا تھا۔ یہاں کیا کمی تھی۔ ایک طرح سے عمر بھر کے لئے روٹیوں کا بندوبست ہو گیا تھا لیکن دانہ گندم کے مضر اثرات عمدہ صحت اور اچھی زندگی کے بعد دوسرے احساسات کو جلا دیتے ہیں۔ تجرد کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

عقیدت مندوں میں خواتین بھی تھیں اور لڑکیاں بھی' ان کی کھنک دار آواز اور شوخ باتیں میرے دل کو گدگدانے لگی تھیں۔ بستی کا کھاتا تھا سب کا بزرگ تھا اس لئے کسی لڑکی بالی پر نظر ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے بعد ذلت اور ٹھوکروں کے علاوہ اور کچھ باقی نہ رہتا لیکن اس کم بخت دل کو کیا کرتا جو ہر حسین چہرے کو دیکھ کر تڑپنے لگتا تھا اور اس کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ ساری آسانیاں فراہم ہو گئی تھیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اب دل کا دلدار کیسے ہاتھ آئے۔ بہرحال اس سلسلے میں تو شیر علی کو بھی راز دار نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ انسان کا بچہ ہے کچھ کر بیٹھا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ آدھا چڑھاوا اپنے باپ کی ملکیت سمجھ کر لے جاتا تھا۔ یہ بھی تمام عمر کا تاوان تھا۔ بستی والے بیچارے تو صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ ڈھائی آنے سے لے کر سوا روپیہ تک چڑھا دیں اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ جمعرات کو۔ ان کو اپنی ہی آمدنی کتنی تھی۔ چنانچہ روٹی تو خیر اچھی ہی مل جاتی تھی لیکن باقی پیسے بہت کم جمع ہوتے تھے اور جو جمع ہوتے تھے اس میں سے آدھے شیر علی کے ہوتے تھے۔

بہرحال یہ سارا چکر چل رہا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ زندگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے معاملات ویسے تو بہت پُرسکون تھے۔ وقت گزرتا رہا اور آہستہ آہستہ تھوڑے تھوڑے پیسے جمع ہوتے رہے لیکن بہرحال یہ صورتِ حال بھی بری نہیں تھی۔ کوئی اور ضرورت تو اب باقی نہیں رہی تھی لیکن دل کی یہ نئی مانگ بہت پریشان کر رہی تھی لیکن اس کے لئے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر ایک دن احساس کے درخت میں آگ لگ گئی۔ شعلہ دکھانے والی ذات گلنار بیگم کی تھی۔ گلنار بیگم اصل میں بشیرن کی رشتہ دار تھی اور دوسری بستی میں رہتی تھی کافی عرصے سے اس کی طبیعت خراب تھی اور بشیرن کی بہن یعنی اس کی ماں کا خیال تھا کہ کسی چیز کا سایہ ہو گیا ہے۔ یہ بات جب بشیرن کو پتا چلی تو اس نے بہن کو اپنے پاس بلوالیا اور کہا۔

"اے بوا۔ اسے کہتے ہیں کہ گھر میں درخت لگا ہے اور تم سائے کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہو۔ فوراً آجاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" بہرحال یہ سن کر بشیرن کی بہن اپنی بیٹی گلنار کو لے کر بشیرن کے پاس آگئی۔ بشیرن تو عقیدت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اکلوتے بیٹے کا کام ہو گیا تھا اور پھر پوری بستی والے الگ یہ خبریں سناتے رہتے تھے کہ شاہ صاحب کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بہرحال گلنار خانقاہ پہنچ گئی۔ ہم نے لوگوں سے ملاقات کا ایک خاص طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ ساکھ بحال رکھنے کے لئے تو تھوڑی دیر تک میں نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور گلنار کی بیماری کے بارے میں سنتا رہا۔ گلنار پر کس کا سایہ ہو سکتا تھا اس کے ٹخنوں تک زلفوں کے سائے میں تو دل والوں کے گروہ کے گروہ گم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم پر گلنار کا سایہ ہو گیا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو دل و دماغ میں آگ لگ گئی آہ۔ ایسا حسین وجود جسے دیکھ کر دل کی دنیا برباد ہو جائے۔ بمشکل تمام میرے منہ سے آواز نکلی۔

"خداوند عالم شفا دے گا کسی حکیم کو دکھانا ضروری ہے۔ روحانی علاج ہم کریں گے اور جسمانی علاج کسی حکیم سے کروایئے اور اس میں غفلت مت کیجئے گا۔" اس سے قبل میں نے کسی اور کو ایسا مشورہ نہیں دیا تھا لیکن گلنار کی بات اور تھی۔ گلنار کو میں ہر طرح صحت مند دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا سحر خود میرے اوپر طاری ہو گیا تھا۔ میں جس طرح لوگوں کا علاج کرتا تھا اس سے واقف تھا لیکن کم از کم اس حسین وجود کو جو اب میری زندگی کی مالک بن گئی تھی، کوئی غلط مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔ البتہ میں نے اسے دوسری جمعرات کو دوبارہ بلا لیا تھا۔ پھر میری یہ دوسری جمعرات جنگل میں منگل کا باعث بن گئی۔ دوسرے عقیدت مند بھی جمع ہو جاتے تھے اس لئے جی بھر کر

دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ منگل کے انتظار میں جنگل میں پڑا رہتا تھا اور منگل کو یہ جنگل منگل ہو جاتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہی میری سوچ کے دھارے بھی بدلتے جا رہے تھے۔ اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ساری زندگی اس طرح گزار دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ دنیا بہت وسیع ہے اور اگر گلنار مل جائے تو زمین کا ہر گوشہ جنت بن سکتا ہے۔ کچھ اور کرنا ہوگا۔ کچھ اور سوچنا ہوگا لیکن گلنار کا حصول کیسے ممکن۔ ہے کوئی بات جو سمجھ میں آئے۔ دل کے راز دل میں دفن تھے زبان پر آگئے تو وقت سے پہلے کھیل بگڑ جائے گا۔ کم بخت شیر علی بھی اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اول تو گلنار اس کی کزن تھی۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس کو علم ہو گیا تو وہ سارا بھانڈا پھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ اپنے ہی طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ یہ سوچ بڑی گہری تھی۔ گلنار منگل کو آیا کرتی تھی اور صحیح معنوں میں اس کی بیماری ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اتنی کوشش کی تھی اس کو اپنا حال دل سمجھانے کی لیکن وہ خالی خالی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہتی تھی۔ ویسے منگل کو بے شک وہ آتی تھی۔ میں اس کی ماں کو تھوڑے فاصلے پر بٹھا دیا کرتا تھا اور گلنار کو اپنے سامنے بٹھا کر اس پر جھاڑ پھونک کیا کرتا تھا لیکن ماں بھی کم بخت ایسی چالاک تھی کہ اس کی چھوٹی آنکھیں ہم پر ہی جمی رہتی تھیں۔ میں سوچتا تھا کہ کبھی کوئی ایسا موقع تو ملے کہ گلنار کو میں صحیح طور سے دل کی بات بتا سکوں اور آخر کار ایک دن تقدیر نے مجھے یہ موقع فراہم کر دیا مجھے۔ اس دن گلنار اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ آئی تھی۔ ماں موجود نہیں تھی۔ معلومات کرنے سے پتہ چلا کہ اسے بخار آگیا ہے۔ میں تو خوشی سے پاگل ہو گیا۔ آج تقدیر نے مجھے یہ موقع دیا تھا کہ میں گلنار سے دل کی بات کہہ سکوں۔ تو جناب میں نے دونوں بھائیوں سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم باہر جا کر بیٹھو اور خبردار کسی کو اندر مت آنے دینا۔" دونوں چھوٹے بھائی وہاں سے چلے گئے۔ گلنار میرے سامنے پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ آج میں نے دل کی بھرپور بھڑاس نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے پوری طرح اس کے حسن کا جائزہ لیا۔ اسے کہا جاتا ہے جنگل کا پھول، ایک چھوٹی سی معصوم سی بستی میں یہ پھول اگا ہے۔ بڑی بڑی کٹوروں جیسی آنکھیں، کشادہ پیشانی۔ چہرے کا ہر نقش اپنی جگہ مکمل، لمبے لمبے گھنے سیاہ بال جو اس وقت بھی کھلے

ہوئے تھے اور لگتا تھا جیسے آسمان پر گھٹائیں امنڈ کر آرہی ہوں۔ میں نے باہر کا جائزہ لیا اور پھر اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لگا کر کہا۔

"گلنار!" اس نے آنکھیں نہیں اٹھائی تھیں۔ میں نے بڑے پیار سے اس سے کہا۔

"گردن تو اٹھاؤ۔ گلنار! تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میری ساری ریاضت' عبادت خاک میں مل گئی ہے۔ شعبان علی سر سے پاؤں تک تمہارا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ گلنار! اب شعبان علی' شعبان علی نہیں ہے۔ ایک بھکاری ایک فقیر بن چکا ہے۔ تمہارے حسن کا اسیر ہے وہ۔ گلنار! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی دوں گا۔ میری زندگی میں شامل ہو جاؤ۔ تم مجھے صرف یہ بتا دو کہ اگر کچھ تمہارے ذہن میں ہے اور کیا تم اپنے ماں باپ سے انحراف کر رہی ہو۔"

گلنار نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا ان آنکھوں میں ایک عجیب سی سرخی لہرا گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا لیکن اچانک ہی ایک زور دار تھپڑ میرے رخسار پر پڑا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا جبڑا ٹوٹ گیا ہو۔ میں وہاں سے دور جا گرا۔ کسی نرم و نازک لڑکی کا ایسا تھپڑ کسی نے تصور میں بھی نہیں کھایا ہو گا اچانک ہی میں نے ایک بھیانک منظر دیکھا۔ گلنار کے حسین گھٹاؤں کی طرح امنڈنے والے بال ایک دم چھتری کی طرح کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں کوئی آدھ انچ باہر نکل آئی تھیں۔ ہونٹ ٹیڑھے ہو گئے تھے اور وہ حسین اور نرم و نازک چہرہ جو کچھ لمحے قبل حسن و جمال کی اعلیٰ مثال تھی۔ اب ایک بھیانک شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر اچانک اس نے زور زور سے بال گھمانا شروع کر دیئے اور مجھے یوں لگا جیسے چاروں طرف ہواؤں کا شور ابھر رہا ہو ایسی تیز امنڈتی ہوئی ہوائیں کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اچانک ہی گلنار نے منہ سیدھا کیا اور مجھ پر پھونکیں مارنے لگی۔ شدید پھونکیں' مجھے ایسا لگا جیسے ہوا کا طوفان آگیا ہو اور اچانک ہی میرے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے۔ میں فضا میں کسی تنکے کی طرح اڑنے لگا۔ یقیناً یہ کوئی وہم نہیں تھا۔ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ میں بہت بلندی پر پہنچ گیا۔ زمین مجھے نیچے نظر آنے لگی۔ میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ کانوں میں ہواؤں کی شدید سنسناہٹ ابھر رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ اب میں نیچے گروں گا تو میرا کیا ہو گا۔ باقی باتیں تو سوچنے کی ابھی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ میں گرنے لگا گرتا رہا لیکن زمین پر میں اتنی زور سے نہیں گرا تھا۔ میں نے زمین پکڑلی اور دہشت سے چیخنے لگا۔ ہوائیں آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔ سب کچھ بند ہو گیا تھا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اب وہاں نہیں ہوں۔ وہ جگہ جہاں ہماری خانقاہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو ایک عجیب سا ویرانہ تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر درخت نظر آرہے تھے۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ سب کچھ کیا ہے میرے خدا۔ میرے خدا۔ یہ کیا ہوا۔ ایک لمحے تک حالات پر غور کرتا رہا۔ گلنار یاد آئی اس کی بھیانک شکل یاد آئی اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت میں نے اپنے عقب میں نگاہ دوڑائی۔ ایک بگولا سا میرے عقب سے گزر گیا تھا۔ ہوا کا چکر' ہوا کا بھنور لیکن بالکل ایسے جیسے کوئی انسانی جسم ہو۔ پیلے رنگ کی مٹی کا غبار سیدھا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میری نگاہوں کی حد سے دور ہو گیا۔ صحیح معنوں میں اب صورتِ حال کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے تو صرف لوگوں کو بیوقوف بناتے بناتے زندگی گزاری تھی لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے سچ مچ کی گڑبڑ ہو گئی ہو۔

بہت دیر تک اپنی جگہ بیٹھا سوچتا رہا۔ غور کرتا رہا اور پھر یہ سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا کہ آئندہ کم از کم اس سلسلے میں احتیاط رکھوں گا۔ ارے باپ رے۔ اگر گلنار کی یہ کیفیت تھی۔ تب تو بہت ہی خوفناک بات ہے۔ بہرحال واپس چل پڑا۔ یہ اندازہ تو نہیں ہو سکا تھا کہ کتنی دور نکل آیا ہوں بستی سے لیکن علاقہ اس قدر اجنبی اور نامانوس تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بہرحال میں آگے بڑھتا رہا اور چار پانچ میل کا فاصلہ طے کر ڈالا پھر اس کے بعد اچانک ہی احساس ہوا کہ دور دور تک آبادی کے آثار نظر نہیں آرہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سمت غلط اختیار کی ہے تھکن ہو گئی تھی ویرانہ تھا کہ ختم ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ بہت دیر تک کھڑا سوچتا رہا اور پھر اس کے بعد رخ بدل لیا۔ پھر ایک دوسرے رخ پر چل پڑا اور بہت دیر تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہونے کو آئی لیکن۔ ایسا لگتا تھا جیسے بھول بھلیوں میں گم ہو گیا ہوں۔ میرے خدا کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں آرام کیا جا سکتا تھا۔ بھوک پیاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

الگ جان لے رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر تک دکھ کے عالم میں بیٹھا سوچتا رہا۔ آخر کار یہی فیصلہ کیا کہ کل دن کی روشنی میں صحیح سمت کا تعین کر کے آگے قدم بڑھاؤں گا۔

رات گزری دوسری صبح کم از کم اتنا ہوا کہ تھوڑے فاصلے پر ایک ایسا برساتی گڑھا نظر آگیا۔ جسے جوہڑ یا تالاب تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اس میں پانی کافی موجود تھا اس میں مٹی نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ اوپر بھی مٹی کی تہہ تھی لیکن مٹی کی تہہ ہٹانے سے پانی شفاف ہو جاتا تھا۔ پیاس اتنی شدید تھی کہ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ پانی کافی مقدار میں پی لیا اور اس کے بعد بیر کی جھاڑیوں سے بیر توڑ کر کھائے۔ بہرحال بھوک تو کیا ہی رفع ہوتی صرف تھوڑی سی توانائی محسوس ہوئی اور میں نے ہمت کر کے سفر کے لئے قدم اٹھا دیئے چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ دوپہر کو ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں کچھ خاص قسم کے پھلوں کے درخت نظر آ رہے تھے۔ انسان پر جب دیوانگی سوار ہو جاتی ہے تو بہت سی باتوں کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ یہ پھل بالکل اجنبی تھے لیکن میں نے توڑے اور کھائے۔ ان میں گودا بھی تھا۔ پانی بھی تھا اور مزہ بھی خراب نہیں لگا جنگلی پھل تھے۔ اب ان کا ری ایکشن کیا ہوگا یہ تو بعد میں ہی دیکھا جائے گا بدن میں توانائی پیدا ہوتے ہی میں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

مختصر یہ کہ کوئی پانچ دن ہو گئے مجھے اس طرح بھٹکتے ہوئے لیکن نہ تو بستی کی شکل نظر آئی اور نہ ہی کوئی اور آثار ایسا لگتا تھا جیسے بستی میری نگاہوں سے اوجھل کر دی گئی ہو یا ہوا کا وہ مرغولہ مجھے ہزاروں میل دور لے آیا ہو اور اب میں کسی بھی طور اس بستی تک نہیں پہنچ پاؤں گا۔ یہ تصور اور یہ احساس میرے دل میں انتہائی شدید ہو گیا۔ غم سے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ شعبان علی تمہاری موت اسی طرح بے یار و مددگار لکھی ہوئی ہے۔ یہ تو بہت ہی برا ہوا کہاں کہاں غلطی کی ہے زندگی میں۔ بچپن کی شرارتیں تو سب کرتے ہیں اور زندگی ذرا سی تبدیل ہو جاتی ہے لیکن یہ نتیجہ ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہوگا۔ بہرحال دکھوں کا مارا چلتا رہا شام کے کوئی پانچ بجے ہوں گے اندازے کے مطابق کہ مجھے پہلی بار ان ہولناک ویرانوں میں ایک انسانی شکل نظر آئی۔ دو افراد تھے جو نہ جانے زمین پر بیٹھے ہوئے کیا کر رہے تھے۔ ان کے اردگرد جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ انسانوں کو دیکھتے ہی میں ان کی جانب دوڑا اور بدن کی پوری قوت صرف کر کے آخر کار وہاں پہنچ گیا۔ ان میں سے ایک بیس بائیس سال کا ایک نوجوان تھا اور دوسرے تقریباً چالیس، پینتالیس سال

کے ایک بزرگ سے آدمی تھے جن کی داڑھی بہت خوبصورت تھی رنگ گورا اور آنکھیں بڑی بڑی۔ جسم پر بھی فقیرانہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ میری آواز کو محسوس کر لیا گیا اور دور ہی سے انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور میرا انتظار کرنے لگے۔ میں قریب پہنچا تو نوجوان لڑکے نے مجھے سہارا دیا۔ میری کمر پر ہاتھ رکھ کر اس نے مجھے سنبھالا دیا اور بولا۔

"خیریت ہے بھائی! کیا کوئی درندہ پیچھے لگ گیا ہے؟" اس کے لہجے میں خوف تھا بزرگ بھی خاصے پریشان نظر آ رہے تھے۔

"نن نہیں میں.......... میں راستہ بھٹک گیا ہوں میں راستہ بھول گیا ہوں۔ پانچ دن سے جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا ہوں آپ لوگوں کو دیکھ کر صبر نہ ہو سکا اور دوڑ پڑا۔"

"راستہ بھٹک گئے ہو پانچ دن سے مارے مارے پھر رہے ہو۔" بزرگ نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں.........."

"مگر کیا کر رہے تھے ان جنگلوں میں۔"

"پانی.......... اگر آپ کے پاس پانی ہو تو مجھے پانی پلایئے۔ پانچ دن سے بھوکا پیاسا پھر رہا ہوں۔"

"ارے ارے اچھا۔ چل بھئی حمدو انہیں پانی پلا اور کھانے پینے کو کچھ دے۔"

اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کا موٹا تنا نظر آ رہا تھا۔ درخت کے چوڑے تنے کے نیچے کچھ سامان پڑا ہوا تھا۔ وہیں پر دو سائیکلیں بھی تھیں۔ چنانچہ حمدو وہاں دوڑا چلا گیا۔ بزرگ اپنے کام ترک کر کے مجھے غور سے دیکھنے لگے تھے لیکن انہوں نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حمدو روٹیاں قیمہ اور پانی لے آیا۔ پانچ دن کے بعد یہ تھوڑی سی غذا معدے میں پہنچی تو پتہ لگا کہ زندگی ابھی باقی ہے اور زندہ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہرحال میں کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں لمبا لمبا لیٹ گیا تو ان بزرگ نے کہا۔

"عزیزم ایسا کرو۔ تھوڑی سی ہمت کرو درخت کے نیچے آ جاؤ اور وہاں آرام سے لیٹ جاؤ۔ بے فکر رہو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" میں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا تو غشی سی طاری ہو گئی اور اس کے بعد

شاید نیند یا بے ہوشی دونوں چیزوں نے آلیا۔ جاگا تو چاروں طرف گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرا دل خوف سے دھڑکنے لگا گزرے ہوئے واقعات یاد آگئے اور میں دہشت زدہ ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہوش میں آگئے۔" بزرگ کی آواز ابھری اور مجھے سکون ہوا کہ وہ دونوں یہاں موجود ہیں۔"

"جی ہاں لیکن آپ.........."

"نہیں' کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں ویسے بھی رات کو یہاں سے جانا نہیں تھا۔ ہم نے سوچا کہ تم آرام سے سو جاؤ۔ چلو اٹھ جاؤ اب چائے پیو گے یا بھوک لگ رہی ہے۔"

"چچ.......... چائے۔" میں نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔

"حمدو چائے کے ساتھ ڈبل روٹی دے دو' رات کا کھانا بھی ہو جائے گا۔" میں چائے کی دو پیالیاں اور تقریباً آدھی ڈبل روٹی سٹک گیا۔ وہ دونوں اندھیرے میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے کہا۔

"روشنی کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔"

"ہے مگر یہاں گیدڑ اور کبھی کبھی بھیڑیئے بھی نکل آتے ہیں اندھیرا ہی رہنے دو۔" میں سہم کر خاموش ہو گیا۔ بزرگ جاگ رہے تھے۔ وہ میرے پاس آبیٹھے۔

"کیسی طبیعت ہے ٹھیک ہو۔"

"جی آپ کی مہربانی نے مجھے زندگی دی ہے۔"

"تھکن اتر گئی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گے۔"

"جی۔" میرے دل میں سچائیاں ہی سچائیاں تھیں۔ انسان جب بے سکون اور پریشان ہوتا ہے تو شاید سچ ہی بولتا ہے۔ یہ میرا تجربہ یا تجزیہ نہیں تھا بس ایک خیال ہے میرے دل میں۔

"کیا نام ہے؟"

"شعبان علی! باپ کا نام رمضان علی تھا بستی علی جاہ میں امامت کرتے تھے۔ میں ان کا ناخلف اور نکما بچہ ہوں۔ بس باپ کی موت کے بعد دربدر بھٹکتا رہا اور اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد ایک بستی میں جا نکلا۔" میں نے شروع سے لے کر آخر تک پوری کہانی الف سے لے کر یے تک پوری سچائی کے ساتھ ان بزرگ کو سمجھا دی۔ بزرگ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے یہ کہانی سن رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے یا ان کے ساتھی لڑکے حمدو کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ بہرحال میں خاموش ہوا تو اس کے بعد وہ کافی دیر تک خاموش رہے۔ پھر بولے۔

"بچ گئے' عزیزم' بچ گئے' بال بال بچ گئے۔ مکاری کا کھیل بہت زیادہ عرصے نہیں چلتا ایسا کام تو سب ہی کر سکتے ہیں۔ ہم بھی کر سکتے ہیں۔ مگر معلوم ہے ہم نے اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔ چھوٹے موٹے کام کر کے زندگی گزارتے رہتے' تو شاید کام چل بھی جاتا لیکن تمہارا واسطہ کسی اصلی جن سے پڑ گیا۔ عزیزم لڑکی اگر اتنی ہی حسین تھی تو کیا تم ہی رہ گئے تھے اس کے لئے کہ وہ تمہیں پسند کر لیتی اور شادی کر لیتی۔ بیوقوف یا احمق ہو یا یہ کہنا چاہئے کہ نوجوان ہو زندگی کو چند روز دیکھا ہے اور اپنے آپ کو عقلمند سمجھ بیٹھے۔ ہمیں دیکھو ہمارا نام حیات علی ہے۔ حیات کی ایسی ایسی مشکلوں سے گزرے ہیں کہ تمہیں بتائیں تو دیوانے ہو جاؤ گے۔ احمق آدمی۔" بہرحال یہ سارا سلسلہ چل رہا تھا اور میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا تھا۔ بزرگ کہتے رہے۔

"کیا سمجھے۔ کچھ عقل میں آرہی ہے بات یا نہیں۔"

"جی.........."

"جانتے ہو کہ کیا ہوا تھا۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"لڑکی گلنار پر کوئی حقیقی جن عاشق تھا۔ جب تک تم اس کے راستے میں نہیں آئے۔ اس نے کوئی بات محسوس نہیں کی لیکن جب تم نے اس لڑکی کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگایا تو ظاہر ہے۔ جن کو جلال تو آنا ہی تھا۔ اتنا ہی کیا کہ بس تم کو خاموشی کے ساتھ نیچے پھینک دیا۔ ورنہ اگر ہزار فٹ کی بلندی سے نیچے گرتے تو سوچو کیا بنتا تمہارا۔"

"قیمہ.........." میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"بالکل بالکل۔ بلکہ ایسا قیمہ بنتا کہ زمین سے اٹھایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔" بہرحال ان بزرگ سے کافی بات چیت ہوئی۔ نام حیات علی تھا۔ وہ لڑکا جس کا نام حمدو تھا ان کے پاس کام کرتا تھا۔ بزرگ نے باقی اپنے بارے میں کوئی خاص بات نہیں بتائی تھی۔ رات وہیں گزاری گئی۔ دوسری صبح بزرگ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میاں! اصل میں ہم جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آئے ہیں یہاں اس علاقے میں کچھ جڑی بوٹیاں مل جاتی ہیں۔ یہاں سے کوئی پانچ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ وہاں سے یہ سائیکلیں وغیرہ لی ہیں ہم نے۔ اب اس کے بعد اپنا کام مکمل کرلیں تو یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔ تمہارے لئے ایک پیشکش کرتے ہیں ہم۔"

"جی حیات علی صاحب۔"

"استاد محترم کہو تو زیادہ بہتر رہے گا' بولو بنو گے ہمارے شاگرد؟"

"میں تو دل و جان سے آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ کچھ ایسا اثر ہوا ہے میرے دل پر آپ کی شفقت کا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے قدموں میں اپنی زندگی بسر کردوں۔"

"ارے۔ ارے۔ اتنی بڑی بڑی باتیں لمحوں میں نہیں کی جاتیں شعبان میاں کچھ وقت چاہو تو گزار لو میرے ساتھ۔ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات ہی بن جائے کیا کہتے ہو۔"

"میں نے عرض کیا ناں جو آپ کا حکم ہو۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔ تم اطمینان سے یہاں بیٹھو ہم حمدو کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ویسے تمہاری کیفیت کیا ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ابھی ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ تم یہیں سامان کے پاس بیٹھو۔ بلکہ ایسا کرو کچھ کھانے پینے کی چیزیں تیار کرلو اگر ممکن ہو سکے تو' وہ دیکھو وہ گیس کا چولہا رکھا ہے۔ ہم اس میں گیس بھروا کر لائے ہیں۔ باقی کھانے پینے کا سامان بھی ہے۔ اصل میں ہو سکتا ہے ہمیں یہاں دو چار روز لگیں۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ آج رات ہی کو واپسی کا فیصلہ کرلیں۔ اصل کام ان جڑی بوٹیوں کا مل جانا ہے۔"

"جیسا آپ کا حکم ہو۔" بہرحال یہ بات طے ہو گئی اور میں کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا کچھ سوکھی ہوئی سبزی تھوڑا سا گوشت وغیرہ بھی موجود تھا جو ابھی تک خراب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ موسم زیادہ سخت نہیں تھا۔ پانی وغیرہ کا بھی معقول بندوبست تھا چنانچہ میں کھانا پکانے میں لگ گیا۔ حمدو اور حیات علی بہت دور نہیں گئے تھے اپنی جگہ سے میں انہیں دیکھ سکتا تھا بلکہ اگر میں درخت پر چڑھ جاتا تو شاید اس پورے علاقے ہی کو دیکھ سکتا تھا لیکن ایسا کوئی عمل نہیں کیا البتہ کھانا پکاتے وقت

میرے ذہن میں بہت سے خیالات آتے رہے۔ واقعی یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی تھی اس کا مطلب ہے کہ گلنار پر حقیقی جن تھا۔ اب مجھے کیا معلوم میں تو نقلی جن اتارتا رہتا تھا۔ وہی والی بات جو میں پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں کہ تعویذ گنڈے دے دیئے اور اس کے بعد معاملہ تقدیر پر چھوڑ دیا۔ تقدیر اگر مہربانی کرے اور کسی کو شفا ہو جائے تو میری چاندی نہ ہو تو اللہ کی مرضی۔ اب جب تک چل سکی تب تک چلائی لیکن یہ صورتِ حال بڑی خوفناک ہو گئی تھی۔ عشق کا بھوت فوراً ذہن سے اتار دیا بلکہ گڑگڑا' گڑگڑا کر ان جن صاحب سے معافی مانگی کہ جناب جن! جو ہو گیا سو ہو گیا۔ انسان کا بچہ ہوں مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ سچ مچ عشق فرما رہے ہیں۔ جانے دیجئے میں رقیب کیا رقیب کے جوتوں کی خاک بھی نہیں بن سکتا۔ میں کیا میری اوقات کیا ایک بار مجھے معاف کر دیجئے اور بڑی مہربانی کہ آپ نے بلندی سے نیچے نہ پھینک دیا۔ فی الحال قیمہ ہونے سے بچ گیا باقی آپ کی مہربانی۔ آپ کی مرضی۔ بہرحال جن خوفناک حالات سے گزرا تھا' انہیں بالکل نہیں چاہتا تھا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ بھاڑ میں جائے لیلیٰ تیری بھاڑ میں جائے تو۔ ایسے عشق محبت پر لعنت۔ جس میں مقابلے پر کوئی جن ہو۔ خیر جناب! تو یہاں بھی میری تقدیر نے میرے ساتھ بہتری کی اور حیات علی صاحب کو ان کی ضرورت کی جڑی بوٹیاں مل گئیں۔ کوئی شام کو ساڑھے چار بجے وہ واپس آئے اور انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے کھانا نہیں کھایا ہے تو مجھے بہت افسوس ہے اور کھا لیا ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"نہیں استاد محترم! بھلا آپ کے بغیر کھانا کیسے کھا سکتا تھا۔"

"تب مجھے افسوس ہے ایک بات کہوں میاں زندگی میں بہت سے الٹے سیدھے مسائل آتے ہیں ضرورتیں پوری کرلیا کرو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ عزت کرو۔ استاد کا مقام دو باقی سب ٹھیک ہے۔ اصل میں تم سے یہ ساری باتیں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سچائی کے ساتھ تمہیں اپنا ساتھی بنانے کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ تم شریف زادے ہو۔ یہ بات طے ہے۔"

"بہت نوازش بہت شکریہ۔ آئندہ جو احکامات دیں گے ان کی حرف بہ حرف تعمیل کروں گا۔"

"ایسا کرو گے تو خوش رہو گے سکھ پاؤ گے۔" استاد محترم نے کہا بڑے اچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی معلوم ہوتے تھے پھر سائیکلوں پر واپسی کا سفر طے ہو گیا۔ حمدو نے مجھے پیچھے کیرئیر پر بٹھا لیا اور سائیکل گھسیٹنے لگا۔ دوسری سائیکل استاد محترم نے سنبھال لی تھی۔ پانچ میل کا سفر طے کر کے ہم بستی میں داخل ہوئے۔ پھر یہ رات بستی ہی میں گزاری گئی۔ بستی میں بہت سی سرائے اور ہوٹل تھے لیکن استاد شاید میانہ روی کے قائل تھے۔ سرائے ہی میں قیام کیا اور اس کے بعد رات کو استاد نے مجھے کچھ مزید ہدایات دیں کہنے لگے۔

"عزیزی! دنیا دکھاوے پر چل رہی ہے۔ کوئی شخص کچھ ہوتا ہے کچھ اپنے آپ کو کہتا ہے۔ بس یہی دستور دنیا بن چکا ہے اور مجبوری یہ ہے کہ ہمیں اس دنیا کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ ورنہ دنیا ہمیں کسی بھی حیثیت سے قبول نہ کرے۔ تھوڑی سی اداکاری کر لو لوگوں کو اپنا دوست بنا لو اپنا عقیدت مند لگا لو۔ سچائی کے ساتھ کسی سے بات کرو گے تو وہ تمہیں بیوقوف سمجھے گا۔ کیا سمجھے۔"

"جی استاد۔"

"بس ان تمام باتوں کا خیال رکھنا اگر تم علم و عمل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو اور اس طرح کام کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں' بے شک میں بھی ایک لالچی آدمی ہوں۔ دولت کمانے کا خواہش مند ہوں لیکن اتنی کہ اس کے بعد جوتے نہ پڑیں۔ یہ جڑی بوٹیاں جو لے جا رہا ہوں۔ یہ کچھ دوائیں بنانے کے لئے ہوتی ہیں۔ بہت سی ایسی دوائیاں ہوتی ہیں جو انسان اپنی ضرورت سمجھتے ہیں۔ تفصیل تمہیں اس لئے نہیں بتا سکتا کہ میری اولاد کی مانند ہو۔ وہ جملے نہیں کہہ سکتا جو ان دواؤں کے سلسلے میں کہے جاتے ہیں۔ ویسے عامل کا کاروبار کر رکھا ہے اور اپنے شناساؤں میں ہڈی شاہ کے نام سے مشہور ہوں۔"

"خوب.........."

"بس جو کچھ تمہیں سکھاؤں۔ وہ سیکھ جاؤ اور اس کے بعد وہی طریقہ کار اختیار کرنا۔ ویسے تم جو کچھ مجھے اپنے بارے میں بتا چکے ہو۔ اس نے بھی مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم باقاعدہ اس سلسلے میں کام کر چکے ہو اور تھوڑا بہت تجربہ ہے تمہارا اس لئے مجھے تمہیں مشاق بنانے میں زیادہ وقت نہیں ہو گی۔" بہرحال دوسری صبح ہم ایک لاری میں بیٹھ کر استاد کے شہر احمد پور چل پڑے تھے۔

☆======☆======☆

ایک پسماندہ بستی سے دوسری پسماندہ بستی تک کا سفر اور وہاں کے ماحول میں اپنے آپ کو گم کر لینا ایک الگ بات تھی۔ دوسرے بڑے شہر کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا تھا۔ احمد پور تو کمال کی جگہ تھی۔ میرے تصورات سے کہیں بڑھ کر ایک لمحے کے لئے تو اسے دیکھ کر دل و دماغ پر وحشت سوار ہو گئی تھی۔ گاڑیوں کا ہجوم موٹروں کا شور' انسانوں کی چیخ و پکار ہنگامہ آرائی ایسا لگتا تھا جیسے سب کے سب افراتفری کا شکار ہوں۔ استاد محترم جس جگہ لے گئے۔ وہ ایک چوراہے کے ایک گوشے میں تھا اور وہاں ایک بہت بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"آستانہ ہڈی شاہ جناب حیات علی شاہ صاحب۔ پچھتر سالہ تجربہ کار ہر قسم کے پیچیدہ امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ جنات کو بوتل میں بند کرنے کا عمل۔ جن' بھوت پریت آسیب ہر ایک کے لئے تیر بہدف علاج رجوع فرمائیے۔" یہ عظیم الشان بورڈ لگا ہوا تھا۔ نیچے اس آستانے کا میڈیکل اسٹور تھا۔ اوپر رہائش گاہ جس میں تین نفیس کمرے' عقب میں ایک وسیع و عریض صحن اور ایک سائیڈ لیبارٹری جی ہاں لیبارٹری جہاں روحانی تجربات ہوا کرتے تھے اور پیر ہڈی شاہ ان تجربات کے روح رواں تھے۔ مجھے باقاعدہ ایک پورا کمرہ دے دیا گیا۔ میں حیران تھا کہ اس دنیا میں ایسے دل والے بھی ہوا کرتے ہیں۔ جو اجنبی لوگوں کے لئے اس طرح اپنے دل کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ بہرحال جب کوئی آپ کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرے تو پھر آپ پر بھی کچھ ذمے داریاں عائد ہو جاتی ہیں اور ان ذمے داریوں کو بہر طور پورا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پہلے تین دن تو حیات علی شاہ نے مجھے آزاد چھوڑ دیا۔ بلکہ حمدو سے کہا کہ مجھے آٹو رکشہ میں بٹھا کر احمد پور کی سیر کرائے۔ کرائے کے پیسے بھی ہڈی شاہ صاحب نے خود ہی دیئے تھے۔ ایک شہر تھا اور کیا زندگی تھی۔ میں اس شہر سے واقفیت حاصل کرنے لگا۔ چوتھے دن ہڈی شاہ صاحب کو کچھ فرصت تھی۔ انہوں نے مجھے طلب کر لیا اور پہلی بار میں نے ان کے کاروبار کی جگہ دیکھی۔ وسیع و عریض کمرہ تھا۔ عقب میں لوبان سلگ رہا تھا۔ جس کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کس چیز سے ہلکا ہلکا دھواں بھی خارج ہو رہا تھا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ یہ لوبان کا دھواں ہو گا لیکن لوبان کا دھواں الگ تھا۔ اس دھوئیں کی ایک فضا قائم کی گئی تھی۔ جو پس منظر میں تھی پیش منظر میں ہڈی شاہ صاحب' غالباً چیتے کی کھال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی اور یہاں موجود نہیں تھا۔ میں باادب جا کر بیٹھ گیا تو وہ مسکرا کر بولے۔

"یہ ہے ہمارا آپریشن روم۔"

"جی۔ بہت خوب ہے۔"

"دیکھو۔ اس دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے لئے جی چاہتے ہیں اور ایک وہ جن کے دل میں دنیا کا درد بھی ہوتا ہے۔ جو اپنے لئے جینا چاہتے ہیں میں سوچتا ہوں وہ بھی دنیا کے درد سے خالی نہیں ہوتے لیکن دنیا انہیں جو درد دیتی ہے۔ وہ درد ہمیں مجبور کر دیتا ہے کہ وہ دنیا کے بجائے اپنے درد کو دیکھیں۔ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔ میں تمہیں اپنی دکھ بھری کہانی نہیں سنانے بیٹھوں گا۔ تمہیں بس اتنا بتاتا ہوں کہ چونکہ تم ان معاملات سے دلچسپی رکھتے ہو اور اس بستی میں یہ سلسلہ کر چکے ہو اس لئے تمہارا اپنا بھی تھوڑا تجربہ ہوگا۔ میں نہیں جانتا وہ تجربہ کتنا ہے لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ ہمارا کاروبار زیادہ تر عورتوں سے چلتا ہے۔ عورتیں ہمارے کاروبار میں سب سے بڑی معاون ہوتی ہیں۔ ان کی نفسیات کا جائزہ لو ان کے بارے میں غور کرو۔ تو سمجھ لو دنیا کے بہت سے کام بن جاتے ہیں۔ مرد ایک ذہین ترین مخلوق ہے لیکن اسے بیوقوف بنانے کے لئے عورت کا وجود اس دنیا میں موجود ہے۔ یہ عورت سب سے بڑی دشمن اپنی ہی صنف کی ہوتی ہے۔ ساس کی شکل میں' نند کی شکل میں' بھاوج کی شکل میں' بہو کی شکل میں' اس سے بڑی دشمن دوسری عورت کی اور کوئی نہیں ہوتی۔ ان کے مسائل مخصوص ہوتے ہیں۔ ساس بہو کا اقتدار ختم کرنا چاہتی ہے اور کبھی کبھی اقتدار کے ساتھ ساتھ بہو ہی کو ختم کر دینے کی خواہش مند ہوتی ہے۔ مختلف واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں وہ اسے جلا کر مار دیتی ہے۔ کہیں زہر دے دیتی ہے اور کہیں اس پر الزام لگا کر اسے دربدر کر دیتی ہے۔ کوئی مرد اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتا اور کوئی مرد مرد کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم ایسے معاملات میں ساتھ دو اور کسی ظالم کو ظلم کرنے میں سہارا دو لیکن ان بے وقوفوں سے رقم کمائی جا سکتی ہے اور یہ ضروری بھی ہے۔ آخر ان مردوں کو کیا ہو جاتا ہے جو اپنی عورتوں کو اس طرح کے کاموں کی اجازت دے دیتے ہیں۔ نہ صرف اجازت دے دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی خود بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ جب وہ خود یہ عمل کر لیتے ہیں تو بھلا ہم جیسے لوگوں کو کیا ضرورت ہے کہ ہم ان سے ہمدردی کا اظہار کریں۔ چنانچہ کل سے تم میرے پاس آ کر بیٹھو۔ حلیہ تمہارا بہت اچھا ہے کیونکہ اسی فیلڈ کے نکلے ہوئے ہو۔ بڑھی ہوئی داڑھی بڑھے ہوئے بال۔ لباس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظام ہو جائے گا۔ وہ تمہارے لئے ایک جگہ بنا دی گئی ہے۔ دو تین دن بیٹھ کر تجزیہ کرو۔ پھر اس کے بعد تمہیں کام سے لگاؤں گا۔"

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ ہڈی شاہ مجھے لیکچر دیتے رہے اور میں یہ لیکچر یاد کرتا رہا۔ پھر میں وہاں بیٹھ گیا جہاں ہڈی شاہ نے کہا تھا۔ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ دھواں اصل میں ایک طرح کی اسموکنگ مشین سے خارج کیا جاتا ہے۔ بے ضرر اور گھٹن نہ پیدا کرنے والا دھواں ہوتا ہے لیکن اس سے جو ماحول تشکیل پاتا ہے وہ دوسروں پر اثر انداز ہونے میں مدد دیتا ہے۔ سب سے پہلے ایک بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ کھنکھناتا ہوا بدن سولہ سنگھار کیے ہوئے۔ وہ تو بال ذرا سر پر کٹے ہوئے تھے۔ ورنہ شاید بال بال موتی ہی پروتی' گہری لپ اسٹک' دودھ جیسا سفید چہرہ اور بیٹر جیسی کالی گردن جس کا ایک حصہ میک اپ سے خالی رہ گیا تھا۔ ہاتھوں پر بھی میک اپ کیا گیا تھا لیکن جہاں تک بازو کھلے ہوئے تھے وہاں تک تو میک اپ تھا اور جہاں کا کپڑا کھسک گیا تھا وہاں سے کلاہٹ نظر آ رہی تھی۔ اپنی عمر سے پچاس سال چھوٹی نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اس کوشش میں کامیاب نہیں تھیں۔ آ کر بیٹھ گئیں۔ کہنے لگیں۔

"شاہ صاحب! بڑی پریشان ہوں۔ کم بخت ماری پر کوئی چیز اثر ہی نہیں ڈال رہی۔ آپ کے کہنے سے دنیا کی ہر کوشش تو کر چکی ہوں۔ مگر کچھ بات بن نہیں رہی شاہ صاحب!"

"آپ کیا چاہتی ہیں زیب النساء بیگم۔"

"ارے میں چاہتی ہوں کہ اس کا میاں اس کی صورت پر تھوکنے لگے۔ اس کی طرف آنکھیں بھر کر دیکھنا پسند نہ کرے۔ کوئی ایسی ترکیب کریں شاہ صاحب! کوئی ایسے تعویذ کریں کہ وہ خود اپنے منہ سے کہہ دے کہ مما! مجھے اس کلموہی سے نجات دلا دو۔ شاہ صاحب! وہ کم بخت مارا تو گھر میں آتے ہی اس کے پیروں تلے بیٹھ جاتا ہے اس کی دلجوئی کرتا ہے۔ شاہ صاحب! مجھے کینسر ہو جائے گا۔ آپ کچھ کر دیجئے۔"

"اس کا مقصد ہے کہ اب مجھے ساتویں جن کو بھیجنا پڑے گا۔ اصل میں بیگم صاحبہ اس عورت کے اہل خاندان بھی کوئی بہت بڑا کام کرا رہے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں سفید شعاعیں کام کرنے کے لئے نکلتی ہیں لیکن اس کے بعد وہ نیلی شعاعیں فوراً ہی نازل ہو کر ان سفید شعاعوں کو کھا جاتی ہیں اور کام پوری طرح اثر انداز نہیں ہوتا لیکن خیر ہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مشکل کا حل ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ کسی کو کوئی جانی نقصان نہ ہونے پائے۔"

"ارے ختم کریں شاہ جی! آپ خواہ مخواہ نقصان اور نفع کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں لوگ اپنا کام کیے جا رہے ہیں مروں گی تو میں۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! آپ ایسا کیجئے دس ہزار روپے بھجوا دیجئے۔ کافی کام کرنا پڑے گا۔"

"میں ابھی دیئے دیتی ہوں آپ کو۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب آپ دیکھئے تماشا کہ ہوتا کیا ہے۔" شاہ صاحب نے کہا بیگم صاحبہ اس دوران اپنے پرس سے دس ہزار روپے نکال چکی تھیں۔ انہوں نے وہ پیسے شاہ صاحب کے قدموں میں رکھ دیئے۔ شاہ صاحب نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ بہرحال اس کے بعد وہ چلی گئیں اور حیات علی صاحب نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"دیکھا میاں! یہ ان اعلیٰ خاندانوں کی خواتین ہیں جو پڑھے لکھے کہلاتے ہیں۔ کسی جاہل کو تو ہم خیر کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ وہ تو بیچارہ تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں ہوتا۔ یہ محترمہ جو ہیں ایک بہت اچھے بڑے سرکاری افسر کی بیگم صاحبہ ہیں۔ بیٹے کی شادی کی' بہو اتفاق سے ایسی آ گئی جس نے ان کی جوتی اٹھا کر سر پر نہیں رکھی۔ بس یہ اس کی دشمن بن گئی۔ بقول ان کے ان کا بیٹا اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا ہے یہ چاہتی ہیں کہ بیٹا اپنی بیوی سے نفرت کرنے لگے۔ پچیس ہزار روپے خرچ کر چکی ہیں۔ میرا خیال ہے بیس پچیس ہزار اور خرچ کر دیں گی۔ اسی قسم کے لوگوں سے ہمارا کام چلتا ہے۔"

"ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں حیات علی صاحب!" میں نے کہا۔

"ہاں پوچھو۔"

"کیا آپ اس لڑکی کو نقصان پہنچا دیں گے جو اس کی بہو ہے۔" جواب میں حیات علی شاہ ہنسنے لگے پھر بولے۔

"بیٹا ایک بات کا خاص طور سے خیال رکھنا' فائدہ یا نقصان پہنچانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم تو بس ایسے لوگوں سے اپنا کام چلاتے ہیں۔ جب تک یہ بیوقوف

بن سکتے ہیں انہیں بیوقوف بنا دیں گے۔ تم نے اس ڈاکٹر کو تو دیکھا ہوگا۔ جس کے پاس لوگ علاج کی غرض سے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر انہیں دوائیں دیتا رہتا ہے فائدہ نہیں ہوتا۔ تو ڈاکٹر سے مایوس ہو کر وہ کسی اور ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بیگم صاحبہ دیکھیں گی کہ ہمارا عمل بے اثر رہا ہے تو کہیں اور چلی جائیں گی۔ ہماری اس نگری میں جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ناں۔ وہ سب اپنی اپنی تقدیر کے پھل کھا رہے ہیں۔ جو ان کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے اس طرح چل کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔"

"یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔"

"ابھی تو تم دیکھو۔ یہاں کیا کیا دلچسپیاں نظر آتی ہیں تمہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس دن کے بعد سے میں باقاعدہ شاہ صاحب کے حجرے میں بیٹھنے لگا۔ جہاں ایک سے ایک بیوقوف آتا تھا۔ کمال کی دنیا تھی یہ دیکھ کر اور سوچ کر ہی حیرت ہوتی تھی۔ بلاشبہ اس سلسلے میں عورتیں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ انہی کے مسائل حد سے زیادہ ہوتے تھے لیکن بیوقوف مرد بھی ان کے پیچھے پیچھے لگے چلے آتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب' دوائیں وغیرہ بھی تیار کرتے تھے جڑی بوٹیوں سے نہ جانے کیا کیا چیزیں بنا بنا کر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ البتہ اس واقعہ کا منفی پہلو اس وقت میرے سامنے آیا۔ جب اچانک ہی شاہ صاحب کے اس آستانے پر پولیس کا چھاپہ پڑا اور شاہ صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے ساتھ ہی حمدو اور میں بھی پولیس کی گرفت میں آ گئے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر ہمیں تھانے کے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ شاہ صاحب سخت پریشان تھے اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ حمدو بھی سہما ہوا تھا۔ میں نے شاہ صاحب سے پوچھا۔

"حیات علی شاہ صاحب! یہ کیا ہوا؟"

"اے چپ بیٹھ۔ شاہ صاحب کے بچے' جو ہوا ہے وہ سامنے آ جائے گا۔ ہمیں خود پتہ نہیں ہے۔" یہاں شاہ صاحب کی ہمہ دانی کا سارا بھید کھل گیا تھا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ اس شاندار کاروبار کا ایک خوفناک پہلو یہ بھی ہے۔ کوئی چار دن لاک اپ میں رہنا پڑا تھا۔ اس دوران تین چار بار شاہ صاحب کو لاک اپ سے نکال کر لے جایا گیا۔ ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں یہاں تک پہنچتی رہی تھیں اور جب وہ آتے تھے تو بالکل ٹوٹے پھوٹے تھے۔ جگہ جگہ مرمت کے نشانات' پھٹے ہوئے کپڑے اب ایسے عالم میں اگر ہم ان سے کچھ پوچھتے تو کیا پوچھتے لیکن بس اس بات کا خوف تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب اس کے بعد ہماری باری نہ آجائے۔ پتہ نہیں یہ تقدیر کی بہتری تھی یا شاہ صاحب نے ہی کمال دکھایا تھا کہ ہم بچ گئے تھے اور ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئی تھی۔ بہرحال یہ ساری صورتِ حال بڑی سنگین تھی۔ شاہ صاحب بیچارے اچھی خاصی مرمت کا شکار ہوئے تھے۔ بعد میں ساری تفصیل پتہ چل گئی۔ کسی بہت بڑے آدمی کے بیٹے کو شاہ صاحب نے جڑی بوٹی سے دوا بنا کر دی تھی اور تعویذ بھی دیئے تھے۔ وہ لڑکا ان دواؤں کے استعمال سے مرگیا۔ دواؤں میں کوئی زہریلی بوٹی بھی شامل ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب پر قتل کا مقدمہ بن گیا تھا لیکن ہم دونوں کو چھٹے دن نکال کر وہاں سے بھگا دیا گیا اور شاہ صاحب پولیس کے چکر میں پھنس گئے۔ آستانہ توڑ پھوڑ دیا گیا تھا۔ جس بڑے آدمی کے بیٹے کو نقصان پہنچا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے شاہ صاحب کے آستانے کا نام و نشان مٹا دیا تھا۔ حمدو بیچارہ مجھ سے زیادہ پریشان تھا۔ اس نے کہا۔

"میرا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ بھائی شعبان میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شاہ صاحب سے اس طرح دوری ہو جائے گی۔"

"مگر اب ہم شاہ صاحب کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔"

"ابے بھائی۔ کس چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ شاہ صاحب خود دوسروں کے لئے نہ جانے کیا کیا کرتے رہے ہیں۔ اب تمہیں کیا بتاؤں شاہ صاحب نے کیسے کیسے کھیل کھیلے ہیں۔ آدمی بے شک برے نہیں تھے لیکن اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے ہر کام کر لیتے تھے۔ بھائی میاں چھوڑو ان چکر بازیوں کو آؤ۔ محنت مزدوری کر کے کچھ کھاتے کماتے ہیں۔ کچھ پیسے ہیں تمہارے پاس؟"

"بالکل نہیں۔ کوئی خیال بھی نہیں تھا کہ پیسوں کی ضرورت پیش آجائے گی۔ گرفتاری کے وقت کچھ بھی نہیں تھا جیب میں' تو پھر بتاؤ کہاں سے کھائیں کمائیں۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرتے ہیں۔" ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ حمدو میرا مددگار تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک دنیا سے میری اس قدر شناسائی نہیں ہو سکی تھی۔ بہرحال حمدو مجھ سے زیادہ تجربہ کار تھا اس سلسلے میں' وہ مجھے لے کر ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ یہاں ہم باقاعدہ قلی کا کام تو نہیں کر سکتے تھے لیکن لوگوں کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوانا اور ایسے ہی چھوٹے موٹے ایک دو کاموں نے تھوڑے سے پیسے فراہم کر دیئے۔ جس سے ہم نے کھانے کا انتظام کیا۔ حمدو کہنے لگا۔

"بھائی شعبان اس طرح کام نہیں چلے گا کبھی سٹہ کھیلا ہے تم نے۔"

"سٹہ' وہ کیا ہوتا ہے۔"

"لگ جائے تو تقدیر بن جاتی ہے۔ نہ لگے تو جیب میں چند کوڑیاں بھی نہیں رہتی۔"

"یہ کیا ہوتا ہے.........."

"ٹھہرو۔ پہلے کچھ پیسوں کا بندوبست کرتے ہیں ایک دو دن یہاں رہ کر اس کے بعد شمشان گھاٹ چلیں گے۔"

"شمشان گھاٹ کیا ہوتا ہے۔"

"ابے جہاں ہندوؤں کے مردے جلائے جاتے ہیں۔ تم تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی سیارے سے اتر کر آئے ہو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔ نمک تیل کا بھاؤ۔"

"یار حمدو ایسا ہی ہے۔ حقیقتاً مجھے دنیا سے ابھی بہت کم واقفیت ہے۔"

"بنے تو سادھو مہاراج تھے۔ ویسے شمشان گھاٹ میں ایسے سادھو سنت مل جاتے ہیں اور سنو کیوں نہ کوئی ایسا عمل سیکھنے کی کوشش کریں کہ جس سے جنات قبضے میں آجائیں۔ ایک بھی جن قبضے میں آگیا تو قسم اللہ کی۔ چاندی ہی چاندی ہے۔" جن کو قبضے میں کرنے کی باتیں میں نے اپنے گھر میں سنی ہوئی تھیں۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"حمدو کے بچے بہت سے لوگ اس مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں اور اکیلا تو ہی نہیں ہے۔ مارے جائیں گے بری طرح سے۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے پہلے کسی سادھو بابا سے سٹے کا نمبر معلوم کرتے ہیں۔ تھوڑے سے پیسوں کا بندوبست کر لیا جائے۔" ہم لوگ سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگے۔ رات کو سونے کے لئے ایک خیراتی پارک کا انتخاب کر لیا تھا۔ جہاں ہمارے جیسے بے گھر' بے در رات کو سو جایا کرتے تھے۔ پولیس والوں کو کبھی کبھی تھوڑے بہت پیسے دینا پڑتے تھے لیکن یہ کوئی ایسا کام نہیں تھا۔ حمدو اس بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بہت سال پہلے کی بات ہے۔ جب وہ اس چکر میں رہا کرتا تھا۔ جوگیوں' سنیاسیوں اور سادھو سنتوں کے پھیر میں پڑا رہتا تھا۔ سٹے وغیرہ کے نمبر معلوم کیے تھے اس نے ایک دوبار سٹہ کھیلا بھی تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر وہ اس دنیا میں واپس آرہا تھا میں نے اس سے پوچھا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تُو کہتا ہے کہ چار چھ سال پہلے تُو حیات علی

صاحب کی سربراہی میں پہنچا تھا۔ اس سے پہلے کیا کرتا تھا۔"

"بس بھائی یتیم خانے میں ہوش سنبھالا۔ لوگوں کی ٹھوکروں میں پلے بڑھے اور اسی طرح جوان ہو گئے۔ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔ چل بھائی ہو سکتا ہے تیرے ساتھ ساتھ مجھے بھی کچھ معلومات ہو جائے۔ زندگی تو اپنی بھی ایسی ہی گزرے گی۔" پھر میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ محنت مزدوری کر کے پیسے جمع کیے۔ حمدو میرے ساتھ تھا۔ ایک نائی کی دکان پر جا کر شیو بنوائی۔ لمبے لمبے بال جو مجھے جٹا دھاری سادھو بنائے ہوئے تھے کٹوائے اور عام سا آدمی بن گیا۔ تھوڑے بہت پیسے بھی جمع کر لئے گئے تھے۔ چنانچہ میں اور حمدو ایک دن شمشان گھاٹ پہنچ گئے۔ ہم جلی ہوئی ارتھیوں کی راکھ کے درمیان سے گزرتے رہے اور پھر ہمیں ہمارا مطلوبِ نظر، نظر آ ہی گیا۔ وہ ایک سادھو تھا جو ایک جگہ دھونی لگائے بیٹھا تھا۔ بڑی خوفناک سی شکل تھی۔ حمدو نے کہا۔

"تقدیر جب ساتھ دیتی ہے تو اس طرح دیتی ہے۔ میں تو اس خیال سے آ گیا تھا کہ شاید ہمارا کام یہاں بن جائے لیکن کام اس طرح بن جائے گا اس کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" میں نے تعجب بھری نگاہوں سے اس سادھو کو دیکھا۔ جو ننگ دھڑنگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک نئی جلی ہوئی چتا موجود تھی جس میں بہت سی انسانی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ سادھو آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے میں مصروف تھا اور میں ان کھوپڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"حمدو ذرا دیکھ تو سہی۔ یہ جلے ہوئے مردے کی چتا ہی ہے ناں۔ مگر اس میں کتنی ساری کھوپڑیاں موجود ہیں اور یہ جلی ہوئی بھی نہیں ہیں۔" حمدو نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بہرحال ہم دونوں اسے دیکھتے رہے۔ سادھو تھوڑی دیر تک منتر پڑھتا رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے بند مٹھی کھولی اور چتا کی طرف کچھ پھینکا ہم نے دیکھا کہ وہ ماش کی دال کے دانے تھے۔ جو اس نے جلتی چتا میں ڈال دیئے۔ اس میں تھوڑی بہت چنگاریاں اب بھی سلگ رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی ہم نے ایک اور منظر دیکھا۔ ماش کے دانوں سے جو دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ بلند ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک ہی ایک خوفناک منظر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ دھوئیں میں ایک انسانی جسم نمودار ہوا اور اس نے اپنی ہاتھوں کی کلائیوں میں وہ مردہ کھوپڑیاں پہننا شروع کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یں۔ اس نے عجیب سے انداز میں ان کھوپڑیوں کو اپنے ہاتھ میں سجا لیا اور پھر وہ چتا
ے نکل کر آگے آیا اور سادھو کے سامنے پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ آہ کیا خوفناک منظر تھا۔
یا بھیانک منظر تو خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ خوابوں میں اتنی عجیب و غریب چیزیں
ہاں نظر آتی ہیں۔

اچانک ہی حمدو کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکلی اور وہ اٹھ کر بھاگا۔ میں
نے بھی اٹھنے کی کوشش کی مگر میرے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ حالانکہ میں حمدو سے
یادہ بہادر نہیں تھا لیکن بس مجھ سے اٹھا ہی نہیں گیا تھا۔ حمدو شاید یہ سمجھا ہو گا کہ میں
ت بہادر آدمی ہوں اور خوف زدہ نہیں ہوا لیکن حقیقت یہ تھی کہ مجھ سے اٹھا ہی
یں گیا تھا اور میرے پاؤں میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ میں وہیں بیٹھا تھر تھر کانپ
ہا تھا لیکن حمدو کی چیخ اور اس کے دوڑنے کی آواز پر سادھو چونک پڑا۔ اس نے
اگتے ہوئے حمدو کو دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں مجھ پر آ کر ٹک گئیں۔ خدا کی پناہ وہ
آنکھیں تھیں یا سرخ آگ کے انگارے۔ ان آنکھوں میں شدید نفرت کے آثار تھے۔
ہ مجھے گھورتا رہا اور میں تھر تھر کانپتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں
یکن رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ سادھو کی آنکھوں کا غصہ کم ہوتا جا رہا ہے اور پھر
آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر میں نے
اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ محسوس کی۔ اس نے سیدھا ہاتھ کھڑا کر کے سامنے موجود
اس عجیب و غریب مُردے کو اشارہ کیا۔

"بھاگ جا بھاگ جا! ابھی تیرا سمے نہیں آیا ہے۔" میں نے خاموشی سے مردے کو واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ واپس جا کر اپنی چتا میں لیٹ گیا تھا۔ سادھو دلچسپی سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"کیا بات ہے رے۔ کیسے آ بیٹھا ہے میرے پاس اور کون تھا وہ.......... کمینہ! جو بھاگ گیا؟" اصل میں ویسے تو میں نے حمدو کی زبانی بہت سی باتیں سنی تھیں۔ سادھو، سنتوں کے بارے میں اس دوران وہ مجھے کافی سمجھاتا رہا تھا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ سیوک بڑے گہرے گیانی ہوتے ہیں اور سفلی علوم جانتے ہیں لیکن جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ایک مردہ اپنی چتا سے اٹھے اور ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہو جائے اور وہ بھی میری نگاہوں کے سامنے، تو بھلا کسی قسم کا شبہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے چرخے

چل رہے تھے۔ بہرحال میں نے کوشش کی لیکن میرے حلق سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے ہاتھ اٹھائے اور میں نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں جناب! معافی چاہتا ہوں۔ وہ.......... وہ اپنے ساتھ یہ کہہ کر لایا تھا کہ کوئی سادھو سنت مل جائے تو سٹے کا نمبر معلوم ہو جائے گا' لیکن خود بھاگ گیا مجھے یہاں چھوڑ گیا۔" جواب میں سادھو کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے رے' انسان انسان کی بات ہوتی ہے۔ تو سٹے کا نمبر معلوم کرنے آئے تھے تم دونوں۔"

"جی جناب' جی جناب۔"

"دولت کمانا چاہتا ہے اسے کیا کرے گا دولت کا؟ سنسار میں سب سے بڑی برائی اسی کی ہوتی ہے۔"

اس نے کہا اور ہنسنے لگا اس کے نرم رویے اور ہنسی نے مجھے خوف سے آزاد کیا میری ہمت بندھ گئی۔ میں نے گردن جھکا کر کہا۔

"بڑا پریشان حال آدمی ہوں جناب! بہت ہی غریب ہوں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ روٹیوں تک کا سہارا نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔"

"ہندو ہے یا مسلمان؟" اس نے سوال کیا۔

"ہوں تو مسلمان۔ پر جناب میرے اعمال۔"

"ارے ارے ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تو دولت کمانا چاہتا ہے تو' کمالینا دولت' نام کیا ہے رے تیرا۔"

"شعبان۔ شعبان علی۔"

"ہوں.........." سادھو نے کہا اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"شعبان علی۔ سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔ دولت تجھے حاصل ہو سکتی ہے۔ تیرے ماتا پتا کیا کرتے تھے۔"

"ماتا تو بچپن ہی میں مر گئی تھیں۔ باپ ایک مسجد میں نماز پڑھاتے تھے اور بہت ہی نیک آدمی تھے۔ مجھے بھی زندگی بھر نیکیوں کی تلقین کرتے رہے جناب! لیکن افسوس میں نے ان کی کوئی بات نہیں سنی اور آج اس کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔"

"واہ رے واہ۔ اس کا مطلب ہے کہ دین دھرم والا ہے تو۔ بڑا دھنوان ہو گا'

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے بھی مسلمان۔ ارے واہ رے واہ۔ دیکھ ایک بات ہم تمہیں بتائیں۔ سنسار میں سب ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ اس سنسار کا کام ہی اسی طرح چلتا ہے۔ تو میرے کام آئے۔ میں تیرے کام آؤں۔ اسی طرح جیون کی ڈور بنتی چلی جاتی ہے اور وہ جو صرف اپنا ہی اپنا چاہیں سنسار میں ہمیشہ جوتوں میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کلیان اسی میں ہے کہ اپنے لئے کرے اور دوسرے کے لئے' اپنے لئے کرے گا تو دوسرا تیرے لئے کچھ کرے گا۔ کیا سمجھا یہ سنسار کا فلسفہ ہے اور سنسار کی بنیاد یہی ہے۔"

"جی مہاراج۔"

"دولت مند بننا چاہتا ہے تو اگر میں تجھے اتنا دولت مند بنا دوں کہ تیرے پاس سب کچھ آجائے تو بول۔"

"مہاراج' مہاراج میں۔ میں۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے تو نے جناب سے مہاراج تو کہنا شروع کیا۔ یہ ابتدا ہے تو پھر یوں سمجھ کہ تو ہمارا کام کرے گا اور ہم تیرا۔ تیری تقدیر میں دولت ہی دولت ہو گی۔ سمجھا۔"

"جی مہاراج.........."

"مگر ہم ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں۔ پہلے تجھے دیں گے اور اس کے بعد تجھ سے کچھ مانگیں گے۔ چل جا سٹہ کھیل سکتا ہے کھیل۔ چودہ نمبر لگا دینا کیا سمجھا۔ پیسے ہیں تیرے پاس سٹہ کھیلنے کے لئے۔"

"تھوڑے سے ہیں مہاراج۔"

"نکال کر دکھا۔" سادھو نے کہا اور میں نے خوفزدہ انداز میں وہ پیسے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ تو سادھو میرے ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"بس.........."

"جج.......... جی مہاراج بڑی مشکل سے محنت مزدوری کی ہے۔"

"یہ لو.........." سادھو نے اپنے مختصر سے لباس سے کچھ رقم نکالی اور میری طرف بڑھا کر بولے۔ "جا چودہ نمبر کھیل لینا۔ اور یہ سارے پیسے اس پر لگا دینا۔ یاد رکھنا بھولنا نہیں۔ یہ ہم تمہیں دان نہیں کر رہے۔ بلکہ تجھ سے اس کا صلہ وصول

کریں گے۔"

"میں حاضر ہوں مہاراج۔ بتائیے مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"ابھی جا.......... ابھی کیا کرے گا تو پہلے ذرا سنسار میں عیش کر لے اور ا باؤلے کو بھی عیش کرا دینا جو بھاگ گیا ہے ہمیں دیکھ کر۔"

"جی سر' جی سر۔" میں نے کہا۔

"سر کا بچہ۔" وہ ہنستا ہوا بولا اور اس کے بعد اس نے ایک بار پھر مجھ سے کہا۔

"جا بھاگ جا ہمیں اپنا کام کرنے دے اور ایسا نہ کریو کہ کسی کو یہاں سے جا اس جگہ یہاں بھیج دے خبردار! اس بات کا خیال رکھنا۔" بہرحال میں یہ رقم لے چل پڑا یہ رقم ہی کافی تھی۔ اگر میں سٹے کا نمبر نہ بھی لگاتا تو بھی رقم میرے لئے بڑ کارآمد ہو سکتی تھی۔ پتہ نہیں حمدو کہاں چلا گیا بہرحال میں خوشی سے آگے بڑھتا رہا کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے حمدو کو دیکھا۔ جو ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہو خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا اسے گمان بھی نہیں تھا کہ میں اس کے پاس اس طرح پہنچ جاؤں گا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا اور میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کے حلق سے ایک زور کی چیخ نکلی۔

"ہے............ ہے............ ہے.........."

"ایک لات دوں گا جا کر پڑے گا دس فٹ کے فاصلے پر۔ ہے ہے کا بچہ۔ ایسا دوست ہے تو' مجھے اس طرح چھوڑ کر بھاگ آیا؟" حمدو نے مجھے دیکھا آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا پھر بولا۔

"تو زندہ ہے شعبان!"

"ہاں زندہ ہوں۔ مگر سوچ رہا ہوں کہ تجھے زندہ نہ چھوڑوں۔"

"ارے باپ رے باپ۔ تو نے دیکھا مردہ تھا ارے جو میں نے دیکھا وہ تو نے نہیں دیکھا ہوگا۔"

"کیا دیکھا تو نے؟"

"جلی ہوئی ہڈیاں پڑی تھیں اس کی۔ بہت ساری کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے اس نے ان ہڈیوں کو سمیٹا اور اپنے بدن پر فٹ کرنے لگا۔ جب یہ ہڈیاں اس کے بدن پر فٹ ہو گئیں تو اس نے ان کھوپڑیوں میں سے اپنی کھوپڑی تلاش کی اور اسے اپنے سر پر رکھا پھر اٹھ کر باہر نکلا تھا وہ۔ ارے باپ رے باپ۔" حمدو ایک بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر بری طرح کانپنے لگا۔

"اب بیوقوفی کی باتیں مت کر' کیا تو نے کبھی اس سے پہلے شمشان نہیں دیکھا تھا۔"

شمشان تو بہت سی بار دیکھا تھا اور اس جیسے ہندو بھی مجھے بہت سی بار ملے ہیں کمنڈل بغل میں دبائے بھیک مانگتے پھرتے ہیں لیکن یہ سادھو' باپ رے باپ یہ تو کوئی بہت ہی بڑا مہان سادھو تھا تیرے اوپر کیا بیتی۔"

"حمدو ایک بات بتا تجھے سٹہ لگانا آتا ہے۔"

"کیوں نہیں۔ میں بتاتا ہوں تجھے کئی دن تک یہ کام کرتا رہا ہوں۔"

"تو پھر چل ہم سٹہ لگائیں گے۔"

"کیا مطلب کیا اس نے تجھے سٹے کا نمبر دیا ہے۔"

"ہاں۔"

"مگر کیسے یار! وہ تو کوئی بڑی خطرناک چیز تھی۔ ارے باپ رے مجھے یقین ہے کہ مجھے بخار چڑھ جائے گا پورا بدن ٹوٹ رہا ہے بری طرح۔"

"بکواس بند کر اور چل سٹہ کہاں لگاتے ہیں۔"

"تمہیں کیا لگانا ہے۔"

"چل میں تجھے بعد میں بتاؤں گا۔" حمدو مجھے اس جگہ لے کر آیا جہاں سٹہ لگایا جاتا تھا۔ میں نے اسے بھی اس رقم کا کافی حصہ دیا تھا اور باقی رقم اپنی طرف سے لگائی تھی ہم دونوں نے چودہ نمبر لگا دیا اور اس کے بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔ حمدو بہت پریشانی کے انداز میں سوچتا رہا اور مجھ سے ڈری ڈری باتیں کرتا رہا تھا۔ رات کو جب وہ سویا تب بھی انتہائی خوفزدہ لگا۔ بار بار جاگ کر مجھے کہتا۔ "بتا تو سہی کیا دیکھا تھا تو نے۔"

"تیرا سر' سو جا ورنہ پتھر اٹھا کر تیرے سر میں ماروں گا بے ہوش ہو جائے گا اور صبح تک بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہے گا۔" حمدو خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔ بہرحال مجھے تو پورا پورا یقین تھا کہ اس سادھو نے جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہی ہوگا اور وہ سچ ہی نکلا ہم بہت بڑی رقم جیت گئے۔ حمدو میرے ساتھ گیا اور میں کوئی لالچی آدمی نہیں تھا کہ اپنا ہی اپنا سوچتا ہمارے پاس اتنی رقم جمع ہو گئی تھی کہ ہم چاہتے تو پوری زندگی عیش کر سکتے تھے بہت بڑی رقم حاصل ہوئی تھی۔ اسے چھپانا بھی ایک مشکل کام تھا حمدو تو انتہائی خوفزدہ نظر آ رہا تھا اس نے کہا۔

"بھیا شعبان! یہ دولت رکھو گے کہاں۔"

"یار بیوقوفی کی بات مت کر تُو مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے تُو ہی کچھ بتا۔"

"میں بتاؤں بنک میں اکاؤنٹ کھول لو فوراً چل کر۔"

"وہ کیسے کھولا جاتا ہے۔"

"وہ میں تمہیں بتادوں گا۔" ہم جتنی بڑی رقم سے اکاؤنٹ کھولنا چاہتے تھے بینک منیجر نے اس کے سلسلے میں ہم سے تعاون کیا خود ہی ہماری گارنٹی پر سائن کئے وہ کچھ مشکوک سا تھا لیکن میں نے صاف گوئی سے اس سے کہا۔

"منیجر صاحب اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ رقم چوری وغیرہ کی ہے یا ہم نے کہیں ڈاکہ ڈالا ہے تو ایسا کریں کہ پولیس سے رابطہ کرلیں۔ وہ ہمارے بارے میں تصدیق کرے۔ تو اکاؤنٹ کھول لیجئے گا۔"

"ارے نہیں نہیں جناب! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں اصل میں آپ لوگ اتنی سادگی سے اتنی بڑی رقم لے آئے ہیں کہ مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں اگر آپ کو کوئی ایسا احساس ہوا ہے تو۔" بہرحال رقم جمع ہوگئی۔ تھوڑی سی رقم ہم نے اپنے پاس رہنے دی تھی حمدو تو بالکل نشے میں ڈوبا نظر آرہا تھا اس نے کہا۔

"ارے بھیا۔ زندگی ہی بدل گئی۔ زندگی ہی بدل گئی کیا کروں کیا نہ کروں۔ ارے ایک بار ایک بار میرا بھی ایسا ہی کوئی نمبر لگ جائے۔"

"حمدو۔ تُو فکر نہ کر تُو میرے ساتھ ہے ناں۔ یہ ساری رقم میری نہیں بلکہ تیری بھی ہے۔ میں اکیلا اسے نہیں کھاؤں گا۔"

"مگر بھیا اس سادھو کے بارے میں سوچتا ہوں تو میری جان نکل جاتی ہے جب بھی غور کرتا ہوں میرا حلیہ خراب ہونے لگتا ہے۔"

"پاگل ہے تُو بس یہ سمجھ لے کہ ہمارے دلدر دور ہوگئے تو بھی عیش کرنا اور اب دیکھنا کہ آگے کا وقت کیا ہوتا ہے۔ بہرحال ہم نے ایک ہوٹل میں ایک کمرہ حاصل کیا۔ رقم بینک میں جمع کردی گئی تھی اور یہ فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ اسے بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کیا جائے گا۔ بہرحال وہ سب کچھ میرے لئے ایک خواب کی مانند تھا۔ میں نے اپنے طور پر بہت سے منصوبے بنائے۔ پھر نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ تین چار دن کے بعد میں نے ایک چھوٹی سی رقم دوبارہ چودہ نمبر پر لگادی۔ جگہ تبدیل کرلی تھی۔ یہاں بھی میرا کام بن گیا اور میں زبردست طریقے سے جیت گیا حمدو تو جوشِ حیرت سے پاگل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"بھیا! ایک کام نہیں کرو گے۔"

"ہاں بولو۔"

"ایک بار پھر ان سادھو مہاراج کے پاس چلتے ہیں ہو سکتا ہے کوئی کام میرا بھی بن جائے۔"

"تُو اگر چاہتا ہے تو چل ویسے سادھو نے ایک بات کہی تھی مجھ سے۔ اس نے کہا تھا کہ اس نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے مجھے بھی اس کے بدلے میں اس کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔"

"ارے بڑے زبردست ہوتے ہیں یہ لوگ' جو اتنی بڑی رقم تمہیں دلوا سکتا ہے وہ کیا نہیں کر سکتا۔" چنانچہ ہم دونوں اسی شمشان کی طرف چل پڑے۔ ہماری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ کچھ نئی چتاؤں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ماحول بے حد خوفناک تھا۔ درخت ہوا سے جھول رہے تھے۔ ان کے پتے جب آپس میں بجتے تو یوں محسوس ہوتا کہ کوئی دبے پاؤں چل کر ہمارے پیچھے آرہا ہے لیکن اس دن وہ سادھو ہمیں وہاں نہیں ملا تھا ہم خاموشی سے واپس آگئے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ رات کو ہم اپنے ہوٹل میں واپس گئے۔ درمیانے درجے کا چھوٹا سا ہوٹل تھا لیکن وہاں کا ماحول ہمیں کچھ گڑبڑ سا لگ رہا تھا بس کچھ عجیب سی کیفیت تھی ایسا لگتا تھا جیسے یہاں سب کے سب چالاک اور شاطر لوگ بستے ہوں۔ اسی رات میں نے اپنے کمرے میں ویٹر کو بھی دیکھا ہوٹل کا ویٹر میرے کمرے میں جیسے کچھ تلاش کر رہا تھا بس اور تو کوئی بات نہیں تھی۔ دل میں خوف کا سا ایک احساس گزرا کہ کہیں یہ کم بخت کوئی نقصان نہ پہنچا دے دوسری طرف میں نے حمدو سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ پریشان لہجے میں بولا۔

"بات تو بالکل سچ ہے اصل میں ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میں حالات سے ڈرتا ہوں اصل میں ہم لوگ جس طرح امیر بنے ہیں۔ وہ بڑی خوفناک بات ہے۔"

"حمدو ہمیں کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے جہاں ہم آسانی سے رہ سکیں۔"

"کچی سرائے کا نام سنا ہے تم نے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"سرائے ہے ایک۔ کچی سرائے کہلاتی ہے ویسے بھی شہر کے اندر ہی اندر ہے

غریب لوگوں کی آبادی ہے ہمیں اپنی دولت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ ڈاکو ہمارے پیچھے لگ گئے تو مصیبت آجائے گی۔"

"چلو کچی سرائے چلتے ہیں۔" کچی سرائے واقعی عمدہ جگہ تھی سیدھے سادے غریب لوگ بستی میں رہتے تھے سرائے کے مالک نے ہمیں رہنے کے لئے ایک کمرہ دے دیا دو چارپائیاں بستر ہم نے جب اسے معاوضے کی ادائیگی پیشگی کی تو وہ ہم سے مرعوب ہو گیا اور بولا۔

"جناب عالی آپ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو بتا دیجئے گا ہمارے ہاں ہر چیز مہیا ہو جاتی ہے۔" کچی سرائے کے ایک بڑے کمرے میں ہمیں کافی آسانی حاصل ہو گئی تھی۔ حمدو بھی یہاں آکر بہت خوش تھا۔ دو تین دن اسی طرح گزر گئے۔ میں اس سوچ میں ڈوبا رہا تھا کہ سادھو اگر مجھ سے کچھ چاہتا ہے تو اب تک اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہ قائم کیا۔ پھر میں نے سوچا کہ ایسے لوگ تو بے نیاز ہوتے ہیں۔ ان کے پاس میرے جیسے پچاس آدمی پہنچتے ہوں گے بھول گیا ہوگا لیکن مجھے جو کچھ دے دیا تھا اس نے وہ میری تقدیر کا ہی عطیہ تھا۔ میں بہت خوش تھا اس دن حمدو کسی کام سے چلا گیا تھا اس نے مجھ سے کہا تھا کہ بھیا اگر تمہاری اجازت ہو تو میں کچھ لوگوں سے مل آؤں ہو سکتا ہے کہ رات کو واپس نہ آؤں۔

"ٹھیک ہے اگر تو ایسا چاہتا ہے تو ایسا ہی سہی۔" میں نے کہا اور حمدو چلا گیا۔

سردیوں کا موسم تھا' سردی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تھی سرائے میں کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ میرا کمرہ جس جگہ تھا وہاں دو دروازے تھے ایک تو سرائے کے عقبی حصے میں کھلتا تھا۔ جہاں سامنے وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا۔ دوسرا سرائے کے اندر راہداری میں کھلتا تھا اندر کا دروازہ جو باہر کی سمت کھلتا تھا اندر سے مضبوطی سے بند ہی رہتا تھا لیکن مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب اس دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں تھوڑی دیر تک تو سوچتا رہا کہ یہ کون ہو سکتا ہے دل میں بہت سے دہشت کے احساسات ابھرے تھے لیکن اب اتنا بھی بزدل نہیں ہونا چاہیے انسان کو' چنانچہ میں نے ہمت کی اور دروازہ کھول دیا لیکن میں نے اپنے سامنے اسی سادھو کو دیکھا جس نے میری تقدیر بدل دی تھی سادھو کو دیکھ کر میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ سادھو میرے سامنے ہو گا وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واہ رے واہ۔ شعبان علی اپنا نام بتا دیا ہمیں اور ہم سے ہمارا نام تک نہ پوچھا۔"

"آیئے............ آیئے مہاراج! آیئے اندر آجایئے.......... م............ ں معافی چاہتا ہوں میں تو آپ کو صرف جناب! اور مہاراج ہی کہہ سکا اصل میں آپ ں میرے دل میں اتنی عزت پیدا ہو گئی تھی کہ میں آپ کا نام پوچھنے کی ہمت نہیں کر کا تھا۔ آپ آیئے.......... آیئے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ آپ اس جگہ تک آجائیں گے۔" سادھو اندر آگیا اور پھر اس نے میرے کمرے میں قدم رکھا اور بولا۔

"ہوں۔ ایسا کرو یہاں نہیں باہر چل کر کھلی ہوا میں بیٹھتے ہیں۔"

"آیئے جیسا آپ کا حکم۔" میں نے کہا اور ہم دونوں باہر نکل آئے باہر وسیع و یض میدان پھیلا ہوا تھا یہاں سے ایک سوکھا نالہ بھی گزرتا تھا۔ جس پر پل بنا ہوا تھا م آگے بڑھتے ہوئے نالے کے پل پر جا بیٹھے۔ سادھو نے مجھ سے کہا۔

"بول کیا خاطر کروں تمہاری۔"

"ایں؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں رے۔ ایسے مہمان بھی ہوتے ہیں جو میزبان کی خاطر مدارت کرتے ہیں خیر وڑ خاطر مدارت کو۔"

"نہیں میں شرمندہ ہوں لیکن یہ سرائے ہے میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا تھا کہ میرا ا تو کوئی گھر نہیں ہے یہاں میں آپ کی کیا خاطر مدارت کرتا۔"

"یہاں کی چیزیں ہمارے لئے حلال بھی نہیں ہیں۔ اچھا یہ بتا تیرا نمبر لگا تھا۔"

"ہاں۔ آپ کی مہربانی سے میرے دن پھر گئے۔" میں نے کہا۔

"پاگل ہے نرا پاگل! چھوٹی عقل' اتنی سی رقم سے دن پھرتے ہیں بھلا۔ پاگل ھ دیکھا ہے سنسار میں یا نہیں۔"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں مہاراج! بہت غریب آدمی ہوں میں زندگی میں اتنی بڑی قم تو میں نے کبھی نہیں دیکھی میرے لئے تو یہ ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔"

"پاگل! یہ کوئی خزانہ ہے۔ میں تجھے ایک بات بتاؤں اگر تو میرے چرنوں میں جائے تو اس سنسار کا آدھا بادشاہ بنا دوں گا تجھے جو کہہ رہا ہوں وہ کر کے دکھا دوں گا۔ ی چرن ہے میرا نام' کالی چرن جو کہتا ہے وہ کالی کے چرنوں کی قسم کھا کر کہتا ہے۔ کالی ' چرنوں میں آجا' کالی چرن تجھے بادشاہ بنا دے گا۔ راجہ بنا دے گا تجھے۔ تیرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاروں طرف داسیاں ہی داسیاں ہوں گی۔ دولت کے انبار لگے ہوں گے تیرے چرنوں میں تُو راجاؤں کی طرح جئے گا شکل و صورت کا اتنا اچھا ہے۔ جو دیکھے گا وہ تیری تعریف کئے بغیر نہیں رہے گا۔ کیا سمجھا۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے.......... ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے سحر کے عالم میں کہا۔

"جادو ٹونوں سے لگاؤ ہے تجھے کوئی چلہ کھینچے گا کچھ سکھاؤں تو سیکھے گا؟ ارے پاگل یہ تیری تقدیر ہے کہ تُو میرے پاس آگیا اور میرے دل میں بھی تیرے لئے ایک نرمی پیدا ہوگئی جب تُو بیٹھا کانپ رہا تھا ناں تو میرے دل میں آیا کہ چلو اسے بنا دو دھنوان۔ ہزاروں میرے پیچھے ہاتھ باندھے پھرتے ہیں پر مجھے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔"

"آپ مجھے.......... آپ مجھے یہ سب کچھ سکھا دیں گے۔"

"دیکھ اس دن بھی میں نے تجھ سے کہا تھا کہ سارے سنسار میں ایک ہی کھیل ہوتا ہے کچھ دو اور کچھ لو۔ کسی کو کچھ دو گے نہیں تو کسی سے کچھ لے بھی نہیں سکتے۔ اب بول میرا علم سیکھنا چاہتا ہے۔"

"کیوں نہیں' کیوں نہیں آپ مجھے یہ سکھا دیں گے؟"

"ہاں میں تجھے سکھا دوں گا لیکن وچن دینا ہوگا تجھے۔ بول سڑتے ہوئے ایک لاکھ ایک سو اکہتر جسموں کی قسم جو کچھ میں کہوں گا وہی کرے گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اوہ پاگل میں تجھ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سن' جو میں کہہ رہا ہوں وہ سن' پہلی بات تو' تُو مجھے یہ بتا کہ چیلا بنے گا ہمارا' آسمان پر بٹھا دیں گے تجھے' راج کرے گا جیون بن جائے گا تیرا۔"

"مہاراج آپ جیسا حکم کریں گے میں ویسا ہی کروں گا۔"

"ہمارے ہاتھ پر ہاتھ رکھ۔" اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اب بول' سڑتے ہوئے ایک لاکھ ایک سو اکہتر جسموں کی قسم کہ ہم جو کچھ کہیں گے وہی کرے گا۔"

"سڑتے ہوئے ایک لاکھ ایک سو اکہتر جسموں کی قسم کہ آپ جو کچھ کہیں گے

وہی کروں گا مہاراج۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا تُو نے۔ نبھا سکے گا؟"

"ہاں۔"

"بھاگے گا تو نہیں درمیان میں۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے بس اتنا کافی ہے۔ کل یوں کرنا شمشان گھاٹ آجانا وہیں اسی جگہ جہاں تُو مجھے پہلی بار ملا تھا دن کے بارہ بجے سے کچھ پہلے آجانا تو بارہ بجے ہم تجھ سے آخری وچن لیں گے اور سن تجھے چالیس دن کا چلہ کھینچنا پڑے گا۔ اگر کوئی تیرا من کا میت ہے تو اسے کہہ دینا کہ چالیس دن تک تُو واپس نہیں آئے گا۔ کیا سمجھا۔"

"چ۔ چالیس دن!" میں نے گھبرا کر کہا۔

"ڈر گیا بس' صرف چالیس دن کی بات کر رہا ہے' ارے چالیس دن میں تو کوئی راجہ کوئی مملکت بھی نہیں فتح کر سکتا۔ ہزاروں کٹانے پڑتے ہیں اس کو تجھے تو صرف چلہ ہی کرنا پڑے گا ایک چھوٹا سا۔ سوچ لے جان لے۔"

"ن.......... نہیں ٹھیک ہے' مم.......... میں کہہ دوں گا اور تو کوئی ہے بھی نہیں میرا جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں لیکن حمدو سے کہہ دوں گا کہ میری اور اس کی ملاقات چالیس دن کے بعد ہوگی۔ اسے اتنے پیسے دے دوں گا کہ وہ اس سرائے میں آرام سے چالیس دن گزار سکے۔"

"تُو سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ جتنی چاہے گا دولت حاصل کرے گا' جس طرف نظر اٹھائے گا لوگ تیرے سامنے نظر جھکا دیں گے۔ بہت بڑا مقام ہوگا تیرا غریبوں کو امیر اور امیر کو پلک جھپکتے غریب بنا دے گا کوئی دم نہ مارے گا تیرے سامنے کیا سمجھا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور سوچ لینا کل تک اور سوچ لینا۔"

"نہیں میں نے سوچ لیا ہے۔"

"نہیں اس کے بعد مجھے وچن دینا پڑے گا' قسم کھانی پڑے گی اور جب تُو قسم کھائے گا تو اس قسم کو نبھانا پڑے گا نہیں نبھائے گا تو مصیبتوں میں پھنس جائے گا اور پھر چھٹکارہ مشکل ہو جائے گا تیرا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ بے فکر رہیں میں زبان کا پکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ کل بارہ بجے سے دس منٹ پہلے شمشان گھاٹ پر آجانا۔" اس نے کہا

"میں آجاؤں گا مہاراج!" میں نے جواب دیا اور سادھو واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں نے اس کے پیچھے قدم اٹھانے چاہے مگر نہ جانے کیا ہو گیا مجھے یوں لگا جیسے میرے پاؤں سو گئے ہیں۔ ان میں جھنجھناہٹ بھی نہیں ہو رہی تھی۔ پتھر کے پاؤں بنے ہوئے تھے۔ میں حیرانی سے اپنے پیروں کو دیکھنے لگا کہ یہ کیا ہوا۔ میں نے دل میں سوچا نگاہیں اٹھا کر سادھو کو دیکھا تو وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے پیروں پر چٹکی لی تو خاصی تکلیف ہوئی پھر میں نے پاؤں ہلائے تو میرے پاؤں کھل گئے ایکدم سے میں شدید خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھے صاف پتہ چل گیا تھا کہ میں سادھو کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا۔ بہت ہی ڈر لگا تھا مجھے میرے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے پورا لباس سردپانی میں بھیگ گیا ہو بہت ہی خوفناک شخصیت ملی تھی مجھے۔ آہستہ قدموں سے میں واپس سرائے میں پہنچ گیا۔ حمدو اسی طرح گہری نیند سو رہا تھا اور میں بھی بستر پر لیٹ گیا۔

میرا دم گھٹا جا رہا تھا نہ جانے کیا کیا سوچیں دامن گیر تھیں کہ کیا ہو گا' ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ سادھو کالی چرن نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا تھا۔ سٹے کا نمبر لگا اور میرے پاس بے شمار رقم جمع ہو گئی۔ اب اس کے بعد جیسا کہ وہ کہہ رہا ہے اگر ویسا ہی ہوا تو پھر تو یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ زندگی بن جائے گی۔ یا خدا میرے بھی دن پھیر دے۔ میرے والد صاحب نے تو پوری زندگی مسجد کی امامت میں گزار دی محلے سے روٹیاں آجاتی تھیں انہی میں گزارہ ہوتا تھا لیکن میرے سامنے............ میرے سامنے جو ایک روشن مستقبل پھیلا ہوا ہے۔ یہ تو مجھے بہت کچھ دے دے گا اس سے تو میری زندگی بن جائے گی۔ یہ تمام سوچیں میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس سے اچھی تو کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ حمدو بیچارے کے بارے میں' میں نے یہ سوچا کہ جب سادھو مہاراج کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ساتھی ہے میرا میرے ساتھ وقت گزارے گا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ کم از کم کسی انسان کا ایک ساتھی ہو۔ ساری رات خوشی کے مارے نیند نہیں آئی تھی۔ نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا تھا میں خوبصورت کوٹھیاں۔ شاندار کاریں

اور نہ جانے کیا کیا۔ جو کچھ میں نے اس شہر میں دیکھا تھا اب میں اس سے پوری طرح واقف ہوتا جا رہا تھا۔ بستی علی جاہ کی زندگی بہت ہی مختصر تھی اور باقی ساری صورت حال خاصی مختلف۔ چنانچہ میں اس بارے میں کچھ سوچتا رہا تھا دوسری صبح میں نے ناشتہ کرنے کے بعد حمدو سے کہا۔

"ہاں۔ بھئی حمدو سیٹھ اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"یار میں تو پاگل ہوا جا رہا ہوں خوشی سے یہ سوچ سوچ کر کہ جو رقم بینک میں ہے وہ ہماری اپنی ہے ویسے تو وہ رقم سو فیصدی تمہاری ہے لیکن تم نے جس طرح مجھے اپنا ساتھی بنایا ہے وہ ایک انوکھی بات ہے۔"

"حمدو میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

"حمدو اگر ہمارے پاس دولت کے انبار ہوں۔ کوٹھیاں کاریں ہوں' ہماری زندگی میں وہ ساری چیزیں ہوں جو بڑے آدمی کی زندگی میں ہوتی ہیں تو تمہارا کیا خیال ہے کیا ہمارے لئے اچھی رہیں گی وہ۔"

"یار بس میں تمہیں کیا بتاؤں میں تمہیں دل کی بات بتاؤں' تھوڑا بہت تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں کہ یتیم خانے میں پلا بڑھا بہت سے لڑکے تھے وہاں سب بے شمار باتیں کیا کرتے تھے۔ زندگی کی ان پُرآسائش داستانوں کے بارے میں باتیں کرتے تھے لیکن بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ ہوتی تھیں میں خوابوں میں اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی دیکھتا تھا۔ اب جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم بھی کسی اچھے سے ہوٹل میں ٹھہر سکتے ہیں اچھے سے اچھے کپڑے پہن سکتے ہیں تو مجھے یقین نہیں آتا۔"

"حمدو! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ مجھے ایک کام کرنا ہو گا جس کے بارے میں' میں تمہیں بتا نہیں سکتا لیکن دو اڑھائی مہینے کے لئے مجھے تم سے جدا ہونا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈیڑھ مہینے میں کام ہو جائے اس کے بعد حمدو جب میں واپس آؤں گا ناں تو میرے پاس اتنا کچھ ہو گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"جا کہاں رہے ہو۔"

"حمدو! یہ سمجھ لو شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ کچھ کام ہے مجھے۔"

"مجھے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے۔" حمدو نے محبت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں حمدو! مجھے وہاں اکیلے ہی جانا پڑے گا۔"

"مگر میں کیا کروں گا اس دوران' ایک ڈیڑھ مہینہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے۔"

"اسی سرائے میں اسی جگہ رہو گے تم۔ اتنی رقم دیئے جاتا ہوں میں کہ عیش عشرت سے زندگی گزارو۔ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہونا کوئی ایسا کام مت کرنا جس سے تمہیں پریشانی ہو۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد جب میں واپس آؤں گا تو تم اسی جگہ ہونا۔"

"ٹھیک ہے بھیا! اگر کام ایسا ہی ہے کہ تمہارا اکیلے جانا ضروری ہے تو تم چلے جاؤ۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں۔"

"بس میں تمہیں یہی سب کچھ بتا رہا ہوں۔" بہرحال حمدو کو میں نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا پھر بارہ بجے سے پہلے میں چل پڑا اور کچھ دیر کے بعد شمشان گھاٹ پہنچ گیا لیکن اس وقت شمشان گھاٹ میں بہت سے لوگ موجود تھے کوئی چتا جلائی جانے والی تھی کسی مردے کی ارتھی لائی جا رہی تھی۔ میں وہاں سے دور ہٹ کر ایک سنسان گوشے میں بیٹھ گیا۔ ٹھیک بارہ بجے میرے پیچھے آہٹ ہوئی میں نے پلٹ کر دیکھا تو کالی چرن کو وہاں پایا وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ "بات کے دھنی ہو بیٹا! وقت پر آ گئے یہ بہت اچھی بات ہے۔"

"ہاں۔ سادھو مہاراج! مگر یہاں تو مُردہ جلایا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔ مگر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان کی وجہ سے آپ شاید یہاں نہ آئیں۔"

"کیا واقعی تُو ایسا سوچ رہا تھا۔" کالی چرن نے کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تماشا دیکھے گا۔"

"کیسا تماشا مہاراج؟"

"میری شکتی کا تماشا' میری طاقت کا تماشا۔ شاید تیرے من میں ایک معمولی سی بات ہو گی کہ میں صرف سٹے کا نمبر بتانے والا سادھو ہوں۔ تُو مجھے کوئی معمولی جوگی یا سنیاسی سمجھتا ہو گا۔ پاگل جیون بتا دیا ہے میں نے جیون بتا دیا ہے۔ ان سارے علوم کو حاصل کرنے کے لئے بڑا کام کیا ہے میں نے اپنے جیون میں اس کالے علم پر بڑی محنت کی ہے اور یوں سمجھ لے کہ اب میں ایک نیا علم سیکھنے جا رہا ہوں۔ جس کے لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا ہے۔"

"جے ہو مہاراج! کی میں یہی کہہ سکتا ہوں۔" میں نے نہ جانے کہاں سے سنے

ہوئے الفاظ دوہرا دیئے۔ اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کیا کہا تُو نے؟"

"جے ہو مہاراج کی۔"

"جے ہو تیری۔ سمجھا' تیری جے ہو۔ اب دیکھ کیا تماشہ دکھاتا ہوں میں تجھے اب دیکھ۔" اس نے مجھے ان لوگوں کی طرف متوجہ کیا جو چتا کے قریب تیاریوں میں مصروف تھے۔ ارتھی چتا کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ پنڈت اشلوک پڑھ رہا تھا۔ پھر اچانک ارتھی پر پڑے ہوئے مردے نے ایک زوردار چیخ ماری اور آس پاس کھڑے ہوئے لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ یہاں سے مردہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اتنا میں نے بھی دیکھا کہ ارتھی پر پڑے ہوئے مردے میں جنبش ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی مردے نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اپنے بدن پر چپٹے ہوئے کپڑے کے بند توڑ دیئے۔ پھر اس نے دوسری چیخ ماری اور کپڑے اتار پھینکے۔ قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ وہ چیختے چلاتے ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے' ایک دوسرے کو گراتے ہوئے انہیں پھلانگتے ہوئے۔ جدھر منہ اٹھا دوڑ پڑے۔ اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے تھے وہ کہ بتا نہیں سکتا میں' جبکہ مردہ ارتھی کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ آن کی آن میں ان چاہنے والوں کا صفایا ہو گیا جو اسے لے کر روتے پیٹے یہاں تک پہنچے تھے۔ اب وہاں چڑیا کا بچہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس اکیلا مردہ ساکت کھڑا ہوا تھا۔ کالی چرن نے ہنس کر کہا۔

"دیکھا بیٹا! یہ ہوتی ہے سنسار کی محبت' پتہ نہیں ان میں سے کون اس پاپی کا کون ہو گا۔ بڑی چاہت سے ارتھی بنا کر لائے تھے۔ پر جیون کا خوف کیا چیز ہوتی ہے۔ سارے کے سارے محبت بھول کر ڈر کر بھاگ گئے۔ دیکھ پتا نہیں ان لوگوں کا۔" یہ دیکھ تو میں بھی رہا تھا مگر میں کیا دیکھتا خوف کے مارے خود میرا بدن پسینے چھوڑ رہا تھا۔ دوسری طرف کالی چرن ہنس رہا تھا میں نے بمشکل تمام کہا۔

"مم........... مگر مہاراج کیا یہ مردہ زندہ ہے۔ مم......... میرا مطلب ہے وہ۔"

"ارے نہیں۔"

"تو پھر۔"

"بس ہم نے اپنی شکتی استعمال کی ہمارا ایک غلام اس کے شریر میں گھس گیا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے سب کو ڈرا کر بھگا دیا۔"

"تو پھر اب کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں۔ یہ تو تجھے ہم نے ایک تماشا دکھایا تھا۔ اس بے چارے کی آ
منزل تو اسے ملنی ہی چاہئے۔ ایسا ہم نہیں کریں گے۔ یہ برائی ہو جائے گی۔ ہم ا
اسے چتا میں پہنچائے دیتے ہیں۔ اس سے چتا چھیننے سے کیا فائدہ۔" اس نے کہا اور
اس کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ میری نظریں بھی اس طرف دیکھ رہی تھیر
خوف کے مارے میری گھگھی بندھی ہوئی تھی لیکن بمشکل تمام میں خود کو سنبھا
ہوئے تھا۔ اچانک میں نے ایک بار پھر مردے کے بدن میں جنبش دیکھی۔ وہ جھکا ا
اپنے کپڑے وغیرہ سمیٹنے لگا۔ پھر اس نے خود ہی انہیں اپنے بدن پر لپیٹا اور آہستہ آہ
چلتا ہوا لکڑیوں کے اس ڈھیر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اس ڈھیر پر جا کر لیٹ
اس وقت اچانک ہی کالی چرن کے منہ سے آگ کا ایک شعلہ نکلا اور پرواز کرتا ہوا
کی لکڑیوں سے جا ٹکرایا۔ میں نے لکڑیوں کو آگ پکڑتے دیکھا تھا۔ ادھر کالی چرن ۔
منہ سے مسلسل شعلے نکل رہے تھے اور میں چتا میں ہر طرف آگ لگتے دیکھ رہا تھا
خوف سے میری بری حالت تھی اور میں اس وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب
میں اس شمشان گھاٹ کے بارے میں داخل ہوا تھا اور اتفاق سے یہ سادھو ہمیں مل گ
تھا۔ یہ تو بہت ہی بڑی چیز تھی۔ بہت ہی بڑی۔ چھوٹے موٹے سادھو سنت تو ہماری بستی
علی جاہ میں بھی آتے تھے۔ جوگیوں اور سنیاسیوں کی جگہ تو سڑکوں پر ہوتی ہے۔ اس
وقت میں اسے ایسا ہی کوئی سادھو سمجھا تھا لیکن اب جو کچھ میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں
وہ ناقابل یقین تھا۔ بلاشبہ وہ ایک انتہائی زبردست قسم کا سادھو تھا اور اس کا مجھے
اندازہ ہوتا جا رہا تھا لیکن ایک اور خوف بھی میرے ذہن میں پیدا ہوتا جا رہا تھا کہ میں
کسی مصیبت میں نہ پڑ جاؤں۔ ابھی تک کی زندگی تو بڑی پُرعیش گزری ہے اور
سادھو کی وجہ سے جو دولت حاصل ہوئی ہے اس کا بھی کوئی جواب نہیں لیکن آگے چل
کر کوئی مشکل نہ پیش آ جائے مجھے۔ میں سوچ رہا تھا لیکن جو کچھ اس نے مجھ سے کہا تھا
اور جو سبز باغ اس نے مجھے دکھائے تھے اگر وہ واقعی میری کوششوں سے مجھے وہ حاصل
ہو جائیں تو کیا زندگی گزرے گی۔ زندگی کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ اس خیال کے تحت
میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلتی ہوئی چتا کا جائزہ لیتا رہا جس نے آن کی آن میں
مردے کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ میں نے سادھو کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔

"اب چھوڑ ان کھیل تماشوں کو تُو نے ایک بات کہہ دی تھی جس کی وجہ سے مجھے یہ تماشا دکھانا پڑا۔ تُو نے کہا تھا نا کہ ان لوگوں کے آ جانے سے کہیں ہمارا کام خراب نہ ہو جائے۔ سو میں نے تجھے یہ بتا دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور یہ بھی سن لے کہ میری طاقتور شکتی ہر وہ کام کر سکتی ہے۔ جو میں چاہوں' سمجھ رہا ہے نا۔ اس سے تجھے یہ بھی بتانا تھا کہ مجھے جو وچن دیا ہے اسے پورا کرنا تیرا فرض ہے اور اگر تُو نے اس وچن کو کبھی توڑا تو تیرے ساتھ جو کچھ ہو گا وہ اس سے بھی برا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے مہاراج! اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"میں تجھے جو بتا رہا ہوں تو وہ مجھے کر کے دکھا۔ ایک بات بتا تُو مسلمان ہے ناں۔"

"ہاں۔"

"اور ایک مولوی کا بیٹا ہے۔"

"جی مہاراج۔"

"مولوی صاحب کیا کرتے تھے؟"

"میں نے آپ کو بتایا تھا۔"

"پھر بتاؤ۔"

"مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔"

"کہاں رہتے تھے تم لوگ؟"

"بستی علی جاہ۔"

"بستی علی جاہ میں تیرا گھر کہاں تھا؟"

"مسجد کے اندر تھا۔"

"تیرا اپنا کوئی گھر تھا؟"

"نہیں۔"

"خیر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"میرے والد صاحب مر گئے۔"

"پھر کیا چھوڑ گئے تھے وہ تیرے لئے؟"

"کچھ نہیں۔"

"تُو نے اس کے بعد کیا کیا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا بستی والوں نے مجھے ایک طرح

سے بھوکا مار دیا تھا۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں تجھے بس یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ دین دھرم سب بیکار سی با
ہوتی ہیں۔ انسان بس انسانوں کی بنائی ہوئی لکیروں پر چلتا رہتا ہے۔ اصلی چیز طا
ہے۔ جس انسان کو طاقت حاصل ہوتی ہے وہ سنسار کا بادشاہ ہوتا ہے جس طرح چا
اپنے دین کو اور اپنے دھرم کو رکھ لے۔ دین دھرم بہت بعد کی چیزیں ہیں۔ جہ
انسان کا پیٹ بھر جائے تو وہ دین کی باتیں کرنے لگتا ہے اصل چیز طاقت ہے۔ طاقت
چیز ہوتی ہے جس سے انسان کی زندگی آگے بڑھتی ہے۔

"تو بتا دھرم بڑا ہے یا طاقت؟" میں سوچ میں ڈوب گیا میں نے ویسے تو زندگی م
کبھی کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا تھا۔ جو بڑی حیثیت کا حامل ہو لیکن بس ایک بات تھی
یہ کہ جب والد صاحب مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھانے کھڑے ہوتے تھے تو تقریریں
کرتے تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ شیطان انسان کو کس طرح بہکاتا ہے۔ اسی طرح وہ انسا
کو مذہب سے' خدا سے دور کرتا ہے اور اس وقت یہ شیطانی باتیں میرے کانوں میں
تھیں۔ دوسری طرف سے میرے کانوں میں اپنے والد صاحب کی آواز ابھر رہی تھی۔
اسے ہی تو شیطنت کہتے ہیں۔ انسان اسی سے بچ جائے تو انسان رہتا ہے ورنہ شیطان بن
جاتا ہے۔ بہرحال یہ تمام باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ اس نے کہا۔

"بیٹھ جا۔ جیسے ہم بیٹھ رہے ہیں۔ ویسے ہی بیٹھ جا۔ اب ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔" میں نے اسے غور سے دیکھا۔ سورج آسمان کے بیچوں بیچ آچکا تھا۔ تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس تیز دھوپ میں وہ پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لئے گردن سیدھی کی سینہ تانا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اسی کے سے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے جہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا یہ جگہ اس کے عین سامنے تھی اور میرا اور اس کا چہرہ بالکل آمنے سامنے تھا۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ بڑی مقناطیسی چمک تھی اس کی آنکھوں میں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ میرے بدن میں بار بار تھرتھری پھیل جاتی تھی لیکن میں خود کو سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھا اس نے کہا۔

"جو لفظ میں اپنے منہ سے نکال رہا ہوں وہی بولے گا تُو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"رکشم مکاشا بول۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"رکشم مکاشا۔" میں نے کہا۔

"سوجالم۔"

"سوجالم۔"

"سوفیلم۔"

"سوفیلم۔"

"ستیاجو تشنم۔"

"ستیاجو تشنم۔"

"ماترم۔"

"ماترم۔"

"بندے ماترم۔"

"بندے ماترم۔"

"سوگند کھاتا ہوں سات سو سڑی ہوئی لاشوں کی' سات دیو کنیاؤں کی' مہاکالی کی کہ آج سے میں تمہارے چیلوں میں شامل ہو رہا ہوں اور جو کچھ گرو مہاراج کہیں گے اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کروں گا۔ بولتا رہ۔" میں نے اسی کے مطابق الفاظ دہرا دیئے۔ اس نے تین بار مجھ سے یہ الفاظ کہلائے۔ دل ان الفاظ کی نفی کرتا رہا تھا ضمیر اندر سے ملامت کر رہا تھا۔ ایک کراہت کا احساس دل سے اٹھ رہا تھا لیکن میں خاموش ہی تھا اس نے کہا۔

"اس طرح تُو میرا چیلا بن گیا۔ اب میں تیرے ماتھے پر تلک لگاتا ہوں۔" اس نے زمین پر تھوکا پیلے پیلے رنگ کا یہ بدبودار تھوک تھا جس میں اس نے انگوٹھا ڈبویا مٹی میں اسے رگڑا اور میرے ماتھے پر ایک لکیر کھینچ دی مجھے یوں لگا جیسے میری پیشانی پر جلتی ہوئی آگ لگا دی گئی ہو۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جسے میرا ماتھا جل رہا ہو۔ وہ مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک اب تُو رہے گا مسلمانوں کے بھیس میں مگر ہو جائے گا شدھی نہ ہندو نہ مسلمان۔ کالی طاقت کا پجاری مہاکالی کا خادم تُو ہمیشہ بیر چتروں کی سیوا کرے گا۔ انہی کے کرموں پر چلے گا۔ لوگ تجھے مسلمان سمجھیں گے مگر تُو کچھ اور ہی ہو گا۔ مسلمانوں کی طرح پوجا پاٹ کرے گا نمازیں پڑھے گا۔ دیکھنے والے یہی کہیں گے کہ تُو مسلمان ہے۔ مگر تو ہو گا کالی شکتی کا سیوک' اب تُو کالی پجاری بن چکا ہے۔ اپنے آپ پر مان کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ بہت سی طاقتیں تیری مٹھی میں آنے والی ہیں۔"

میرا دل اب بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ تو مجھے قبول نہیں تھا۔ میرے کانوں میں تو پیدا ہوتے وقت اذان کی آواز ہی پڑی تھی۔ میں نے تو صرف اللہ کا نام سنا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کی ذات کو دھوکا دوں۔ نماز کے لئے جا۔ نماز پر کھڑا ہوا ہوں اور میرا دل گندگی میں ڈوبا ہوا ہو۔ شدید ہلچل پیدا ہونے لگی تھی میرے دل میں' میں نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ میرے اندر کی کیفیت سے بے خبر اپنی کامیابی پر مسکرا رہا تھا پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"اب جان رہا ہے کیا ہوگا۔ چالیس دن تک۔ پورے چالیس دن تک۔ تُو چلہ کشی کرے گا وہ بھی ایک مسجد میں بیٹھ کر۔ تُو وہاں بیٹھ کر یہ جاپ پڑھے گا لیکن تیرے دل میں اس جاپ ہی کا ارادہ ہوگا۔ پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے گا۔ پر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے۔ اس کے بعد تمہارا کام یہ ہوگا کہ شمشان گھاٹ سے اسی جگہ سے ایک مردے کی کھوپڑی اٹھا کر لے جانی ہوگی تجھے مردے کی اس کھوپڑی کو دور لے جا کر تُو پتھر سے توڑے گا اور ایک سل پر اسے باریک پیس لے گا۔ جب یہ کھوپڑی باریک پس جائے تو ایک گیارہ سالہ بچہ جو مسلمان ہو اس کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دینا اس کی گردن سے جو خون نکلے وہ ایک صاف زمین پر پڑنا چاہئے۔ اس صاف زمین پر تُو اس کھوپڑی کے سفوف کو ملا کر اس کا ایک لپٹا سا بنا لینا اور اسے ایک برتن میں رکھ کر ساتھ لے آنا۔ میں تجھے یہیں اسی شمشان گھاٹ میں ملوں گا۔ اکتالیسویں دن تجھے یہ کام کرکے میرے پاس پہنچنا ہے سمجھ رہا ہے نا تُو!"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اچانک ہی میرے اندر ایک عجیب سی وحشت ابھر آئی۔ میں نے اس سے کہا۔

"کالی چرن مہاراج یہ دو کام جو تم نے مجھے بتائے ہیں۔ افسوس میں یہ نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ہاں مہاراج یہ کام نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا بک بک کر رہا ہے تُو۔"

"جو کچھ کہہ رہا ہوں مہاراج وہ بالکل سچ ہے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی کالی طاقت پر جو اس طرح مجھے حاصل ہو۔ میں نے زندگی بھر مسجد میں وقت گزارہ ہے لیکن

میری بد نصیبی نے مجھے میرے باپ کی پیروی نہیں کرنے دی وہ مجھے بہت سمجھاتے تھے بہت بتاتے تھے وہ کہ دیکھو بیٹا اللہ کے احکامات کی پابندی کرو۔ اللہ تمہیں سب کچھ دے گا۔ بالکل سب کچھ دے گا وہ مجھے۔ تم نے ساری باتیں کیں وہ اپنی جگہ' نہ تو میں کسی مسلمان بچے کا خون پی سکتا ہوں اور نہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ کو دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"ارے ارے پاگل ہو گیا ہے کیا۔ ارے پاگل کے بچے ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تُو میرے چرنوں کی دھول تھا۔ جو میں کہہ رہا تھا کر رہا تھا تُو۔ یہ اچانک ہی تجھے کیا ہو گیا؟"

"اگر یہ بات ہے تو تم نہیں جانتے کالی چرن تم نہیں جانتے۔ مسلمان کے گھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ وہ اذان بے مقصد ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس اذان کا ایک ایک لفظ اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے کتنی ہی برائیوں کے راستے پر نکل جائے۔ جب اسے خدا یاد کرتا ہے تو اس کے بعد اسے اور کچھ یاد نہیں رہتا۔"

"پتہ نہیں تجھے کیا ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں تیرے مغز پر یہ دیوانگی کیوں سوار ہو گئی ہے۔ اب تک تُو صحیح راستے پر چل رہا تھا۔ ایک دم راستہ بھٹک گیا۔ آخر کیوں' آخر کیوں............؟ ذرا غور کر کہ کیا کہہ چکا ہوں تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تُو نے سب کچھ۔ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے باؤلے۔ سنسار میرے حکم پر چلتا ہے۔ بڑی شکتی ہے میرے پاس' میں اگر چاہوں تو تجھے پاگل بنا سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو تُو کتوں کی طرح دم ہلاتا ہوا میرے ہر حکم کی تکمیل کرے گا لیکن جو کام میں تجھ سے لینا چاہتا ہوں۔ وہ شکتی کے اثر میں لے کر نہیں لے سکتا۔ تجھے اپنی پسند سے ہی یہ سب کچھ کرنا ہوگا۔ یاد کر' یاد کر باؤلے۔ کیا نہیں دیا میں نے تجھے سنسار میں۔ سمجھ لے جو کچھ میں نے کیا ہے وہ سب کچھ تیرا ہے۔ بس یہ کام کر لے۔ کیوں اپنے مستقبل پر لات مار رہا ہے۔ ایک منٹ رک جا ایک منٹ۔" اس نے کہا اور اچانک ہی اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے۔ جب اس کا ہاتھ نیچے آیا تو میں نے اس کے ہاتھ میں پیتل کی ایک گڑوی' دیکھی جس میں کوئی چیز بھری ہوئی تھی۔

"لے یہ کالی کے چرنوں کا جل ہے۔ کالی ماتا کا پسینہ ہے یہ' پی لے اسے جب تُو یہ پی لے گا تو تیرے من میں کالی ماتا کا پریم ابھر آئے گا اور پھر تُو وہی کرے گا جو میں کہہ

رہا ہوں۔" اس نے یہ گڑوی آگے بڑھائی تو میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

"دیکھو میں تمہاری بڑی عزت کرتا تھا۔ بہت کچھ کیا ہے میں نے تمہارے حکم ابھی تم نے جو غلاظت میرے ماتھے پر لگائی ہے تو میرا ماتھا اس طرح جل رہا ہے جیسے میرے ماتھے پر کسی نے تیزاب کی لکیر بنادی ہو لیکن میں نے برداشت کرلیا اس لئے کہ تم مجھے اپنا چیلا کہہ رہے تھے۔ میں شاید تمہاری اور بھی ساری باتیں مان لیتا لیکن تم نے جو یہ دو کام مجھے بتائے ہیں ان میں سے ایک تو میرے مذہب کی مخالفت میں ہے۔ اپنے اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ ٹھیک ہے میں اس کے احکامات کا پیروکار نہیں ہوں لیکن اسے دھوکا دینا بھی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے سنسار میں طاقت ملے۔ دنیا میرے ہاتھ آجائے لیکن اس قیمت پر نہیں یہ قیمت بہت زیادہ ہوگی۔"

"لو اسے پی لو اس کے بعد بات کرنا۔"

"میں نے کہا ناں۔ میں تمہاری اس کالی قوت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تھوکتا ہوں اس دولت پر جو مجھ سے میرا ایمان چھینے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" میں نے اچانک اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گڑوی پر لات ماری۔ پیتل کی چمکدار گڑوی اچھل کر کافی دور جاگری۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر ایک خونخوار کیفیت نمودار ہوتی جارہی تھی۔ میں نے اپنی پیشانی سے اس کا غلیظ تھوک بھی صاف کردیا اور اچھل کر پیچھے ہٹ کر میں نے اس سے کہا۔

"دنیا کی ہر چیز دے سکتا ہوں اپنے دین کے علاوہ تجھے۔ میں اپنے مذہب سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ کبھی میں اپنے اللہ کو فریب نہیں دے سکتا۔ کیا ہے میرے پاس؟ زندگی ہی گزارنی ہے ناں گزار لوں گا غریب رہ کر محنت مزدوری کرکے سوکھے پتے کھا کر لیکن وہ نہیں کروں گا جو تو کہہ رہا ہے۔ میرا دماغ خراب ہوگیا ہے کالی چرن تو مجھ سے میرا ایمان چھیننا چاہتا ہے۔ لعنت ہے تیری شکل پر۔ میری ہی غلطی تھی شیطان کے بچے کہ میں دولت کی وجہ سے تیرے فریب میں آگیا۔ اب مجھے یہ دولت نہیں چاہئے۔" اس کا چہرہ سرخ ہوتا جارہا تھا اور اس کی آنکھیں خون اگلنے لگی تھیں۔ پھر اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیڑا غرق......... تیرا بیڑا غرق......... تیرا بیڑا غرق ہو، تو......... تو......... تو بہت ہی بری حالت میں آنے والا ہے۔ بہت ہی بری حالت میں آنے والا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ واہ رے واہ کیا بات ہے......... کیا بات ہے۔" پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر ایک ایسی سنجیدگی طاری ہوگئی جیسے سب کچھ بدل گیا ہو۔ وہ عجیب سے انداز میں میری صورت دیکھ رہا تھا اور اس کے بعد اچانک اس نے دونوں ہاتھ سر سے بلند کئے اور پھر وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں اس کی صورت سے محروم ہوگیا تھا۔ شمشان گھاٹ اسی طرح تھا سب کچھ اسی طرح تھا لیکن جس انداز میں وہ غائب ہوا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر نازل ہوگا اور میرے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کردے گا۔ آخر وہ کالا جادوگر تھا۔ جو کچھ بھی کرتا، کم تھا میں دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ آدھا گھنٹہ، ایک گھنٹہ، پھر دوسرا گھنٹہ شروع ہوگیا تھا۔ میرے اندر کچھ سوچنے سمجھنے کی قوتیں بیدار ہوئیں۔ میں نے سوچا کہ اب شاید وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ چنانچہ میں نے واپسی کے لئے قدم اٹھادیئے۔ میں ایک عجیب سی وحشت کا شکار تھا۔ بے شک اس بات کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ میرے دل میں خوف کے سائے گھر کرچکے تھے لیکن اندر سے ایک عجیب سی خوشی ابھر رہی تھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میرے اس عمل سے یقیناً رمضان علی کی روح کو ضرور خوشی ہوگی۔ اس کے علاوہ اللہ مجھے میرے اس ایمان کا صلہ دے گا۔ اتنی ساری دولت ٹھکرادی تھی میں نے۔ اس قیمت پر تو خیر میں کبھی کچھ نہیں حاصل کرسکتا تھا۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا لیکن راستے میں آتے ہوئے میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ حمدو سے تو میں کہہ کر آیا تھا کہ چالیس دن کے بعد آؤں گا وہ بیچارہ اسی انتظار میں ہوگا لیکن میں اس طرح واپس جارہا ہوں کیا سوچے گا وہ میرے بارے میں۔ یہ سوچ کر میں یہ فیصلہ کرنے لگا کہ اب اسے کیا جواب دوں۔ ان ساری باتوں کے بارے میں تو میں نے اسے ساری تفصیل بتائی بھی نہیں تھی۔ اور پھر ساری باتیں بتاکر کیا فائدہ بس رہنے دیا جائے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں واپس سرائے پہنچ گیا۔ حمدو اس وقت کہیں گیا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں بستر پر لیٹ گیا میرا پورا جسم ٹھنڈا ہورہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہورہی تھی۔ بار بار بدن پر پسینہ ابھر آتا تھا۔ بہت دیر تک میں اسی کیفیت میں لیٹا رہا۔ سرائے کے مالک کا لڑکا اندر آیا۔ یہ پوچھنے کے لئے کہ مجھے کوئی چیز درکار تو نہیں ہے۔ تو میں خوف سے اچھل پڑا جب میں نے دروازہ کھولا تو مجھے یوں لگا جیسے کالی چرن میرے سامنے آگیا ہو۔ اس نے پوچھا۔

"صاحب جی! کچھ چاہئے تو نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے ٹھنڈا پانی پلاؤ۔ جتنا ٹھنڈا ممکن ہو سکتا ہے لے کر آؤ۔"

"ابھی لایا صاحب جی۔" وہ باہر نکل گیا تو میں نے اچانک گھوم کر پچھلے دروا کی جانب دیکھا پھر دروازے کو میں نے مضبوطی سے بند کر دیا۔ میں نے دل میں کر لیا تھا کہ اگر پچھلے دروازے پر کسی نے دستک دی تو میں اسے کبھی نہیں کھولوں میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ حمدو کو بھی اس بارے میں منع کر دوں گا۔ مگر سوال یہ ہوتا تھا کہ کیا میں کالی چرن سے بچ جاؤں گا؟ جو بے عزتی میں نے اس کی کی ہے ا کیا ہوگا۔ یہ تمام باتیں میں سوچتا رہا اور اس کے بعد نہ جانے کب میری آنکھ لگ گ پھر اس کے بعد مجھے دنیا کی کچھ خبر نہیں رہی۔ اس وقت رات کے تقریباً دس یا ساڑ دس بجے تھے۔ جب اچانک کسی کی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ لہٰذا ماحول کو ا اچانک ہی کمرے میں روشنی ہوئی تھی۔ ایک دم سے مجھے گزرے ہوئے واقعا خیال آ گیا۔ میرے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکل گئی لیکن میری چیخ کے س ساتھ ایک اور چیخ بھی بلند ہوئی تھی اور اس کے بعد ہم دونوں میں چیخنے کا مقابلہ ہو لگا تھا۔ آنے والا حمدو تھا۔ پھر وہی سنبھلا اور اس نے کہا۔

"تم؟"

"ہاں! میں ہی ہوں حمدو لیکن تم یہ شور کیوں مچا رہے ہو۔"

"ارے یار کمرے میں یہ سوچ کر داخل ہوا تھا کہ میرے علاوہ یہاں بھلا ک ہو سکتا ہے تمہیں دیکھ کر ظاہر ہے یہی حالت ہونی چاہئے تھی۔ تم تو ڈیڑھ مہینے کے باہر گئے تھے۔ یہ تو ڈیڑھ دن بھی نہیں گزرا............"

"بس یار حمدو۔ بات بنی نہیں دوست............!"

"ایک بات کہوں تم سے۔" حمدو میرے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ "اصل میں تم یقی کرو میں تمہاری بڑی عزت کرنے لگا ہوں اور ویسے بھی تم نے میری بڑی مدد کی ہے تمہارے بارے میں تھوڑا بہت کچھ جانتا بھی ہوں۔ مجھ سے کہیں زیادہ سمجھ دار آد ہو' میرے دل میں پہلے بھی اس بات کا شبہ تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو مجھ س چھپا رہے ہو اور اب بھی میں یہی کہہ رہا ہوں کہ کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہے جو تمہار توقع کے خلاف ہو آخر ہم نے بھی تھوڑی بہت دنیا تو دیکھی ہی ہے۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا مجھے بزرگوں کا ایک قول یاد آ گیا کہ ایک سے دو بھ ہوتے ہیں ہو سکتا ہے حمدو ساری بات سننے کے بعد کوئی ایسا مشورہ دے دے جو کار آ

ہو اور اب تو اس سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اور اس کی سوالیہ نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔

"حمدو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ اصل میں تجھ سے تو خیر کوئی بات چھپانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن کالی چرن نے مجھے یہی ہدایت کی تھی کہ میں یہ سب کچھ سب سے چھپاؤں۔"

"تو پھر اب؟"

"کہہ رہا ہوں نا یار گڑبڑ ہو گئی ہے' کالی چرن اب ہمارا دشمن بن چکا ہے۔" حمدو بری طرح اچھل پڑا اور خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"ارے باپ رے۔ میں اس منظر کو کبھی نہیں بھولوں گا جب ایک مردہ اپنی ہڈیاں سمیٹ کر چتا سے باہر نکل آیا تھا اور وہ اس کا غلام تھا۔ کیا ہو گیا پیارے بھائی۔ لگتا ہے سب کچھ چڑی پار ہو گیا۔"

"ہاں حمدو ایسا ہی سمجھ لو۔ اصل میں اس نے کچھ ایسی بات کہہ دی تھی جسے پورا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

"یار پوری بات تو بتاؤ۔" جواب میں' میں نے حمدو کو ساری کہانی سنانی شروع کر دی۔ میں نے اسے بتایا کہ کس طرح اس نے مجھے چالیس دن کا چلہ کرنے کی ہدایت کی تھی' اس کے بعد اس نے مجھ سے میرا ایمان چھیننا چاہا' پتا نہیں کیا کیا غلاظتیں اس نے میرے وجود میں اتار دیں' اپنا تھوک میری پیشانی پر لگایا اور اس کے بعد اس نے ایک ایسی بھیانک بات کہی جسے سن کر ہی میرا دم نکل گیا تھا۔" میں نے انسانی کھوپڑی کا سفوف اور گیارہ سالہ مسلمان بچے کی زندگی چھیننے کا واقعہ حمدو کو سنایا تو وہ بھی کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

"توبہ' توبہ' توبہ اللہ تعالیٰ معاف کرے یار وہ تو پورا شیطان تھا' اچھا کیا تم نے اس شیطان کے بچے کو لعنت بھیج کر دفع کر دیا مگر اب تو وہ تمہارا دشمن بن گیا ہو گا۔"

"تم خود سوچ لو۔"

"اس نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔"

"نہیں یار لیکن جس طرح وہ اٹھ کر ہمارے پاس سے گیا' میرا مطلب ہے میرے پاس سے گیا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بہت جلد وہ ہمارے خلاف اپنی انتقامی کارروائی شروع کر دے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھاگ لے پیارے بھائی بھاگ لے میں تو اب اس رقم کی طرف سے بھی خو زدہ ہو گیا ہوں جو بینک میں جمع ہے۔ بھلا اس جیسے آدمی کے لئے کیا مشکل ہے کہ بڑ سے رقم ہی نکال لے اور ہمیں کوڑی کوڑی کا محتاج کر دے' پکی بات ہے پیارے بھ اب مارے گئے بھائی میاں مان لو میری بات مال نکالو اور بھاگ لو بڑا زبردست پنگا لیا ہے تم نے۔"

"یار تُو خود بتا میں کیا کرتا ابا کی روح کو کیا جواب دیتا اور پھر کسی معصوم بچے زندگی لینے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"تبھی تو کہہ رہا ہوں پیارے بھائی کہ بھاگ لو تپلی گلی سے۔"

"اب تو جو کچھ ہوگا' صبح کو ہی ہوگا' کیا کر سکتے ہیں ہم۔"

"صبح کو وہ رقم نکال لو اور اس کے بعد یہاں سے نکل چلو۔" بہرحال رات کو نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے رہے بہت سے منصوبے بنائے تھے ہم نے۔ میرے دل م بھی یہ خیال تھا کہ کالی چرن نے جو اچھی خاصی رقم مجھے دی ہے اب بھلا اسے ہمار لئے کیوں چھوڑے گا لیکن پیسے بینک میں جمع تھے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے اور بعض اوقا دل وہ تمام پیشگوئیاں پہلے ہی کر دیتا ہے جو آنے والی ہوتی ہیں دوسرے دن ہم بینک پہنچے تھے' بیلنس نکلوانے کے لئے چٹ لکھ کر دی تو چٹ کی چیکنگ کرنے والے۔ میرے دستخط دیکھ کر دوسرے رجسٹر سے دستخط ملائے پھر بولا۔

"اکاؤنٹ آپ کا ہے جناب.........؟"

"ہاں!" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"مگر یہ دستخط تو آپ کے نہیں ہیں.........."

"کیا.........؟"

"جی ہاں۔"

"کیا بات کر رہے ہو تم' یہ لو میں چیک لکھ کر دیتا ہوں یہ رقم مجھے دے دو۔" میں نے چیک بک سے چیک پھاڑا اور رقم لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ اندازہ تو تھ کہ کتنی بڑی رقم ہے بس تھوڑے سے پیسے اکاؤنٹ میں چھوڑے تھے لیکن چیک بھی واپس آ گیا۔

"نہیں جناب یہ دستخط آپ کے ہیں ہی نہیں۔" پھر بڑی بک بک کی تھی میں نے البتہ وہ منیجر جس نے میرا اکاؤنٹ کھولا تھا مجھے پہچان گیا تھا اس نے کہا.........

"آپ اپنے دستخط کیوں بھول گئے ہیں' میں آپ کو پہچانتا ہوں' لیکن یہ دستخط آپ کے نہیں ہیں۔"

"جناب عالی یہی دستخط ہیں میرے.........."

"میں آپ کا پرانا چیک نکلواتا ہوں' آپ خود چیک کر لیجئے۔" درحقیقت پرانے چیک پر جو دستخط تھے وہ میرے نہیں تھے' منیجر نے مجھے اپنے سامنے بٹھا کر مجھ سے بے شمار دستخط کرائے لیکن میں وہ دستخط نہیں کر سکا جو چیک پر تھے۔ منیجر نے کہا..........

"جناب! آپ خود ذرا اپنا جائزہ لیجئے' دیکھئے اصل میں یہاں تو سارا کام ہی یہی ہے' بہرحال آپ دیکھ لیجئے اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ذاتی طور پر چلیں میں نے یہ کہہ بھی دیا کہ یہ رقم آپ ہی نے جمع کرائی تھی لیکن دستخطوں کے معاملے میں کیسے نظرانداز کر سکتا ہوں' بالکل نہیں مل رہے کوئی اور صورت حال نہیں ہے.........."

"لیکن میری گارنٹی تو آپ نے دی تھی.........."

"سب کچھ مانتا ہوں' آپ ایسا کریں اپنے حواس جمع کریں' کاغذ' قلم لیں اور وہی دستخط کرنے کی کوشش کریں' میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ آپ کو آپ کے دستخطوں کے فوٹو اسٹیٹ کروا کر دے دوں۔ یہ میں ذاتی طور پر کروں گا آپ کی مدد کے لئے لیکن اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔" بہت دیر تک یہ جھگڑا جاری رہا اور اس کے بعد حمدو نے مجھے باہر نکلنے کا اشارہ کیا میں باہر آ گیا تھا اس نے کہا۔

"میں اب بھی کہوں گا جو رقم اپنے پاس ہے اسی سے کام چلا لو بھیا ورنہ اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"مگر حمدو کیا کیا جائے۔"

"فوراً اس شہر سے نکل لو۔ احمد پور ہمارے لئے اب ایک انتہائی خطرناک جگہ ہے۔" میں نے حمدو سے اتفاق کیا تھا چنانچہ ہم دونوں پھرتی سے ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ یہاں ہم نے ایک اور شہر کے ٹکٹ خریدے۔ حمدو نے اس سلسلے میں آگے بڑھ کر کارروائی کی تھی یہ خریداری کرنے کے بعد ہم نے اور تھوڑا سا سامان لیا۔ شکر تھا ہماری جیبوں میں پیسے موجود تھے جو ہم نے ضرورت پڑنے کے لئے بینک سے نکال لئے تھے' آخرکار ہم ٹرین میں جا بیٹھے۔ ہمارے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' حمدو کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ خیر دولت تو آنی جانی چیز ہے لیکن یہ ہوا عجیب واقعہ۔ البتہ دل ہی دل میں ایک ہلکے سے سکون کا احساس بھی تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساری باتیں اپنی جگہ کام وہ کیا جاسکتا ہے جو ممکن ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ شیطا میرے ذریعے اللہ کی مخلوق کو دھوکا دینا چاہتا تھا یعنی یہ کہ میں مسجد میں جاکر نماز پڑھ ایک دین دار اور عبادت گزار انسان نظر آتا لیکن درپردہ وہاں پر بیٹھ کر گندگی کرتا زندگی تو آنی جانی چیز ہے۔ ہوتی ہی کتنے دن کے لئے ہے لیکن یہ سب کچھ میرے بس سے باہر تھا یہاں دل نہیں مانتا تھا اور کسی بچے کو ذبح کرنا' توبہ' توبہ' توبہ اپنی گردن چھری پھیرنا آسان ہے کسی معصوم بچے کی گردن پر چھری پھیرنے کے خیال سے میرا دل ہی دل میں لرزنے لگا۔ حمدو بھی پریشان بیٹھا ہوا تھا' ٹرین کا سفر جاری رہا' شام ڈھل گئی۔ سورج ڈوب گیا دوڑتے ہوئے درختوں پر دھند چھانے لگی اور پھر باہر ماحول تاریکی میں گم ہوگیا' اب باہر کچھ نظر نہیں آرہا تھا' کبھی کوئی چھوٹا سا اسٹیشن آتا ٹرین کی رفتار سُست ہو جاتی پھر کچھ روشنیاں جگمگاتیں اور پھر وہی تاریکی ابھی تک کوئی ایسا بڑا اسٹیشن نہیں آیا تھا جہاں ٹرین رکتی۔ ویسے یہ ٹرین بھی نان اسٹاپ تھی' ہم لوگوں نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بہرحال رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے ٹرین ایک بڑے اسٹیشن پر رکی اور اس دوران ٹرین میں کھانے والے چکر لگاتے رہے لیکن ان کا کھانا ہمیں پسند نہیں آیا تھا اس بڑے اسٹیشن سے کھانا خریدا گیا حمدو ہی نیچے اتر کر لے آیا تھا ہم دونوں نے کھانا کھایا ٹرین کے کچھ مسافر برتھیں کھول کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو ہمارے بدن پر بھی کسلمندی سوار ہونے لگی۔ مستقبل کا کوئی منصوبہ ذہن میں نہیں تھا بس یہ سوچا تھا کہ زندگی جو بھی رخ اختیار کرے گی اب تو بہرحال تجربہ ہوتا جا رہا تھا پھر ہم بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے ایک گھنٹہ دو گھنٹے رات کا ایک بجا تھا اس وقت حمدو نے مجھے پکارا تو میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"نہیں سوئے نا تم بھی..........."

"ہاں! حمدو نیند نہیں آرہی..........."

"بھلا نیند کا کیا سوال ہے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ دل سے خوف نکال دو۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اب میں خوف زدہ نہیں ہوں۔" کوئی دو بج رہے تھے اس وقت جب ٹرین کی رفتار ہلکی ہوئی اور پھر وہ رک گئی۔ حمدو مجھ سے بولا۔

"باہر سے چائے لے کر آتا ہوں۔"

"لے آؤ۔" میں نے نیم غنودہ لہجے میں کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ حمدو نیچے اتر

گیا تھا لیکن پھر میری آنکھ لگ گئی' حمدو پتہ نہیں چائے لایا تھا کہ نہیں' لیکن اس کے بعد سویا تو اس وقت جاگا جب صبح کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ حمدو کو تلاش کیا' لیکن وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ شاید باتھ روم گیا ہوگا۔ دس منٹ بیس منٹ' آدھا گھنٹہ' ایک گھنٹا ٹرین میں اب سب مسافر جاگ چکے تھے' لیکن حمدو واپس نہیں آیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اترا اور اس حصے میں پہنچ گیا جہاں باتھ روم تھے۔ حمدو کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ رات یاد آئی۔ چائے لینے کے لئے کہا تھا اس نے' ارے باپ رے کہیں اس اسٹیشن پر ہی تو نہیں رہ گیا۔ میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔

مجھے تو ویسے ہی ان ساری باتوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ حمدو ہی کے بل پر سب کچھ کر رہا تھا ابھی تک' حالانکہ تھوڑے دن احمد پور میں بھی گزر گئے تھے' ہوٹل اور اس کے بعد سرائے کا تجربہ ہوگیا تھا لیکن زیادہ نہیں' اگر حمدو مجھ سے بچھڑ گیا ہے تو اب کیا ہوگا' اگر لوگ اسٹیشنوں پر رہ جاتے ہیں تو پھر آگے کا مسئلہ کیا ہوتا ہے' میں نے جیب کو ٹٹول کر دیکھا۔ خوش قسمتی سے ٹکٹ میرے پاس ہی موجود تھے۔ یہاں تو ذرا اطمینان ہوگیا لیکن آگے کے معاملات اتنے خطرناک ثابت ہوسکتے تھے۔ پتہ نہیں بے چارہ حمدو مجھے تلاش کر بھی پائے گا یا نہیں۔

جس نئے شہر میں ہم دونوں جا رہے تھے' وہاں کے بارے میں نہ مجھے معلومات حاصل تھیں۔ نہ حمدو کو' بس چل پڑے تھے اللہ کا نام لے کر' دل میں خوف تھا۔ حمدو ایک بہت اچھا ساتھی تھا لیکن پتہ نہیں کیا ہوگیا۔ ٹرین سفر کرتی رہی اور میرے دل میں لاکھوں وسوسے جنم لیتے رہے' جب بھی ٹرین کسی اسٹیشن پر رکتی میں یہ سوچتا کہ شاید حمدو آجائے آہ کاش اس نے جلدی سے ٹرین پکڑلی ہو اور کسی اور ڈبے میں چڑھ گیا ہو اور اب ٹرین رکی ہے تو وہ اپنے ڈبے میں آجائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا' یہاں تک کہ ٹرین کا سفر ختم ہوگیا۔ حمدو نہیں آیا تھا' میرا اور اس کا ساتھ چھوٹ گیا تھا اور مجھے اس کا جس قدر رنج ہوتا کم تھا' لیکن پھر بھی میں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

بہت بڑا ریلوے اسٹیشن تھا' اور یہیں پر آکر اس ٹرین کا سفر ختم ہوجاتا تھا۔ میں ریلوے اسٹیشن پر اترا میرے پاس دو ٹکٹ تھے۔ میں نے دونوں کو انتہائی سنبھال کر رکھا اور ریلوے اسٹیشن کا جائزہ لینے لگا۔ اس عظیم الشان ریلوے اسٹیشن پر دن رات رش رہتا تھا۔ ہماری ٹرین یہاں رکی تھی' تھوڑی دیر کے بعد وہ آگے بڑھ گئی۔ پھر ایک دوسری ٹرین آکر رک گئی۔ بڑی بڑی بنچیں پڑی ہوئی تھیں۔ بہت سے ایسے ریل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ڈبے تھے جو خالی تھے۔ میں نے دل میں مکمل فیصلہ کرلیا کہ میں حمدو کا یہیں انتظار کروں گا' اسے یہ بات تو معلوم ہے کہ ہم نے کہاں تک کا سفر کرنا ہے' دوسری کسی ریل میں بیٹھ کر وہ یہاں پہنچے گا اور اسی جگہ اترے گا' جہاں میں اترا ہوں۔ چنانچہ میرا یہاں انتظار کرنا بڑا ضروری ہے۔

پھر میں نے وہیں رات کردی' کھانے پینے کی بے شمار چیزیں یہاں موجود تھیں' لیکن جو پیسے پاس تھے۔ انہی پر گزارہ کرنا تھا۔ تھوڑا بہت کھا پی لیا' بس پیٹ کا دوزخ بھرنے کا سوال تھا' میری آنکھیں ہر آنے والی ٹرین پر جمی ہوئی تھیں اور دل حسرتوں کا شکار تھا کہ کاش حمدو آجائے۔ آدھی رات سے زیادہ یہیں گزر گئی اب ریلوے اسٹیشن خالی ہوگیا تھا۔ بس وہ لوگ یہاں موجود تھے' جو یہاں کے ملازم تھے' یا پھر بے چارے پیٹ کے دکھ کا شکار' جن کے لئے نہ رات رات تھی نہ دن دن' خوانچے والے' پھل فروش' بھاجی ترکاری بیچنے والے یہاں موجود تھے' آدھی رات کے بعد میں اس بنچ پر لیٹ کر سوگیا جو ذرا تھوڑے سے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔ سامنے ہی ایک جگہ ویٹنگ روم تھا جہاں کوئی نہیں تھا۔ مجھے کسی نے نہیں ٹوکا' پھر ساری رات سوتا رہا صبح کو اٹھ کر نلکے سے منہ ہاتھ دھویا ایک پیالی چائے اور ایک بند خرید کر ناشتہ کیا' پیسے بڑی احتیاط سے چھپالئے تھے کہ کہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ جس زندگی میں آگیا تھا وہ بڑی بے کسی کی زندگی تھی۔ حمدو کے لئے دن رات آنکھیں تڑپ رہی تھیں۔

دوسرا دن بھی گزر گیا' رات گزری پھر تیسرا دن' تیسرے دن دوپہر کو میں اسی بنچ پر دراز بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عمر رسیدہ شخص میرے پاس آگیا۔

"بیٹا معاف کرنا' قلی کا کام کرتا ہوں یہاں' تمہیں تین دن سے یہاں دیکھ رہا ہوں' کوئی ٹھکانہ نہیں ہے کیا بے در بے گھر ہو۔" میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کسی نے ہمدردی کے دو بول کہے تو دل بھر آیا' بزرگ نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا! اس عمر کے لوگ روتے نہیں ہیں' رلاتے ہیں' اپنی آنکھوں میں پانی نہیں آگ پیدا کرو' بات کیا ہے مجھے بتاؤ؟"

"کچھ نہیں ہے بابا جی' بس یوں سمجھ لیجئے تقدیر حالات کا مارا ہوا ہوں' دنیا میں کوئی نہیں ہے' ایک دوست یا بھائی جو کچھ بھی کہہ لیجئے راستے میں بچھڑ گیا تھا۔ یہاں آرہے تھے ہم دونوں وہ راستے میں ٹرین سے اتر گیا' یہ دیکھئے میرے پاس یہاں تک کے دو ٹکٹ اب بھی موجود ہیں۔ اسی کا انتظار کر رہا تھا کہ ممکن ہے کسی اور ٹرین سے

آجائے لیکن نہیں آیا۔"

"واپسی کے لئے پیسے نہیں ہیں کیا؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ واپس کہاں جانا ہے ہمیں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے ہم دونوں دوست اس بھری کائنات میں تنہا ہیں۔"

"ارے ارے خیر تو بیٹا کب تک انتظار کرو گے تین دن تو ہوگئے' ہر دو یا تین گھنٹے کے بعد یہاں ٹرین آتی ہے اسے آنا ہوتا تو آجاتا۔"

"اور انتظار کروں گا بابا صاحب' دل نہیں بھرا اس کے انتظار سے۔"

"ٹھیک ہے۔ حلیہ خراب ہو رہا ہے' نہا دھولو' حلیہ تو بدل لو۔"

"نہیں بابا جی ٹھیک ہے۔"

"میری بات مانو۔ تم مجبور کر رہے ہو اس بات پر ورنہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر وہ جو ریلوے کالونی کی جھونپڑیاں نظر آرہی ہیں۔ انہی میں میری جھونپڑی ہے' بیوی اور بیوہ بیٹی کے ساتھ رہتا ہوں بیٹا کوئی نہیں ہے تم چاہو تو میرے ساتھ آجاؤ۔"

"اور اگر حمدو یہاں آگیا تو؟"

"کیا کہہ سکتا ہوں۔ خیر تم یہاں انتظار کرلو کسی کی نظر نہیں پڑی تم پر ورنہ تمہیں مشکوک قرار دے دیا جاتا' میں نے بھی کسی کو تمہاری طرف متوجہ نہیں کیا ہے حالانکہ میں تین دن سے مسلسل تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی تھی۔

بوڑھا قلی بہت ہی نفیس آدمی تھا' انیس احمد نام تھا اس کا' تین دن تک وہ میرے لئے کھانا لاتا رہا۔ ہر طرح سے میری دلجوئی کرتا رہا' اب چھ دن گزر چکے تھے اور واقعی اب میری سوچ کا انداز بدلتا جارہا تھا۔ حمدو ضرور کسی حادثے کا شکار ہوگیا یا پھر مجھ سے بچھڑنے کے بعد وہ میری تلاش میں ناکام رہا اور آخر کار اس نے مجھ پر لعنت بھیج دی۔ ٹھیک ہی تو تھا بلاوجہ ہم دونوں ایک دوسرے پر بوجھ بنے ہوئے تھے کبھی مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ بھی زندہ رہے گا اور میں بھی زندہ رہوں گا' لیکن کیا یہ زندگی ہے؟ کیا اس طرح زندہ رہنا چاہئے۔ کالی چرن کا خوف ان چھ دنوں میں دل سے بالکل نکل چکا تھا۔ وہ میری گالیاں کھا کر خاموشی سے چلا گیا تھا کچھ کرنا ہوتا تو کر ڈالتا۔ اب مجھے اس کی کوئی خاص پرواہ نہیں تھی۔

پھر میں نے بوڑھے انیس احمد کی بات مان لی اور وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس کی بیوہ بیٹی کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کے قریب ہوگی۔ ایک مظلوم سی شکل والی نوجوان

عورت تھی' اس کی ماں یعنی انیس احمد کی بیوی بہت ہی مشفق عورت تھی۔ دونوں نے میرا استقبال ایسے کیا جیسے میں ان کے گھر کا ہی ایک فرد ہوں۔ انیس نے کہا۔

"بتا تو سہی ذرا یہ کون ہیں؟"

"میں بتاؤں ابا۔" لڑکی نے کہا۔

"ہاں بتاؤ۔"

"ان کا نام شعبان علی ہے اور ان کا دوست حمدو کھو گیا ہے۔"

"واہ' یہ بڑی اچھی بات ہے' آپ کا نام تو ہمیں معلوم ہی نہیں ہوا بہن۔"

"میرا نام رافعہ ہے۔"

"اور بیٹا' مجھے تم چچی جان کہو گے تو مجھے خوشی ہوگی۔ انیس تمہارے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہیں۔ رافعہ بہت دن سے پیچھے پڑ رہی تھی کہ شعبان بھیا کو یہیں لے آؤ۔ ہمارا بھی کوئی ہو جائے گا۔ بیٹا تم یہاں رہو آرام سے رہو' تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" میں نے شرمندگی سے گردن جھکا دی اور آہستہ سے کہا۔

"اماں جی انکار نہیں کروں گا' لیکن زیادہ عرصے بوجھ نہیں بنوں گا آپ پر۔ یہ سہارا تو میرے لئے بڑا قیمتی ہے۔ کوئی بڑی بات نہیں کہوں گا۔ بس اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔"

"نہیں نہیں بھیا ایسی کوئی بات نہیں ہے' ہمارا کوئی نہیں ہے یہ بات تمہاری ہمیں پسند نہیں آئی۔ جو تم کہہ رہے ہو یعنی یہ کہ ہمارے سر پر زیادہ عرصے بوجھ نہیں رہو گے' جب تمہارا اور کوئی نہیں ہے تو ہمیں اپنا کیوں نہیں سمجھ لیتے۔" رافعہ نے کہا۔

"بہن' بھائی بوڑھے بزرگ پر بوجھ نہیں بنتے" میں تو صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ٹھکانہ ہو جائے گا میں بالکل یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ میرے محترم بزرگ کو قلی کا کام کرتے ہوئے کتنی تکلیف ہوتی ہے بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔"

بہرحال یہاں میرا ٹھکانا بنا دیا گیا۔ کئی دن تک حمدو کی دل میں تڑپ رہی لیکن بابا صاحب جنہیں اب میں بابا صاحب ہی کہتا تھا اور اس کی بیوی کو اماں جی۔ رافعہ کو میں بہن کہتا تھا۔ بہت ہی اچھے انسان تھے ہر طرح سے میرے حامی اور مددگار۔ میں نے انہیں اپنے بارے میں مختصر سی باتیں بتا دی تھیں لیکن انتہائی دور دور کی باتیں حقیقتوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی بھنک بھی نہیں لگنے دی تھی میں نے انہیں' لیکن میری سوچوں میں بڑی گہرائی پیدا ہو گئی تھی۔ میں یہ سوچنے لگا تھا کہ جو زندگی میں گزار رہا ہوں کیا واقعی وہ زندگی ہے' میں تو ہمیشہ ہی کا بھٹکا ہوا آدمی ہوں۔ اپنی بستی علی جاہ میں' میں ایک ناکارہ نوجوان تھا۔ باپ کی ڈیوڑھی پر پڑا رہتا تھا۔ انہی کے ٹکڑوں پر پلتا تھا اور جب باپ کا انتقال ہو گیا تو میری حیثیت دو کوڑی کی ہو گئی۔

اس وقت سے آج تک بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ کون سا صحیح کام کیا ہے میں نے' ہمیشہ ہی غلط ملط کاموں میں الجھا رہا ہوں اگر کوئی ڈھنگ کی نوکری کی ہوتی تو آج زندگی کا رخ ہی بدلا ہوا ہوتا۔ ہمیشہ آسانیوں کی تلاش میں بھٹکتا رہا ہوں۔ ہمیشہ یہ سوچتا رہا ہوں کہ کہاں سے مجھے کیا مل سکتا ہے' اگر محنت مزدوری کر کے قوت بازو سے کچھ کمانے کی کوشش کرتا تو آج صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ واقعی اب اس زندگی کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ سب کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ بہت برا ہے یہ سب کچھ' بہت برا ہے۔

دن رات انہی سوچوں میں ڈوبا رہتا تھا اور وقت گزر رہا تھا' یہ تو انتہائی غیرت اور شرم کی بات تھی کہ بے چارے بابا صاحب سر پر بوجھ ڈھوتے تھے اور میں خاموشی سے بیٹھ کر کھاتا تھا۔ اس دوران رافعہ اور اماں جی اس قدر پیار سے پیش آ رہے تھے میرے ساتھ کہ کبھی کبھی میرا دل ان کے لئے دکھنے لگتا تھا۔ آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ملازمت کرنی چاہئے' ریلوے اسٹیشن زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' میں چاہتا تو محنت مزدوری کر کے پیسے کما سکتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ مجھے کوئی ڈھنگ کی ملازمت کرنی چاہئے۔ آخر کار میں نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں ملازمت کروں گا۔ بابا صاحب ہنس کر بولے۔

"دیکھو بیٹا! اگر یہ سوچ رہے ہو کہ تمہارا کھانا پینا ہمیں برا لگے گا تو بھول جاؤ ان باتوں کو۔ اللہ سب کا رازق ہوتا ہے وہی سب کو کھلاتا ہے ہم کیا اور ہماری اوقات کیا' ہاں اگر اپنا مستقبل بنانا چاہتے ہو تو بات دوسری ہے۔"

"نہیں بابا صاحب' میں کوئی نہ کوئی ملازمت ضرور کروں گا' دیکھتا ہوں مجھے کیا ملازمت ملتی ہے۔" اور اس کے بعد ریلوے اسٹیشن کے بک اسٹال پر پہنچ جاتا تھا۔ اخبار میں ملازمت کے لئے اشتہار تلاش کرتا تھا اور پھر کئی جگہ میں نے درخواستیں ہاتھ سے لکھ کر بھیجی تھیں۔ اس کے علاوہ اب میں شہر میں بھی نکل جاتا تھا اور نوکری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔

بہرحال میں نے ان لوگوں کے ساتھ خاصے دن گزار دیئے۔ پھر ایک دن ایک اشتہار کے جواب میں' میں نے جو درخواست بھیجی تھی۔ مجھے ان کا جواب ملا اور بڑا عجیب جواب ملا۔ میں نے اپنی تفصیلات لکھی تھیں لیکن انٹرویو کرنے کے بجائے وہاں سے لکھا گیا تھا کہ مجھے اس ملازمت کے لئے منتخب کرلیا گیا ہے اور میں فوراً اس ملازمت کے لئے ایم ڈی سے ملوں۔ یہ ایم ڈی کیا چیز تھا اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ بظاہر تو اب تک کی جو معلومات تھیں اس سے ایم ڈی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال جو بھی لفافے پر پتہ بھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس پتے کے بارے میں بابا صاحب سے معلومات حاصل کیں اور پھر دوسرے دن صبح کو میں ساری معلومات حاصل کرنے کے لئے تیار ہو کر چل پڑا۔

اس دن میں نے اپنا حلیہ بھی بہت اچھا بنالیا تھا اور اس کے بعد میں چل پڑا تھا۔ اماں جی رافعہ بہن اور بابا صاحب نے مجھے بڑی دعائیں دی تھیں۔ بہرحال میں اس علاقے میں پہنچ گیا جو نیکلس روڈ کہلاتا تھا اور شہر کے بالکل آخری سرے پر تھا اس کے بعد صنعتی علاقہ شروع ہوجاتا تھا' نیکلس روڈ ویسے بھی رہائشی علاقہ نہیں تھا' کبھی کسی زمانے میں بلکہ انگریزوں کے زمانے میں یہاں بہت پرانی آبادی تھی۔ خاص قسم کے انگریزی اسٹائل کے بنگلے بھی نظر آجاتے تھے۔ جو اب بھوت گھر بنے ہوئے تھے لیکن بہرحال مجھے یہاں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں چنانچہ میں ان بھوت گھروں کے درمیان گردش کرنے لگا۔

☆======☆======☆

یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں کسی انسان کا وجود نہ ہو' ایک عجیب سی ویرانی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی' حیرانی کی بات تھی کہ مجھے اس جگہ کا پتہ دیا گیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ کہیں کسی نے کوئی مذاق نہ کیا ہو لیکن مذاق کرنے والا کون ہوسکتا ہے کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خدا خدا کرکے ایک آدمی نما چیز نظر آئی۔ بالکل' اسے آدمی نہیں بلکہ آدمی نما ہی کہا جاسکتا تھا' لگتا تھا انگریز بھاگتے ہوئے اسے چھوڑ گئے ہیں۔ شکار پر پہنی جانے والی وردی پہنے ہوئے تھا' سر پر بھی لمبی سی ٹوپی تھی اور عجیب و غریب شے نظر آرہی تھی عمر بھی اچھی خاصی تھی۔ میں اس کی جانب بڑھ گیا اور وہ اس طرح چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے اُلو کو روشنی میں چھوڑ دیا گیا ہو۔ میں

نے اسے غور سے دیکھا اور اس کا منہ بن گیا اس نے عجیب سے احمقانہ انداز میں گردن ہلائی جیسے مجھ سے پوچھ رہا ہوں کیا بات ہے۔

"جناب عالی! یہاں بنگلہ نمبر سات کہاں ہے؟"

"جہاں اسے ہونا چاہئے۔" اس نے میری توقع کے مطابق ہی جواب دیا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسے کہاں ہونا چاہئے۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔ وہ جہاں اسے ہونا چاہئے وہیں ہوگا۔ جاؤ میرا دماغ نہ کھاؤ۔" وہ رخ بدل کر پلٹا تو میں جلدی سے اس کے سامنے آگیا............

"آپ کی کھوپڑی میں دماغ ہے۔ جسے میں کھانے کی کوشش کروں؟" اس نے خوفزدہ انداز میں دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے اور سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کک۔ کیا۔ بکواس کررہے ہو' م............ مجھے ڈرانا چاہتے ہو۔"

"ڈرتے ہو؟" میں نے پھر اسی انداز میں سوال کیا۔

"دیکھو مجھے جانے دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"پیارے بھائی' بنگلہ نمبر سات کے بارے میں بتاؤ............"

"ارے میں کیا بتاؤں۔ کیا کہا تم نے بنگلہ نمبر سات لو بے وقوف آدمی یہی تو ہے تمہارے پیچھے۔ یار مجھے تم کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو............"

"نہیں خیر میں تو پاگل نہیں ہوں لیکن تمہیں ضرور ٹھیک کردوں گا۔"

"جاؤ............ جاؤ دماغ خراب مت کرو میرا۔" میں نے پلٹ کر دیکھا جس بنگلے کی جانب اس نے اشارہ کیا تھا اس پر ایک ٹوٹا پھوٹا سا نمبر کئی حصوں میں لکھا ہوا تھا لیکن وہ نمبر سات ہی تھا' بہرحال میں وہاں سے آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس بنگلے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کال بیل بٹن کی جگہ ایک سوراخ تھا جس میں سے بجلی کے دو تار باہر نکلے ہوئے تھے۔ چنانچہ کال بیل کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا میں نے دھڑکتے دل سے گیٹ پر زور زور سے دستک دی۔ گیٹ پر چڑھی ہوئی مٹی کی تہہ نیچے کھسکتی ہوئی نظر آئی۔ بنگلے کے مکینوں کے بارے میں' میں اندازہ لگانے لگا کہ صاف ستھرے لوگ نہیں ہیں' بنگلے کی ظاہری حالت بھی یہی بتارہی تھی کہ برسوں سے اس کی کوئی مرمت نہیں کروائی گئی۔ عمارت بالکل بوسیدہ تھی' رنگ و روغن کے بغیر۔ ایسی جگہ کیا کسی ملازم کی ضرورت ہوسکتی ہے اگر وہ لوگ اسی قدر غریب ہیں تو ملازم رکھنا کیا ضروری ہے۔ انہیں ملازم کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔ میں نے زور سے دستک

دینے کے لئے قریب پڑا ہوا ایک پتھر کا ٹکڑا اٹھایا اور اسے دروازے پر مار کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ دروازے سے گرد اڑی تھی لیکن پھر اس کا نتیجہ برآمد ہوگیا۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور آخر گیٹ کی ذیلی کھڑکی جو زنگ آلود تھی تیز چرچروچوں کی آواز کے ساتھ کھل گئی۔ سب سے پہلے چہرہ جو مجھے نظر آیا وہی طبیعت خوش کرنے کے لئے کافی تھا۔ کوئی ایک فٹ لمبا چہرہ پھٹی پھٹی آنکھیں جن کی سفیدی آنکھوں کے حلقوں سے باہر ڈھلک رہی تھی' ٹیڑھی ناک' چوڑی بدنما ٹھوڑی جس پر داڑھی کے بال کانٹوں کی طرح اگے ہوئے تھے' میلے غلیظ دانت جو بڑے ہونے کی وجہ سے ہونٹوں سے باہر جھانک رہے تھے۔ غرض ایک خوفناک اور مکروہ شخصیت کا جو تصور ذہن میں آسکتا ہے وہ اس شخص کے چہرے پر نمودار تھا پھر اس کی پھٹی ڈھول جیسی بے سُری آواز نکلی............

"کیا بات ہے............؟"

"وہ جناب اصل میں' میں............"

"اصل میں تم' کیا ہے تمہاری اصل؟" اس نے سوال کیا اور میں نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا' اس لنکا میں سبھی باون گز کے ہیں۔ پھر میں نے کہا............

"میں ایم ڈی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں............"

"کیوں؟"

"انہوں نے مجھے طلب کیا ہے' یہ دیکھو میری درخواست کا جواب۔" میں نے جیب سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے کردیا۔ اس نے کاغذ پر ایک نگاہ ڈالی پھر پیچھے ہٹ کر بولا۔

"مرو۔" میں حیران تھا' بہرحال زندگی میں بہت سے تجربات ابھی نامکمل تھے' اس کی بد دماغی کی طرف توجہ دینے کے لئے فرصت ہی کہاں تھی۔ میں آگے بڑھ گیا اس نے دروازہ بند کیا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"سیدھے چلے جاؤ۔ ایم ڈی صاحب راہداری کے آخری کمرے میں ہوں گے۔"

"شکریہ جناب۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ تمام کمرے بوسیدہ تھے۔ جس کمرے کے بارے میں اس نے بتایا تھا وہی کمرہ کچھ مناسب نظر آرہا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں رکا پھر میں نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا............

"میں اندر آنا چاہتا ہوں جناب............"

"آیئے۔" اندر سے ایک نرم آواز ابھری۔ اس آواز کی نرمی اور شرافت محسوس کرکے دل بڑھ گیا اور میں کمرے میں داخل ہوگیا۔ اندر کا ماحول باہر کے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ کمرہ نہایت صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ فرش پر نرم اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر پرانے طرز کی تصویریں آویزاں تھیں۔ آبنوس کے فرنیچر سے پورا کمرہ سجا ہوا تھا۔ ایک طرف چند آرام دہ کرسیاں پڑیں تھیں انہی میں سے ایک کرسی پر ایک بھاری بھرکم شخص بیٹھا ہوا تھا بہت ہی اعلیٰ قسم کا کڑھائی والا شلوار سوٹ' ناک پر ایک عمدہ سی عینک رکھی ہوئی تھی' سر کے بال درمیان سے صاف تھے' برابر میں ایک خوبصورت سی میز پر ایک کھلی کتاب اوندھی کرکے رکھ دی گئی تھی' کمرے میں چونکہ نیم تاریکی تھی اس لئے اس شخص کے سرہانے ایک میز پر اونچے شیڈ کا پرانا طرز کا لیمپ بھی رکھا ہوا تھا جس کی روشنی نے کمرے کے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ اس شخص نے گہری نگاہوں سے میرے چہرے کا اور پھر بدن کا جائزہ لیا پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"ہوں۔ تو آپ شعبان علی ہیں؟"

"جی۔" میں تھوڑا سا حیران ہوا تھا' اس شخص نے مجھے کیسے پہچان لیا ہو سکتا ہے یہ درخواست کے جواب میں میرا انتظار کر رہا ہو۔

"تشریف رکھئے۔" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں شکریہ ادا کرکے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کچھ پڑھے لکھے ہیں آپ؟"

"جی۔ بہت معمولی سا............"

"شادی شدہ ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"کون کون ہے آپ کے ساتھ؟"

"جی کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ خیر بات یہ ہے شعبان علی صاحب کہ آپ کو یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹے سے قصبے میں ملازمت کے لئے جانا ہوگا۔ میرے عزیز وہیں رہتے

ہیں۔ میں آپ کو صحیح پتہ بتائے دیتا ہوں۔ یہاں سے آپ کو بذریعہ ٹرین تھوڑے ف پر واقع ایک علاقے نعیم پور میں جانا ہوگا۔ نعیم پور میں آپ پنڈت گووند داس کی د شالہ پوچھیں گے اور دھرم شالہ کے پاس تھوڑے فاصلے پر آپ کو ایک پرانی حویلی آئے گی جو میرے عزیز داؤد شیخ کی ہے۔ کیا سمجھے؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا میں نے یہ تو آپ سے پوچھا ہی نہیں کہ آپ اس شہر کو چھو جانا پسند کریں گے یا نہیں' اصل میں' میں نے آپ سے جو سوال کیا تھا تاکہ آپ عزیز و اقارب میں کون کون ہے اس کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ داؤد شیخ اصل میں ہتے کہ براہ راست کسی کو وہاں کے لئے مخاطب کریں۔ مجھے انہوں نے یہ ہدایت تھی کہ میں آنے والے کو تفصیلات بتادوں۔ بہرحال پہلے آپ مجھے بتائیے کہ آپ و جانا پسند کریں گے یا نہیں۔"

"جناب عالی اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک چھوٹا سا خاندان ازراہ کرم اپنے درمیان جگہ دیئے ہوئے ہے لیکن بہرحال میں نعیم پور جانا پسند کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے میں آپ کو بتادوں کہ آپ وہاں بہت خوش رہیں گے۔ ک خاص کام نہیں کرنا ہوگا آپ کو۔ بس اس چھوٹے سے خاندان میں آپ کے لئے بن جائے گی۔"

"جی بہتر۔"

"تنخواہ کے سلسلے میں کوئی خاص نظریہ ہے آپ کا؟"

"جی نہیں۔"

"ویسے میں آپ کو ایک بات بتادوں داؤد صاحب بلکہ شیخ صاحب بہت ہی ش دل آدمی ہیں' لین دین کے سلسلے میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"جی بہت بہتر۔"

"اب آپ یہ رقم میرے پاس سے رکھ لیجئے۔ بعد میں یہ آپ کی تنخواہ ۔ ایڈجسٹ ہوتی رہے گی۔ یہ لیجئے لفافہ آپ کو ملازمت کے لئے منتخب کرلیا گیا ہے۔ لفافہ بند نہیں تھا لیکن اسے کھول کر دیکھنا غیر مناسب بات تھی البتہ اس میں رکھے ہوئے نوٹوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بڑے ہیں اور کافی تعداد میں ہیں۔

"میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کی کوئی خاطر مدارات نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب چاہیں تو جاسکتے ہیں یا کوئی اور سوال؟"

"نہیں کوئی اور سوال نہیں۔"

"آپ کو دو دن کے اندر اندر نعیم پور پہنچ جانا ہوگا۔"

"جی بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور پھر واپسی کے لئے پلٹ گیا۔ بنگلے کے احاطے سے لے کر یہاں تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا اس وقت وہ چوکیدار بھی موجود نہیں تھا' بہرحال عجیب و غریب کیفیت تھی۔ میں ایک خوشی سی محسوس کررہا تھا زندگی میں پہلی بار کوئی ملازمت ملی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات باباصاحب کا خاندان تھا اس چھوٹے سے خاندان کو میں نظرانداز نہیں کروں گا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے لفافہ کھول کر دیکھا ہزار ہزار کے نوٹ تھے اور ان کی تعداد بیس تھی۔ میرے ہاتھ لرزنے لگے کہ ایسا ممکن ہے۔ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے اس دنیا میں۔ کالی چرن یاد آیا اور میرے دل میں خوف کی پرچھائیاں بھر گئیں۔ کیسے اچھے وقت میں کیسی منحوس چیز یاد آئی ہے' ویسے تعجب کی بات تھی کالی چرن نے مجھے معاف کیسے کردیا تھا ایک شیطان روح مجھ پر مہربان کیسے ہوگئی تھی میرا مطلب ہے کہ وہ چاہتا تو مجھے کچھ بھی نقصان پہنچا سکتا تھا' بہرحال میں سفر کرکے گھر واپس پہنچ گیا۔ باباصاحب' اماں جی اور رافعہ بہن مسلسل میری کامیابی کے لئے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ میں نے لفافہ باباصاحب کے قدموں میں رکھ دیا تو وہ چونک کر بولے:

"یہ کیا ہے بیٹے؟"

"آپ کی دعاؤں کا طفیل ہے باباصاحب' مجھے نوکری مل گئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

انسان زندگی میں کبھی کبھی ایسی حیرانیوں سے دوچار ہوتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتیں اور اجنبی لوگ اس طرح محبت کرنے والے بن جاتے ہیں' یہ اس چھوٹے سے خاندان کو دیکھ کر اندازہ ہورہا تھا۔ میں نے ان تینوں کے چہروں پر خوشی کے آثار دیکھے' باباصاحب کے منہ سے نکلا۔

"خداوند عالم تیرا شکر ہے' بات اصل میں یہ نہیں ہے بیٹے کہ تمہاری بیروزگاری سے مجھے کوئی تکلیف ہورہی ہے' میں کرتا ہی کیا ہوں اور تم مجھ پر بار بنے کس طرح ہو' بلکہ صحیح معنوں میں یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میری تو پشت پر ایک مضبوط سہارا آگیا ہے۔ ورنہ میں بے سہارا تھا' مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ تم نوجوان

ہو اور نوجوان جھلا جاتے ہیں ماحول کی بے اعتنائی سے تو برائیوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ خدا کا احسان ہے کہ تمہیں نوکری مل گئی‘ کہاں جانا ہے‘ کہاں نوکری کرنی ہے؟“

”اتفاق سے آپ نے یہ سوال کر ڈالا‘ یہاں سے کچھ فاصلے پر نعیم پور ہے‘ مجھے وہاں جانا ہوگا۔“

”اچھا اچھا گویا اس کا مطلب ہے مگر روزانہ کیسے آؤ گے جاؤ گے۔ حالانکہ نعیم پور تو زیادہ دور نہیں ہے لیکن پھر بھی۔“

”مجھے وہیں رہنا ہوگا۔“

”اوہ اچھا۔“ وہ سب بجھ گئے۔

”لیکن آپ فکر مند کیوں ہوتے ہیں۔ چھٹی ملتے ہی آیا کروں گا‘ اب ذرا وہاں جا کر کچھ دنوں میں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیسی نوکری ہے کیا کرنا ہے مجھے۔ بظاہر تو اچھا ہی لگتا ہے لوگ بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اندازہ یہی ہوتا ہے کہ نوکری اچھی ہی ہوگی‘ لیکن پھر بھی بہرحال آپ لوگوں سے رابطہ تو اب زندگی بھر نہیں ٹوٹے گا میرا ہے ہی کون؟“

وہ لوگ مجھے نوکری ملنے کی خوشیاں مناتے رہے اور اس کے بعد میں گھر سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد میری آنکھوں نے جو کچھ اس گھر میں دیکھا تھا اور جس کی تصویر میں نے اپنے ذہن پر بٹھالی تھی اس کے مطابق میں نے خریداری شروع کر دی۔ رافعہ بیوہ ہوگئی تھی۔ شکر ہے اس کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ بابا صاحب زندگی کا بوجھ جس انداز میں گھسیٹ رہے تھے‘ اماں جو آج تک مجھے صرف ایک ہی جوڑے میں نظر آئی تھیں۔ خوب خریداری کی‘ یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ پہلے کی طرح کہیں بیس ہزار روپے کی یہ رقم بھی غائب نہ ہو جائے جس طرح بینک سے وہ عظیم الشان رقم غائب ہوگئی تھی اور میں کوشش کے باوجود اپنے دستخط نہیں کر پایا تھا یہ جانتا تھا کہ وہ کالی چرن ہی کا کارنامہ ہے لیکن بہرحال اب یہ دیکھنا تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

خاصا سامان خریدا لیکن پھر بھی تین چار ہزار روپے سے زیادہ کا نہیں تھا‘ واپس آنے کے بعد میں نے سامان کا یہ انبار ان سب کے سامنے رکھ دیا تو وہ سب حیرانی سے دیکھنے لگے۔

”یہ کیا ہے بیٹے؟“

”وہ ضرورتیں جو میں نے محسوس کیں اور آئندہ بھی جو ضرورتیں محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں گا ان کی تکمیل کرتا رہوں گا۔ اماں یہ گیارہ ہزار روپے ہیں۔ پانچ ہزار روپے میں اپنے پاس رکھ رہا ہوں‘ بیس ہزار ایڈوانس دیئے تھے انہوں نے۔ آپ کو اگر مجھ سے محبت ہے اور آپ مجھے بیٹا کہتی ہیں تو میں آپ کو آپ کے اس بیٹے کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ ان پیسوں میں سے ایک پائی محفوظ کرنے کی کوشش نہ کیجئے بلکہ جو جو ضرورتیں میرے علم میں نہیں ہیں انہیں پورا کر لیجئے اس قسم کے بعد میرا خیال ہے آپ کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔“ اماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے انہوں نے واقعی کچھ گنجائش محسوس نہیں کی اور خاموشی سے وہ رقم لے کر اپنے پاس رکھ لی‘ میں نے تیاریاں کیں اور پھر دوسرے دن تمام تر دعاؤں کے ساتھ میں ٹرین میں جا کر بیٹھا اور ٹرین چل پڑی۔ اب میرے ذہن میں شیخ صاحب تھے جن کے گھر مجھے بھیجا جا رہا تھا‘ میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے مجھے وہاں کیا کرنا ہوگا۔

ویسے اپنے لئے اس معاشرے میں کوئی مقام بنانے کا بہترین موقع حاصل ہوا تھا اب میں بستی علی جاہ کا وہ بیوقوف نوجوان نہیں رہا تھا جو اس لئے اذان دینے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا کہ روٹیاں آنا شروع ہو جائیں‘ دین دھرم اور دوسری باتوں کو میں نے بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا‘ لیکن وقت نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ زندگی صرف اپنے آپ میں گزارنے کا نام نہیں ہے بہت کچھ کرنا ہوتا ہے اس دنیا میں جینے کے لئے۔

خیالات کے ہجوم میں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہو سکا‘ ٹرین کئی بار مختلف اسٹیشنوں پر رکی اور آخر کار نعیم پور کا چھوٹا سا اسٹیشن آگیا۔ پلیٹ فارم پر بورڈ لگا ہوا تھا‘ میں جلدی سے اپنے سامان کا تھیلا لے کر نیچے اتر گیا‘ میرے ساتھ ہی دو تین آدمی اور بھی نیچے اترے تھے‘ پلیٹ فارم سے باہر نکلا تو دو تین تانگے کھڑے ہوئے نظر آئے ان کے گھوڑے مریل اور تانگے ٹوٹے پھوٹے سے تھے۔ تانگے والے بھوکی نظروں سے پلیٹ فارم سے نکلنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک تانگے والے کو اشارہ کیا اور اس نے تانگے سے اتر کر میری طرف دوڑ لگا دی۔ پھر آتے ہی میرے ہاتھ سے سامان کا وہ تھیلا چھین لیا جیسے ڈاکہ زنی کی جا رہی ہو۔ یہ ساری چیزیں قبضے میں کرنے کے بعد اس نے کہا۔

”کہاں جائیں گے بابو صاحب؟“

”گووند داس کی دھرم شالہ جانا ہے۔“ میں نے جواب دیا اور تانگے والے نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا پھر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آیئے بابو جی۔" اس کے تانگے پر بیٹھنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"کتنے پیسے لوگے بھائی؟"

"جو دل چاہیں دے دیں بابو جی۔" تانگے والے نے گھوڑے کو آگے بڑھا ہوئے کہا اور تانگہ چل پڑا۔ بہرحال یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا' لیکن میں تانگے وا غیر معمولی طور پر خاموش محسوس کر رہا تھا۔ دھرم شالہ اسٹیشن سے خاصی دور گھوڑا بھی سست رفتار تھا یہاں تک پہنچتے پہنچتے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ ویسے یہ د شالہ نعیم پور کی آبادی کے آخری مکان سے بھی کم از کم کوئی دو میل دور تھی۔ ا نے دور ہی تانگہ روکتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے دھرم شالہ ہے بابو جی۔"

"چلو بھئی اس کے قریب چلو' یہاں کیوں رک گئے؟" میں نے تانگے والے کہا۔

"بابو جی' جناور آگے نہیں بڑھے گا۔ اڑ گیا ہے' آپ یہیں اتر جائیں تو آپ مہربانی ہوگی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آگے نہیں جائیں گے بابو صاحب۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے' با میری سمجھ میں نہیں آئی تھی' لیکن بہرحال میں نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکا کر آگے بڑھا دیا اور اپنا تھیلا لے کر آگے بڑھ گیا۔

میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ تانگے والے نے یہ بیکار سی بیوقوفی کی بات کیوں تھی' بہرحال تھوڑی دیر کے بعد میں دھرم شالہ کے قریب پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا دھرم شالہ میں کوئی موجود ہوگا' لیکن دھرم شالہ خالی پڑی ہوئی تھی۔

پکی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی یہ عمارت بہت ہی بدرونق اور بھیانک نظر آر تھی۔ بڑا سا چبوترہ سامنے بنا ہوا تھا جس کے اوپر پیپل کا ایک درخت پھیلا ہوا تھا پیپل کے سوکھے پتے پورے صحن میں بکھرے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں مجھے اس رونق عمارت سے خوف کا ہلکا سا احساس ہوا اور میں نے اپنے خوف کو دور کرنے لئے زور سے آواز دی۔

"کوئی ہے؟" میری آواز کی بازگشت دیر تک گونجتی رہی۔ پھر دھرم شالہ کا بڑا دروازہ کھلا اور ایک عجیب و غریب شکل نظر آئی' گھٹا ہوا سر' مونچھیں' بھویں' داڑھ

کچھ بھی نہیں تھا اس کے علاوہ پورا بدن' بے بال کا یہ آدمی کسی مٹکے کی مانند تھا۔ اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھورا اور بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"داؤد شیخ کی حویلی یہاں سے کس طرف ہے؟" میں نے پوچھا اور اس نے نفرت سے میری صورت دیکھی۔ پھر زور سے زمین پر تھوک کر انگوٹھے سے پیچھے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"پیچھے جا کر مرو پیچھے' ادھر کیوں آگئے؟" یہ کہہ کر وہ مڑا اور اندر داخل ہوگیا۔

"عجیب بدتمیز لوگ ہیں۔" میں نے دل میں سوچا اور دھرم شالہ کے پیچھے کی جانب چل پڑا' دھرم شالہ کے عقبی حصے میں ایک پگڈنڈی صاف نظر آرہی تھی اور پگڈنڈی کے اختتام پر وہ سیاہ رنگ کی حویلی نمایاں تھی۔ اگر میں دھرم شالہ کے پیچھے کی سمت چلا جاتا تو اس حویلی کے بارے میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور وہ نظر آجاتی۔ پگڈنڈی کے دونوں سمت سرسوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ان پر کھلے ہوئے پیلے پیلے پھول بہت حسین لگ رہے تھے۔ میں نے زور سے گردن جھٹکی اور سارے خدشات نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اب حویلی چند گز دور تھی' میں نے رک کر ناقدانہ نگاہوں سے اپنا جائزہ لیا۔ ٹھیک ٹھاک حلیے میں تھا۔ اپنے آپ سے مطمئن ہو کر آخر میں حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ میں نے ہمت کر کے آگے قدم بڑھائے۔ باہر سے یہ حویلی پرانی اور بدرونق نظر آتی تھی لیکن اندر سے کافی صاف ستھری اور شاندار تھی گیٹ سے لے کر اندرونی صدر گیٹ تک مہندی کی باڑھ چلی گئی تھی جسے بڑی نفاست سے تراش دیا گیا تھا' میں باڑھ کے درمیان چلتا ہوا صدر گیٹ کی طرف جانے لگا۔ پھر اس وقت میں باڑھ کے اختتام تک پہنچا ہی تھا کہ کوئی اچھل کر میرے سامنے آیا ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک زوردار آواز نکلی۔

"ہاؤ.........." اور میں سچ مچ اچھل پڑا۔ اس ویران اور پُراسرار ماحول میں یہ آواز مجھے بے حد خوفناک لگی تھی لیکن پھر کانوں میں شہد گھل گیا' ایک مترنم قہقہہ گونج اٹھا تھا۔

"ڈر گئے نا۔" وہ بے تحاشہ ہنستی ہوئی بولی اور میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اس پُراسرار ماحول میں اس خوبصورت لڑکی کی موجودگی میرے لئے سخت حیرت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باعث تھی۔ اس کے سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے' گھٹنوں سے اونچے اسکرٹ اس کا حسین اور سڈول جسم بے حد دلکش نظر آرہا تھا۔ خدوخال اور نقوش دل لینے والے تھے۔ چہرے پر معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ ہنسنے سے اس کے گالوں گڑھے پڑ جاتے تھے جو اس کی دلکشی میں اور اضافہ کر رہے تھے۔ بے تحاشہ ہنسنے اس کا چہرہ اور سرخ ہوگیا تھا' میں نے تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اس دونوں ہاتھوں سے اپنے بال سمیٹے اور ہنسی روک کر بولی۔

"بدھو معلوم ہوتے ہو پورے پورے بدھو' مجھ سے ڈر گئے۔"

"جی............ میں ایک مکمل بدھو ہوں۔ ویسے آپ کون ہیں خاتون؟"

"خخ............ خاتون............" وہ حیرت سے بولی۔ "میرا نام خاتون نہیں۔ جناب روفی ہے روفی۔ ویسے آپ کا کیا نام ہے؟"

"شعبان۔"

"خوب............ کیسے آنا ہوا؟"

"مجھے ایم ڈی صاحب نے بھیجا ہے اور میں داؤد شیخ صاحب سے ملنا چا ہوں۔"

"ایم ڈی نے بھیجا ہے اور شیخ صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے گردا ہلائی اور پھر ہنس پڑی۔ کافی دیر تک ہنستی رہی۔ میں الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ ر تھا لیکن بہرحال اس کے ساتھ ساتھ ہی میری اپنی فطرت بھی ابھرتی آرہی تھی' حسیر چہرے اور حسین وجود مجھے ایک دم متاثر کر دیا کرتے تھے اور میرے دل میر آرزوئیں مچلنے لگتی تھیں۔ بہرحال میں نے کہا۔

"اگر تکلیف نہ ہو مس روفی تو براہ کرم مجھے شیخ صاحب کے پاس لے چلیں۔"

"آیئے آیئے............" اس نے بے تکلفی سے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور گھسیٹنے والے انداز میں لے کر چل پڑی۔ میں کچھ جھجک سی محسوس کر رہا تھا او سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کی بے تکلفی کہیں میری ملازمت کے لئے خطرہ نہ بن جائے لیکن مجھے یہ بھی نہیں پتہ چل سکا تھا کہ وہ ہے کون اور اس کی اصل شخصیت کیا ہے۔ بہرحال میں آگے بڑھتا رہا اور وہ گیٹ کے اندر داخل ہو کر ایک کوریڈور میں چلتی رہی۔ پھر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی اس نے بے تکلفی سے دروازہ کھولا اور ہنستی ہوئی بولی۔

"لیجئے جناب ڈیڈی صاحب اپنے مہمان کو وصول کیجئے اور رسید دے دیجئے مجھے۔ انہیں ایم ڈی صاحب نے بھیجا ہے اور یہ داؤد شیخ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں چونکہ روشنی سے اس تاریک کمرے میں آیا تھا اس لئے ایک لمحے کے لئے اپنی آنکھوں میں اندھیرا محسوس کرتا رہا اور جب دیکھنے کے قابل ہوا تو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ خود ایم ڈی تھا وہی شخص جو مجھے یہاں بھیجنے کا باعث بنا تھا' وہ بھی مسکرا رہا تھا' پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ............ ویری گڈ............ ویری گڈ............ نگران محترمہ کے ہاتھ کیسے لگ گئے تم شعبان؟"

میں پریشانی سے اسے دیکھتا رہا' پھر ایک قدم آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"سر آپ۔"

"ہاں............ بیٹھو............" اس نے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں اپنا تھیلا رکھ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی کی ہنسی اب میری سمجھ میں آرہی تھی' وہ اب بھی ایک دیوار سے لگی ہوئی ہنس رہی تھی۔

"تم جاؤ بے بی' میں ذرا ان سے بات کروں گا۔"

"جی نہیں جناب میں خود بھی یہیں بیٹھوں گی۔" لڑکی نے ضدی لہجے میں کہا اور داؤد شیخ ہنسنے لگا پھر بولا "بیٹھ جاؤ بابا بیٹھ جاؤ۔ تم بھی بیٹھو شعبان۔" بہرحال میں اس کی ہدایت پر بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی بیٹھ گئی تھی۔

"اصل میں' میں نے ایک اشتہار دیا تھا روفی بیٹی' اور شعبان صاحب اس اشتہار کے جواب میں میرے پاس آئے تھے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ ایک اچھے آدمی ہیں' دیکھنے میں تو اچھے ہوئے اور تمہارا تعارف بھی خوب ہوا۔ تم جانتی ہو میں تمہاری تنہائی دور کرنے کے لئے مسلسل کوشش کر رہا تھا اور اب مجھے میری پسند کا ایک شخص ملا ہے۔"

"اوہ ڈیڈی۔ آپ گریٹ ہیں' ڈیڈی زندہ باد۔" لڑکی نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"یہ بتاؤ شعبان صاحب کے ساتھ تمہارا وقت کیسا گزرے گا؟"

"ڈیڈی بہت ہی اچھا گزرے گا۔ اصل میں مجھے وہ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو

ہاؤ کہنے سے ڈر جائیں۔ ویسے ان کا نام بھی اچھا ہے' آپ یہ بتایئے آپ کو اسنوکر آتا ہے۔"

"اوہو تم ایک ایکسپرٹ پلیئر ہو تم انہیں سکھا دینا۔" میرے بجائے داؤد شیخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے اوکے میں سکھا دوں گی۔"

"مسٹر شعبان! یہاں اور کوئی کام نہیں ہے تمہارے لئے' آرام سے زندگی گزارو' کوئی تکلیف ہو تو بتا دینا۔ جب تم سے کوئی کام ہو گا تو تمہیں اطلاع دے دوں گا۔ گھر کے دوسرے افراد سے بھی تمہاری ملاقات کرادی جائے گی اب تم روفی کے ساتھ جاؤ اور روفی! تم انہیں ان کا کمرہ دکھا دو۔"

"اور آپ جو باتیں ان سے کرنے والے تھے ڈیڈی وہ............"

"نہیں بس انہیں یہی بتانا تھا کہ روفی صاحبہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے انہیں کام کرنا ہو گا' ٹھیک ہے ڈیئر اب تم جاؤ۔" شیخ صاحب نے کہا اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا' میں نے آگے بڑھ کر اپنا تھیلا اٹھایا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ وہ بالکل بچوں کی طرح اچھلتی ہوئی جا رہی تھی' حالانکہ اس کی عمر انیس بیس سال سے کسی طرح کم نہیں ہو گی لیکن اس کی حرکات میں بالکل معصومیت تھی۔ بہرحال ہم آگے بڑھ گئے۔ پوری حویلی آرائشی سامان سے آراستہ تھی۔ میرے لئے جس کمرے کا بندوبست کیا گیا تھا وہ بھی قیمتی فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔ میں نے تو کبھی خوابوں میں بھی ایسا کمرہ نہیں دیکھا تھا' مسجد کا حجرہ اور اس کے بعد سے آج تک کی زندگی کسی ایسی عالی شان جگہ اپنے قیام کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بہرحال میں اس کمرے میں مقیم ہو گیا' روفی ابھی تک میرے کمرے میں تھی اور مجھے حویلی کے نقشے سے آگاہ کر رہی تھی' بولی۔

"اور میں اچھی طرح جانتی ہوں ڈیڈی کو آپ سے اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اصل میں' میں تنہائی سے گھبراتی تھی اس لئے انہوں نے آپ کو صرف میرے لئے رکھا ہے' بہرحال جب تک انہیں آپ سے کوئی کام نہ ہو آپ میرے ساتھ رہیں گے' میں وعدہ کرتی ہوں آپ کو کبھی بور نہیں کروں گی۔ بس آپ کو میرے ساتھ اسنوکر کھیلنا ہو گا۔ میں آپ کو کھیل کے اوقات سے بہت جلد مطلع کر دوں گی اب میں چلتی ہوں آپ آرام کریں۔" وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے سے نکل گئی اور میں دروازے کو تکتا رہا' میرے ذہن میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں' بڑی عجیب بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی' ایک باپ نے ایک نوجوان لڑکی کے لئے ایک نوجوان لڑکے کا انتخاب کیا تھا۔ بہت سی الٹی سیدھی کہانیاں میرے ذہن میں آنے لگیں' لیکن پھر میں نے اپنی کھوپڑی پر خود ہی ایک زوردار دھپ رسید کی اور اپنے آپ کو سمجھایا اور کہا کہ شعبان ہوش میں آؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے ہوشی تمہارے لئے ایک بار پھر مصیبت مہیا کر دے۔

میں نے تھیلے سے اپنا لباس نکالا اور پھر ایک دوسرا لباس پہن کر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ قصبے سے دور اس پُراسرار حویلی کے ماحول نے مجھے ایک عجیب سی کیفیت کا شکار کر دیا تھا' سُونا سُونا ماحول بہت دلکش تھا یہاں بے حد سکون تھا۔ حویلی میں شاید بہت ہی کم لوگ رہتے تھے اور خاص طور سے بچے نہیں تھے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی بلکہ ابھی تک تو میں نے ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ روفی کی شخصیت بڑی پُرسحر تھی۔ وہ بے حد معصوم اور الہڑ تھی۔ اپنے آپ کو بالکل بھولے ہوئے۔ تعجب کی بات تھی کہ مجھے اس کا دل بہلانے کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔

بہرحال میں سوچتا رہا اور پھر میرے ذہن میں بے چارہ حمدو آ گیا۔ جدا ہو ہی گیا تھا وہ مجھ سے' ظاہر ہے میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا نہ ناتہ اور یہ بھی ایک سچ ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ تجربے کار اور زندگی کی اونچ نیچ سے واقف تھا۔ کہیں بھی اپنا ٹھکانہ بنا لے گا' لیکن بہرحال اس کے ساتھ جتنا وقت گزرا تھا اچھا ہی گزرا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور میرے لئے شام کی چائے آ گئی۔ ایک ملازمہ تھی جو خود بھی نوجوان تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں چائے کے برتنوں کے ساتھ ساتھ دوسری بہت سی اشیاء بھی سجی ہوئی تھیں۔

ملازمہ چائے رکھ کر خاموشی سے چلی گئی اور میں سنبھل گیا یہ میرے ساتھ ملازمانہ برتاؤ کا پہلا مظاہرہ تھا مجھے اپنے ساتھ چائے میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔ بہرحال میرے نزدیک اچھی بات تھی۔ ماحول نے مجھے بھٹکا دیا تھا لیکن اس چائے نے میرے حواس درست کر دیئے مجھے احساس ہو گیا کہ مجھے کھال میں ہی رہنا چاہئے۔ مالکان اگر اچھی طبیعت کے مالک ہوں تو ملازمین کو سر پر نہیں سوار ہو جانا چاہئے بلکہ انہیں تھوڑا سا اپنے آپ میں رہنا چاہئے۔ روفی کی بے تکلفی اور التفات سے بھی مجھے کوئی غلط نتیجہ نہیں اخذ کرنا چاہئے اور اس سے مالک کی لڑکی کے تصور کے ساتھ ہی ملنا چاہئے۔ سچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات تھی کہ میرے دل میں اسے دیکھ کر نہ جانے کیسے کیسے خیالات پیدا ہو گئے تھے گلنار کا تجربہ بے شک خطرناک تھا لیکن وہ صورت حال دوسری تھی۔ وہاں تو ایک رقیب سے واسطہ پڑ گیا تھا اور رقیب بھی کوئی معمولی شخصیت نہیں' ارے باپ رے جب بھی گلنار کا تصور ذہن میں آتا میرے ہوش و حواس خراب ہونے لگتے تھے۔ گلنا کا مسئلہ اس طرح نہ الجھ جاتا اور میں وہاں سے اس طرح نہ فرار ہو جاتا تو گلنار کا عاشق مار مار کر میرا حلیہ بگاڑ دیتا۔ وہ تو تقدیر نے بچا دیا تھا۔ شام کو چھ بجے روفی بڑ بے تکلفی سے میرے کمرے میں گھس آئی۔

"ارے شعبان صاحب آپ اپنے کمرے میں انڈے دے رہے ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ کیا یہ وقت کمرے میں گھس کر بیٹھنے کا ہے۔" میں نے غور سے روفی کو دیکھا اور میرا دل لرز کر رہ گیا۔ ایک چست لباس میں ملبوس اس قدر حسین نظر آ رہی تھی کہ انسان ایک بار دیکھے تو اس پر سے نگاہیں نہ ہٹیں۔ اس کے دلکش نشیب و فراز اس کے گھنے سیاہ بال' سرخ و سفید رنگ' اس کی دلکش آنکھیں اس قدر حسین لگ رہی تھیں کہ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا لیکن اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں ابھرا۔

"اٹھئے نا یہاں سے میں آپ کو سنوکر کھیلنا سکھاؤں گی۔"

"جی جی............ جی۔" میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ اس وقت گلنار کا تصور بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ روفی میرے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور میں اس کے چلنے کے انداز کو دیکھتا رہا۔ میرا سینہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لوں لیکن اس کا نتیجہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ ایسے کام اس طرح نہیں ہوتے بلکہ اس حد تک پہنچنے کے لئے ایک وقت درکار ہوتا ہے اور پھر تقدیر بھی ساتھ دے۔ ایک بار پھر مجھے اس چائے کا خیال آیا جو مجھے میرے کمرے میں بھجوا دی گئی تھی۔ مالک اور ملازم کا فرق ہمیشہ سامنے رکھنا تھا۔ چنانچہ دل مسوس کر خاموش ہو گیا۔ روفی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا وہ مجھے کوٹھی کے کافی دور کے حصے میں لے گئی۔ اب مجھے کئی ملازم اور دوسرے لوگ بھی نظر آئے تھے سب کے سب بالکل خاموشی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ جہاں اسنوکر ٹیبل پڑی ہوئی تھی وہ جگہ کافی کشادہ تھی۔ اسنوکر ٹیبل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی لیکن کھیل کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا جبکہ میری استاد کافی ماہر تھی۔ اس نے مجھے اسنوکر

کھیلنا سکھایا اور جب میں اسٹک سے بال ہٹ کرنے لگا تو وہ قہقہے لگاتی رہی۔

"اب میں نہیں جانتا تو میں کیا کروں۔" میں نے کہا۔

"میں سکھاتی ہوں نا۔" کافی دیر تک وہ مجھے سکھاتی رہی اور شاید زندگی میں پہلی بار مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ میں ایک ذہین نوجوان ہوں۔ اگر اپنی ذہانت کو صحیح طور پر استعمال کروں تو ممکن ہے کہ کوئی کام کی بات ہی بن جائے۔ میں نے تھوڑی دیر میں اچھی طرح اسنوکر کو سیکھ لیا اور پھر وہ بولی۔

"ارے ویری گڈ۔ اتنی دیر سے آپ مجھے بیوقوف بنا رہے تھے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اتنا اچھا کھیلنے لگے آپ اتنی دیر میں کوئی اتنا ماہر نہیں ہو سکتا۔"

"کیا واقعی؟"

"بس بیوقوف بنا رہے ہیں آپ مجھے۔"

"نہیں نہیں' ایسی ہمت بھلا میں کر سکتا ہوں۔" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ کھیل میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کوئی دو گھنٹے تک وہ میرے ساتھ کھیلتی رہی اور پھر خود ہی اکتا گئی۔ میرے اوپر تو اس کی قربت کا ہی سحر تھا چنانچہ تھکن وغیرہ کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا بس وہ میرے ساتھ تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت میں دنیا کا سب سے بڑا آدمی ہوں۔ آخر کار اس نے کہا۔

"اب چلو نکلتے ہیں یہاں سے۔"

"جی جی............" میں نے گردن ہلا کر کہا اور ہم بلیئرڈ روم سے باہر نکل آئے۔ اس نے باہر نکلنے کے بعد کہا۔

"آپ یقین کریں مسٹر شعبان کہ بہت عرصے کے بعد میری طبیعت میں اس قدر خوشی پیدا ہوئی ہے۔ آپ ویسے بھی بہت اچھے انسان ہیں۔ بڑا لطف آیا۔ دراصل ڈیڈی نے میرے لئے بڑی کمال کی شخصیت کا انتخاب کیا ہے۔ آپ یقین کریں ساری رات اس خیال کے تحت نیند نہیں آئے گی کہ کل پھر آپ سے ملاقات ہوگی۔" اس کے یہ الفاظ میرے لئے بڑی ہمت دلانے والے تھے۔ بہرحال وہ مجھے میرے کمرے تک چھوڑنے آئی اور پھر وہاں سے چلی گئی لیکن میرے سر میں چکر آ رہے تھے۔ ایک اتنی خوبصورت نوجوان لڑکی اور اسے اس طرح میرے ساتھ آزادی دے دی گئی تھی۔ یہ میرے لئے ایک اجنبی بات تھی۔ ہماری بستی میں تو کبھی اس طرح نہیں ہو سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ہر طرح کا خیال رکھا جاتا تھا۔ خاص طور سے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی قربت بہت بری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے کے قریب کھانا آگیا۔ یہ کھ بھی انتہائی پُر تکلف تھا اور بہت ہی لذیذ پکا ہوا تھا لیکن میں نے تنہائی پھر بھی محسوس اور پھر دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ بھائی یہاں ملازمت کرنے آئے ہو۔ مہمان نہیں آئے ہو۔

پھر دوسرا دن، تیسرا دن اور چوتھا دن بھی اسی طرح گزرا۔ وہ میرے پاس آجا تھی اور میرے ساتھ پورا دن گزارتی تھی۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے لئے اس سے جدائی ہوجاتی تھی۔ کبھی نہ اس نے میرے ساتھ چائے پی تھی اور نہ کھانا کھایا اور کوئی قربت کی تھی لیکن اندازہ یہ ہوتا تھا کہ جیسے وہ مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہو۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے محبت کے جذبات بھی نظر آتے تھے کچھ دنوں کے لئے سچی بات ہے کہ اپنے آپ کو ہی بھول گیا۔ بے شک یہ ملازمت تھی لیکن ایسی ملازمت میں اب یہاں کی زندگی کا عادی ہوتا جارہا تھا لیکن مجھے شدید حیرت تھی۔ ان لوگوں نے یہاں ایک ملازم رکھا تھا لیکن معلوم یہ ہوتا تھا کہ مجھے واقعی صرف روفی کا دل بہلانے کے لئے یہاں بلایا گیا ہو۔ اس دوران شیخ صاحب سے میری دو تین بار ہی ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے کوئی کام نہیں دیا تھا جبکہ میں سیکرٹری ان ہی کا تھا۔ بہرحال جب مالکان کی یہی مرضی تھی یہی خوشی تھی تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ویسے ماحول کا عادی ہوجانے کے باوجود یہاں کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ یہ لوگ نہ کسی سے ملنے جاتے تھے اور نہ کوئی یہاں آتا تھا، لیکن بعض اوقات جب میں اپنے کمرے میں ہوتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ پوری کوٹھی میں کسی انسان کا وجود نہ ہو۔ کئی بار میں اس کا تجربہ بھی کرچکا تھا اس وقت جب مجھے خاموشی محسوس ہوتی تو میں کوٹھی کا چکر لگاتا تھا اور درحقیقت پوری کوٹھی میں مجھے ایک فرد بھی نظر نہیں آتا تھا۔ آخر کار میں تھک ہار کر تنگ آکر ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگتا تھا۔ پھر شام کو روفی میرے کمرے میں آگئی اور میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ لوگ کہیں چلے گئے تھے۔"

"اپنے اپنے کمروں میں ہوں گے کیوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"لیکن مجھے تو کوئی نہیں ملا۔"

"کیا تم نے تلاش کیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔" اور ایک لمحے کے لئے روفی کے چہرے پر عجیب سی کیفیت نظر آئی۔ پھر اس نے خود کو سنبھال کر کہا کہ آج وہ مجھ سے زبردست مقابلہ کرے گی میں نے بھی زیادہ چھان بین مناسب نہیں سمجھی تھی لیکن نہ جانے کیوں اس کے بدلے ہوئے رنگ سے میرے ذہن میں ایک چبھن سی پیدا ہوگئی تھی۔ بہرحال اسنوکر میں روفی کا ذرا بھی مقابلہ نہیں کرسکا اور روفی نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں، خیریت ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟"

"نہیں۔ ٹھیک ہوں بس یونہی ذہن بوجھل سا ہوگیا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ نہیں کھیلتے کل کھیلیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ روفی! واقعی طبیعت پر کچھ بوجھ محسوس کررہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیسا بوجھ؟"

"بس ایسے ہی۔" میں نے کہا اور روفی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"میں تمہارے لئے کیا کرسکتی ہوں مجھے بتاؤ۔"

"شکریہ روفی۔ تمہاری یہ ہمدردی ہی میرے لئے کافی ہے۔" یہ حقیقت تھی بہرحال وہ میرے آقا تھے اور میں ملازم۔ وہ جس ہمدردی سے میرے ساتھ پیش آرہے تھے میں اس کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا تھا۔ روفی کافی دیر تک بیٹھی مجھ سے باتیں کرتی رہی تھی۔ آج میں نے اس کے انداز میں، ایک خاص بات دیکھی تھی۔ عام حالت میں وہ ایک لاابالی بے فکر سی لڑکی تھی ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُسے اپنے قیامت خیز حسن اور حسین جسم کی حشر سامانیوں کا ذرا بھی احساس نہ ہو۔ وہ بے باکی سے اپنے جسم کے پوشیدہ حصے میرے سامنے عریاں کردیتی تھی اور ایسے موقعوں پر میں لاکھ اس کی جانب محبت کی نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود نگاہیں جھکا لیتا تھا۔ اتنا اندازہ اب مجھے ہوتا جارہا تھا کہ وہ فطرتاً معصوم ہے لیکن آج میں نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت انگڑائی لیتے دیکھی تھی۔

"شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے شعبان! اب میں تمہارے اتنے قریب آگئی ہوں کہ تمہاری کسی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ میں..........." اس نے گردن جھکالی اور میرا دل دھک سے ہوگیا۔ اس کے دل میں میرے لئے پسندیدگی کے جذبات تھے۔ بحیثیت لڑکی میں نے اسے بغور دیکھا

تھا اور دل کے گوشوں میں اس کے حسن کے نقوش محفوظ کر لئے تھے لیکن اس سے آگے بڑھنے کے لمحات میں، میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محتاط کر لیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا دل چاہتا تھا اور بعض اوقات میں شدت جوش سے دیوانہ ہو جاتا تھا لیکن خود کو سنبھال لینا ہی بہتر تھا۔ اصولی طور پر مجھے صرف ملازمت کرنی چاہئے۔ اس سے آگے میری حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر شیخ صاحب کو اس کا ذرہ برابر شبہ بھی ہو گیا کہ میں نے ان کی دی ہوئی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تو اس کوٹھی میں بہت سی ایسی جگہیں تھیں جہاں آسانی سے میری قبر بنائی جا سکتی تھی چنانچہ روفی کے ان الفاظ میں کھو جانے کے بجائے میں نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

"میں محسوس کرتا ہوں مس روفی آپ بے حد مہربان اور صاف دل خاتون ہیں۔ آپ یقین کریں میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں۔" روفی نے ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو صرف عزت اور میں ان نظروں کے جواب میں آنکھیں جھکا لینے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔ وہ اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل گئی لیکن یہ رات میرے لئے ایک بے سکون رات تھی۔ روفی نے آج کچھ عجیب سے انداز میں گفتگو کی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے اس کے اندر عورت جاگ گئی ہو اور میرے دل میں بھی گدگداہٹیں پیدا ہو رہی تھیں۔ میری شدید آرزو تھی کہ میں اسے حاصل کر لوں۔ اس کی قربت میری زندگی کا اس وقت سب سے بڑا مقصد بن چکی تھی لیکن مستقبل کا خوف بھی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میری زندگی میں ایسی چیزوں کی بالکل گنجائش نہیں تھی لیکن فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ روفی کے الفاظ میرے ذہن میں شدید ہیجان پیدا کر رہے تھے اور میرا دل چیخ چیخ کر اپنا حق طلب کر رہا تھا وہ رات سخت کشمکش میں گزری لیکن دوسری صبح مجھے کافی سکون ہو گیا تھا۔ اسی روز میری ملاقات شیخ صاحب سے ہوئی اور وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور میں شکریہ ادا کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم بھی سوچتے ہو گے کہ یہ کیسی ملازمت ہے نہ کام نہ کاج۔ میرا خیال ہے میں اس سلسلے میں تھوڑی سی وضاحت کر دوں۔" میں سنجیدہ نگاہوں سے شیخ صاحب کو دیکھنے لگا میرے دل کے گوشوں میں یہ تصور ابھرا تھا کہ کہیں شیخ صاحب کو شبہ نہ ہو گیا ہو۔ بہرحال میری آنکھوں میں خوف سا ابھر آیا تھا۔

"گھر کے ماحول پر جمود سا طاری ہو گیا ہے۔ دوسرے تمام لوگ تو اپنے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاموں میں مصروف ہیں لیکن روفی نوجوان ہے اس کے ذہن میں ابھی بچپن ہے میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں چنانچہ صحیح معنوں میں، میں نے تمہیں اس کے لئے رکھا ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ تم نے میری توقعات پوری کر دی ہیں۔ میں پچھلے کچھ دنوں سے روفی کو خوش دیکھ رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح خوش رہے اور یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔ ویسے اس کی سفارش پر تمہاری تنخواہ بھی ڈبل کر دی گئی ہے۔ اب تم اپنی تنخواہ دوگنی وصول کرو گے۔" میرا خوف مسرت میں تبدیل ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خلش سی ابھر آئی تھی۔ روفی نے کل جس خیال کا اظہار کیا تھا اگر میں اس کی پذیرائی کروں تو غداری کا مرتکب قرار پاؤں گا۔ اس سلسلے میں شیخ صاحب سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس میں میرے دو نقصانات تھے۔ پہلا نقصان تو یہ کہ شیخ صاحب فوراً مجھے اس ملازمت سے نکال دیتے اور پھر روفی کی سفارش بھی کام نہ آتی۔ مجھے تو صرف اپنی ملازمت بچانی تھی کیونکہ اس سے بہت سے کام لینے تھے مجھے۔ چنانچہ خاموشی ہی مناسب سمجھی اور شیخ صاحب نے کہا۔

"اور اس کے علاوہ تمہیں کوئی تکلیف ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں جناب! میں بے حد شکر گزار ہوں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ بس میں نے یہی سوچا تھا کہ تم سے یہ بات کروں۔" شیخ صاحب نے کہا اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اس شام روفی میرے پاس نہیں آئی تھی ورنہ وہ روزانہ مجھے بلانے آ جاتی تھی۔ میں بے چینی سے اس کا انتظار کرتا رہا اور جب شام بڑھ گئی تو میں خود اس کی جانب چل پڑا۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی اور میں اسے تلاش کرتا ہوا سنوکر کیبن میں داخل ہو گیا۔ وہ وہاں موجود تھی اور ٹیبل سے ٹکی ہوئی خلا میں گھور رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ چونک پڑی اس کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار تھے۔

"مس روفی۔" میں نے اسے آواز دی اور وہ میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"آپ ناراض ہیں؟" میں نے پوچھا اور وہ ایک دم سنبھل گئی۔

"ہاں۔"

"میں آپ سے معافی چاہتا ہوں مس روفی۔"

"کس بات کی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری جس بات سے آپ ناراض ہوئی ہیں۔"

"بلکہ.......... بلکہ میں تو سوچ رہی تھی کہ.......... کہ.........." خاموش ہو گئی۔

"جی بتایئے۔"

"اصل میں' میں اپنی شکست پر شرمندہ ہوں۔"

"شکست؟"

"ہاں۔"

"میں اب بھی وضاحت سے محروم ہوں۔"

"اصل میں میرا خیال تھا کہ میں آپ کے دل میں جگہ پانے میں کامیاب ہو جاؤں گی لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ معلوم کئے بغیر آپ کو اپنے دل کے اندر ہونے والی کیفیت سے کیوں آگاہ کیا۔" میں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا اور کہا۔

"مس رونی آپ شاید میری بات پر یقین نہ کریں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں دل سے آپ لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ آپ جیسے اچھے لوگ اور خاص طور سے مس رونی آپ' لیکن میں کیا کروں۔ آپ کو خود میری حیثیت کا اندازہ ہے میں ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ آپ کے ہاں نوکری کرنے آیا ہوں۔ یہ نوکری مجھے عزیز ہے۔ آپ لوگوں کی اچھائی اور پھر ایک معقول تنخواہ' میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا ہے رونی! مجھے آپ لوگوں کی خوشگوار چھاؤں ملی ہے۔ میں اس سائے سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ' میرا مطلب ہے میں یہاں رہوں۔ شیخ صاحب کو اگر میری کسی لغزش کے بارے میں علم ہو گیا تو آپ کا کیا خیال ہے میں یہاں رہ پاؤں گا۔ مس رونی مجھے نکال دیا جائے گا یہاں سے میری بے بسی مجھے مجبور کر رہی ہے۔ ورنہ میرے ذہن میں آپ کے نقوش جڑ پکڑ چکے ہیں۔" وہ میرے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر اچانک اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ.......... آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔"

"ہاں۔ مس رونی ہاں۔"

"ڈیڈی نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی کہ انہوں نے آپ کو صرف میری تنہائی

دور کرنے کے لئے بلایا ہے۔ ہم سبھی آپ کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ ڈیڈی کو ہمارے کسی معاملے میں اعتراض نہیں ہو گا۔ آپ بھی سمجھ لیں کہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بالکل درست ہے اور اگر آپ ملازمت کی طرف سے خوف زدہ ہیں تو میں آپ کو اس کی ضمانت دیتی ہوں۔ ویسے بھی آپ کی پریشانی دور کرنا میرا فرض ہے۔ آپ مجھے بتایئے میں آپ کے اور کس کام آ سکتی ہوں۔"

"اگر یہ بات ہے رونی تو مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو پسند کرتا ہوں۔" میں نے نہ جانے کس طرح یہ الفاظ ادا کئے اور وہ بے خود ہو کر آگے بڑھی اور اس نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ کسی کی قربت کا یہ انداز میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا وہ میرے بالکل قریب آ گئی اور کئی منٹ بے خودی کے عالم میں گزر گئے پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"آپ نے شعبان۔ آپ نے.......... آپ نے میرے سوئے ہوئے خوابوں کو تعبیر دی ہے۔ میں نے تو کبھی.......... چھوڑیئے آیئے کھیلتے ہیں۔ آج میں دل سے کھیلوں گی۔"

"میں ہار مان لیتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"آپ سے ہار کر جس قدر خوشی ہو گی' جیت کر نہیں۔ جیتنے کے بعد آپ کے رخسار کی شفق دنیا کا سب سے حسین نظارہ ہوتی ہے۔"

"بڑی خوبصورت باتیں کرتے ہیں آپ.......... آیئے۔" اس نے ناز بھرے انداز میں کہا اور کھیل شروع ہو گیا لیکن کھیل جو شروع ہوا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا۔ اس کے اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کے بعد اگر کوئی میرے ٹکڑے بھی کر دیتا تو میں یہاں سے جانے کی کوشش نہ کرتا۔ مہینہ گزر گیا تنخواہ مل گئی اور مجھے بابا صاحب اور رافعہ باجی یاد آ گئے۔ ایک حیثیت بن گئی تھی میری ان لوگوں کے درمیان جس محبت کا ثبوت ان لوگوں نے دیا تھا۔ اسے زندگی کی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے رونی سے کہا۔

"کچھ وقت کے لئے جانا ہو گا رونی۔"

"کہاں؟" وہ چونک کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گھر۔"

"ارے ہاں میں معافی چاہتی ہوں۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ گھر میں کون ہے؟"

"بابا صاحب ہیں، رافعہ باجی ہیں۔ ماں ہے بس یہ ہے اس گھر کی کل کائنات۔"

"ضرور جاؤ۔ کب واپس آجاؤ گے؟"

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے روفی! جتنی جلدی ہو سکے گا واپس آ جاؤں گا۔ بھلا تمہاری جدائی کیسے گوارا کر سکتا ہوں۔"

"بس یہ سمجھ لینا کہ ایک ایک پل تمہاری آمد کا انتظار کروں گی۔"

"میں نے کہا ناں۔ بس بابا صاحب کے پاس جانا ہے اور واپس آ جانا ہے۔ یہ کچھ مجھے ملا ہے انہیں پہنچانے جا رہا ہوں۔ ان کی دعاؤں سے مجھے بہت کچھ مل گیا روفی۔"

"جاؤ۔ میری طرف سے بھی کچھ لیتے جاؤ۔" اس نے کہا اور ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

"نہیں روفی۔"

"خبردار منع نہ کرنا۔" اس نے کہا۔ بابا صاحب کے پاس آیا اور جو کچھ لے کر وہ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ چنانچہ جب میں وہاں پہنچا تو وہ شدت خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ میں جو کچھ ان کے لئے لے کر گیا تھا، اسے دیکھ کر ان کے جسم لرزنے لگے۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں بابا صاحب؟"

"بیٹا تمہارے لئے ایک طویل زندگی پڑی ہوئی ہے۔ ہمیں تو صرف اپنی زندگی کے دن کاٹنے ہیں۔"

"ایسا نہ کہیں بابا صاحب! آپ لوگ میرے لئے ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ............ کہ............"

"بہت بہت شکریہ تمہارا بیٹے!"

"بیٹا بھی کہہ رہے ہیں اور شکریہ بھی ادا کر رہے ہیں، میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں بیٹا۔" وہ لوگ بہت خوش رہے۔ میں نے ایک دن ان کے گھر گزارا۔ را وقت مجھے روفی یاد آتی رہی اور اس کے بعد میں وہیں پہنچ گیا۔ روفی میرا انتظار کر ہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے گھر والوں کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ۔ سب بے تعلق تھے۔ گم صم خاموش۔ وہ مجھے نظر ہی بہت کم آتے تھے۔ سب ہی پنے اپنے کمروں میں رہتے تھے۔ کوئی ضرورت ہوتی تو باہر نکل آتے ورنہ میرے لئے ی اصول برقرار تھا۔ تینوں وقت کھانا اور چائے میرے کمرے میں ہی آ جاتی تھی۔ ھی میں نے کسی کو اس عمارت سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کھانے پینے کی یں شاید کافی مقدار میں یہاں پہلے سے ہی موجود تھیں یا پھر ان کے یہاں آنے کا کوئی یہ بندوبست تھا۔ روفی میرے بہت قریب آ گئی تھی۔ ہمارے درمیان سے بہت سے ب ہٹ گئے تھے اور اب ہمارا تمام دن ساتھ ہی گزرتا تھا۔ اس وقت جب ملازمہ رے لئے کھانا لائی تو روفی اتفاق سے میرے کمرے ہی میں موجود تھی۔ ملازمہ کھانا ھ کر چلی گئی اور روفی اٹھنے لگی تو میں نے کہا۔

"کہاں چلیں؟"

"تم کھانا کھاؤ، کھانے کے بعد آؤں گی میں۔"

"روفی۔" میں نے ایک عجیب سی آواز میں کہا اور وہ رک گئی۔

"روفی تم نے میرے اور اپنے درمیان تمام تکلفات دور کر دیئے ہیں لیکن ایک لف ابھی قائم ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس وقت ہم دونوں ایک ساتھ ہی کھانا ائیں۔" میری دانست میں یہ ایک معمولی بات تھی اور مجھے یقین تھا کہ روفی میرے ں قدر قریب آ گئی ہے، اس کے بعد میری فرمائش کوئی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن نہ نے کیوں میں نے محسوس کیا کہ روفی کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ وہ عجیب انداز میں میری ل دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی حالت پر حیران تھا۔ اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے ر کہا۔

"اور اگر میں اس سے انکار کر دوں تو تمہیں دکھ ہو گا شعبان؟"

"ہاں۔ یہ بات میں اتنے عرصے سے سوچ رہا ہوں روفی کہ سارے معاملات میں اتنا ساتھ دیتی ہو میرا لیکن آج تک میں نے اس گھر میں کسی کے ساتھ کھانا کھایا اور چائے وغیرہ پی۔ وہ سب لوگ اس طرح رہتے ہیں کہ بعض اوقات میری سمجھ میں ھ نہیں آتا۔" روفی خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی تو میں نے کہا۔ "وہ لوگ جو

کچھ بھی کریں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن تم پر تو اب میرا حق ہو گیا
میں تمہیں اس کے لئے مجبور کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں میرے اوپر پورا پورا حق ہے لیکن تمہیں اس حق کا خراج اد
ہو گا۔"

"خراج؟"

"ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"جو کچھ تم سمجھنا چاہتے ہو آج رات میں تمہیں مکمل تفصیل سے سمجھا دو
اور آج رات تم ہمیشہ کے لئے میرے ہو جاؤ گے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہار
ساتھ کھانا نہیں کھا سکتی۔"

"آخر کیوں؟"

"میں نے کہا ناں۔ آج رات۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ہر خراج ادا کرنے کو تیار ہوں لیکن اب تمہیں میرے س
کھانا کھانا ہو گا۔"

"ہم لوگ کھانا نہیں کھاتے۔ ہم میں سے کوئی کچھ نہیں کھاتا۔ اس گھر میں
صرف تمہارے لئے آتا ہے۔ ہم اس چیز سے مبرا ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا
میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔

"تو گویا تم لوگ صرف ہوا کھا کر جیتے ہو۔"

"جو کچھ بھی تم سمجھ لو۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ مجھے سمجھاؤ۔"

"میری درخواست ہے کہ تم اس وقت کچھ نہ سمجھو۔ کھانا کھا لو۔ میں گیارہ ب
تمہارے پاس آؤں گی اور اس کے بعد ہماری زندگی کا نیا دور شروع ہو جائے گا۔ ایک
ایسا دور جس میں شادمانیاں ہوں گی۔ اجازت دو شعبان! صرف گیارہ بجے تک کے۔
یہ تمام پردے 'پردے' ہیں اور اس کے بعد..........." وہ جملہ مکمل کئے بغیر باہر نکل گ
اور میں پتھرائی ہوئی نگاہوں سے دروازے کو دیکھتا رہا۔ اگر روفی مذاق کر رہی ہے
بڑا سنجیدہ مذاق تھا۔ پر وہ اس قدر صلاحیت نہیں رکھتی تھی کہ ایسے مذاق سنجیدگی ۔
کر سکے اور اگر سچ کہہ رہی ہے تو کوئی سمجھنے والی بات ہے کہ یہ لوگ کھانا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھاتے۔ اگر کھاتے پیتے نہیں ہیں تو پھر زندہ کیسے ہیں۔ بہرحال میں نے یہی سمجھا کہ روفی نے ایک سنجیدہ مذاق کیا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے۔ بہرحال مجھے گیارہ بجے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ گھڑی کی سوئیاں بھی جیسے جامد ہو گئی تھیں۔ خدا خدا کر کے گیارہ بجے اور روفی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور میری طرف بڑھی۔ حسب معمول اس کے جسم پر ایک حسین لباس تھا۔ گھٹنوں سے اونچا سکرٹ اور اس کی سڈول رانیں نمایاں تھیں۔ خاص انداز میں تراشے ہوئے سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے لیکن اس وقت صرف ایک بات مختلف تھی اور وہ میرے لئے حیرت انگیز تھی۔ اس کی کمر میں بندھی ہوئی پٹی میں ایک لمبا اور نوکدار خنجر اڑسا ہوا تھا جس کی کوئی ضرورت میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

"شعبان!"

"ہاں روفی! عجیب لگ رہی ہو۔"

"کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"بے پناہ۔"

"نہیں۔ غور کرو۔ سوچو۔ ابھی تمہارے پاس کافی وقت ہے۔ غور کرو! کیا واقعی تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"روفی! دیکھو اتنی سنجیدگی سے مجھ سے یہ سوال نہ کرو۔ بری بات ہے۔"

"میری محبت کا خراج ادا کرو گے؟"

"دل و جان سے۔"

"وعدہ کرتے ہو؟"

"وعدہ۔"

"مجھے تم پر بہت اعتماد ہے میرے محبوب۔ اور آج میں اپنے راستے سے تمام پردے ہٹا رہی ہوں۔ آج میں تمہیں ہمیشہ کے لئے حاصل کر لوں گی اور ہمارے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" میں نے محبت سے کہا۔

"تو سنو۔ آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے کی بات ہے۔ یہ اس وقت ایک چھوٹا سا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قصبہ اب سے بھی بہت چھوٹا تھا اور یہ جگہ میرے ڈیڈی کی ملکیت تھی۔ ہم لوگوں آبادی سے باہر یہ خوبصورت عمارت بنوائی تھی۔ میں اس وقت شہر میں زندگی گ رہی تھی اور میری عمر اس وقت انیس سال کی تھی جب گرمیوں کی چھٹیوں میں، شہر سے یہاں آئی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اچانک گا میں ایک شدید وبا پھیل گئی۔ ایک انتہائی مکروہ وبا اور ہمارا گھرانہ بھی اسی وبا کا شکا گیا۔ ہم سب چند گھنٹوں کے فرق سے مرگئے۔ امدادی جماعتیں جب یہاں پہنچیں اس گاؤں میں چند ہی لوگ زندہ بچے تھے۔ آخر کار یہ بستی اجڑ گئی اور بہت عرصے بعد دوبارہ آباد ہو سکی۔ اب یہ اچھی خاصی حیثیت اختیار کر چکی ہے لیکن ہم لوگ ا عمارت میں رہتے ہیں۔ باہر کی دنیا سے الگ تھلگ کیونکہ اب زندہ لوگوں سے ہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ زندگی سے دور ہو چکے ہیں ہم۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کچھ نہ کھاتے پیتے ہیں۔ میں نوجوان مری تھی، میرے دل میں آرزوئیں تھیں اور میر ڈیڈی کو میری اداسی بہت بری لگتی تھی۔ چنانچہ سوچ بچار کر کے انہوں نے فیصلہ کیا شہر سے کسی زندہ نوجوان کو یہاں لے آئیں اور میں اس سے ربط بڑھا لوں۔ اگر مجھے پسند کرنے لگے تو پھر میں اسے بھی مرنے کی دعوت دوں اور اگر وہ میرے سا مرنے کے لئے تیار ہو جائے تو اس کے بعد میں اس کو ابد تک کے لئے اپنا لوں۔ ڈ نے تمہیں اور تم نے مجھے پسند کر لیا ہے شعبان! تمہارے آنے کے بعد ڈیڈی نے تج پیش کی تھی کہ تمہیں خوراک میں زہر دے دیا جائے تا کہ تم مر جاؤ لیکن میں نے ا سے اختلاف کیا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے خوشی سے زندگی دے دو گے اور میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اپنا لوں گی وہ وقت آگیا ہے میرے محبوب۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ پھر میرے او تمہارے درمیان کوئی دیوار حائل نہ رہے گی۔"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑنے لگی تھیں لیکن مجھے روفی کے اس مذاق پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ البتہ دل پاگل ہوتا ہے۔ بے ایمان ہوتا ہے۔ یہاں ماحول کچھ ایسا ہی تھا کہ اگر غور کیا جاتا تو روفی کی بات پر یقین آ جاتا تھا پھر بھی میں۔ مسکراتے ہوئے کہا۔

"محترمہ! کچھ بھی ہے، آپ ایک خاتون ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ م ان باتوں سے خوفزدہ ہو جاؤں گا تو یہ آپ کی حماقت ہے اور جہاں تک مسئلہ آپ

مجھے قتل کرنے کا ہے تو میں قتل ہو ہی چکا ہوں لیکن براہ کرم آپ اس قسم کے فضول مذاق نہ کیجئے گا۔"

"یہ مذاق نہیں ہے شعبان! یہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے۔ تم مجھے بتاؤ کیا تم نے میرے جسم میں کبھی زندگی کی حرارت محسوس کی ہے۔ کیا میرے ہونٹ برف کی ڈلیوں کی طرح سرد نہیں ہیں۔ بولو غور کرو کیا ایسا نہیں ہے۔"

اور میرا شبہ حقیقت میں بدلنے لگا۔ میں نے کئی بار روفی کے اس سرد بدن کے بارے میں بھی سوچا تھا۔ اس نے مظلوم لہجے میں کہا۔ "مجھے میری محرومیوں سے نکال لو شعبان۔ میری زندگی کو مسرتوں سے ہمکنار کر دو۔ آج میں تمہیں اپنی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شامل کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔" اس نے اپنی پیٹی میں اڑسا ہوا خنجر نکال لیا اور میری طرف بڑھنے لگی۔ میری بوکھلائی ہوئی نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ باپ رے باپ، لعنت ہے۔ اگر یہ سچ ہے۔ اگر یہ واقعی سچ ہے تو کیا میری زندگی میں یہی سب کچھ لکھا گیا ہے۔ گلنار نے پہلے سے اپنی زندگی میں ایک عاشق پال رکھا تھا اور عاشق بھی انسان نہیں بلکہ جن، جس سے نمٹنا کسی بڑے سے بڑے پہلوان کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر میں تو امن پسند آدمی تھا۔ اچھا خاصا اپنی بستی میں رہتا تھا۔ اباجان بلاوجہ مرگئے۔ اس کے بعد سے اب تک مصیبتوں ہی مصیبتوں میں زندگی گزار رہا ہوں۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ روفی نے وار کر دیا اور خنجر کی نوک میرے شانے کو شدید زخمی کر گئی۔ اس نے یہ خنجر میرے دل پر چلایا تھا لیکن ہاتھ بہک گیا تھا۔

"ارے باپ رے۔" میرے حلق سے ایک دہشت بھری آواز نکلی۔ یہ وار اور اس سے لگنے والا زخم اس بات کا ثبوت تھا کہ روفی غلط نہیں کہہ رہی۔ وہ ایک بار پھر میری جانب بڑھی اور میں گھبرا کر پیچھے ہٹا لیکن روفی نے پاؤں اڑا کر مجھے گرا دیا اور مٹھی میں دبائے ہوئے خنجر کو سنبھال کر میرے اوپر جھکی۔ سچ مچ میری آنکھوں میں موت ناچ گئی تھی۔ میں نے زندگی کی آخری کوشش کی اور روفی کی پنڈلی پر ایک زوردار لات ماری۔ میری یہ کوشش کامیاب رہی۔ وہ زور سے دوسری طرف گری اور میں اٹھ کر دروازے کی جانب بھاگا۔ اب بھلا رکنے کا کیا سوال تھا۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو مجھے سامنے ہی شیخ صاحب نظر آئے۔ وہ حیرانی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"اوہو۔ کیا ہو گیا؟" انہوں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سر............ وہ............ وہ............ روفی............ پر نہ جانے کیوں دیوانگی کا دورہ پڑا ہے۔ وہ مجھے قتل کر دینا چاہتی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ وہ زندہ نہیں ہے اور مجھے قتل کر کے اپنانا چاہتی ہے۔" میں نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا اور شیخ صاحب نے ایک غمناک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولے۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹے۔ اس نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔ تم اس کی خواہش پوری کر دو۔"

"ک ک............ کیا بکواس کر رہے ہیں!"

"بچی کا شوق ہے' اس کی خواہش پوری کر دو بیٹے! افسوس میں اس سلسلے کو اب نہیں روک سکتا۔" شیخ صاحب نے کہا اور اسی وقت راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی روفی کی چیختی ہوئی آواز ابھری۔

"جانے نہ پائے ڈیڈی! بچ کے نہ جانے پائے۔"

"اس............ میری ضرورت ہے۔" شیخ صاحب نے کہا اور میں نے پوری قوت سے ایک گھونسہ شیخ صاحب کے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑائے تو میں نے پھر ایک لمبی چھلانگ لگا دی اور اس کے بعد جو میں اس عمارت سے بھاگا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کس رفتار سے دوڑا تھا میں' زندگی بچانے کے لئے انسان اپنی قوت سے کئی گنا آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر میں اس وقت تک دوڑتا رہا جب تک کہ مجھے ویرانے نظر آتے رہے۔ میرے پیروں میں قوت نہیں رہی لیکن زندگی بچانے کی خواہش سب سے بڑی قوت ہوتی ہے اور اس وقت میں اسی سے کام لے کر اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں کسی آبادی کے نزدیک پہنچ گیا۔ آبادی میں داخل ہونے کے بعد کم از کم اس بات کا خطرہ کم ہو گیا تھا کہ اب کوئی مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ جیسے ہی ایک گوشہ ملا جہاں بیٹھ کر میں کچھ دیر سانس لے سکوں' میں نے وہاں بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لیں۔ جو واقعات ہو گئے تھے اور جن سے گزر کر آیا تھا' وہ اس قدر ہوش ربا تھے کہ اگر خود بھی ان پر یقین کرنے کی کوشش کرتا تو یقین نہیں آتا۔ آہ' کیا ہے' یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ بھی آخر کار ایک ایسا ہی چکر نکلا۔ بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ بہرحال بہت دیر تک بیٹھنے کے بعد سانس آہستہ آہستہ اعتدال پر آنے لگا اور پھر ایک بار میں نے دوبارہ گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچا تو اچانک میری نظر شانے کے زخم پر پڑی

اور میرے حلق سے ایک ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ زندگی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے۔ بڑے نقصان کو سامنے دیکھ چھوٹے نقصان کی زیادہ پروا نہیں رہتی۔ اب جو غور کیا تو بازو اچھا خاصا زخمی تھا۔ ایک دم سے کمزوری اور نقاہت کا احساس ہوا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ زخم پر خون جم کر مرہم بن گیا تھا۔ البتہ دنیا سے چھپانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ میں نے آبادی پر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اچھا خاصا کوئی قصبہ یا شہر تھا۔ بہرحال ایک کلینک تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہاں جا کر بینڈیج کرائی۔ زخم بہت معمولی سا تھا اور اس کے سلسلے میں ڈاکٹروں کو جھوٹی سچی کہانی سنانا پڑی تھی۔ ایک ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ تو چاقو کا زخم ہے لیکن بہرحال کام چل ہی گیا کسی نہ کسی طرح اور اس کے بعد واپس چلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ حالانکہ بابا صاحب اور رافعہ باجی پر بھی میرا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ تو زبردستی کی بات تھی لیکن وہ تو شکر تھا کہ پہلی تنخواہ ان لوگوں کو پہنچا چکا تھا جس کی وجہ سے وہاں دوبارہ جانے کی ہمت پڑ گئی تھی۔ واپسی کے سفر میں سوچتا رہا کہ ان لوگوں سے کیا کہوں گا اور آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ سچ سب سے بہترین نسخہ ہے۔ میں گھر واپس پہنچ گیا۔ بابا صاحب نے حیرت اور خوشی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا! خیریت؟"

"خیریت نہیں ہے بابا صاحب۔"

"بیٹھو بیٹھو۔ کیا بات ہے۔" اور اس کے بعد جب میں نے بابا صاحب کو تفصیل بتائی تو اس نے ان کے بھی ہوش اڑا دیئے تھے۔ رافعہ باجی نے میری قمیض اتروا کر میرے زخم کو دیکھا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"خدا غارت کرے۔ خدا غارت کرے۔"

"خدا غارت تو کر چکا ہے رافعہ باجی۔ اب غارت شدہ چیز کو کیا غارت کرے گا؟"

"ارے وہ بدروحیں تھیں۔ نیک روحیں ایسے کام تھوڑی کرتی ہیں۔ ہم نے کیا بگاڑا تھا ان کا۔ لو ذرا بات سنو بڑے میاں کی۔ خدا کی لعنت ان پر' جل کر بھسم ہو جائیں۔ بیٹی کا شوق پورا کرنے کے لئے بھٹک رہے ہیں۔ ایسی ہی بیٹی کے تن بدن میں آگ لگی تھی تو کسی پتھر کی سل کے نیچے جا کر دب جاتی۔" رافعہ باجی انہیں بری طرح کوسنے لگیں اور میں ہنستا رہا۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ "تم ہنس رہے ہو' میری جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جل رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ جاؤں اور جا کر بھسم کر دوں۔ کلام پاک لے جا کر دوں گی۔ ہوش ٹھکانے آجائیں گے گندی روحوں کے۔"

"چھوڑیئے اب تو میں وہاں سے بھاگ ہی آیا۔"

"فکر مت کرو بیٹے۔ اللہ رازق ہوتا ہے لیکن کمال کی بات ہے صاحب! بہت کہانیاں سنی تھیں۔ بڑی پچھل پیریوں' چڑیلوں اور بھوتنیوں کی کہانیاں سنی تھیں مگ یہ تو بالکل نئی داستان ہے۔"

"جی باباصاحب۔"

"چھوڑو بھئی چھوڑو۔ اللہ مالک ہے۔ اب ایسی کوئی بے تکی ملازمت نہیں ہے۔ دیکھیں گے کیا کر سکتے ہیں۔ تم آرام سے رہو۔ ویسے بھی پیسے کافی ہیں۔ اب بہت دن چل جائیں گے۔ اس دوران کوئی نہ کوئی ملازمت مل ہی جائے گی۔ اچ بتاؤ' زخم میں زیادہ تکلیف تو نہیں ہے۔"

"نہیں باباصاحب۔ شکر ہے خدا کا معمولی سا زخم تھا۔"

"کہو تو کسی عامل کو بھیجوں وہاں۔"

"ارے نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"نہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ سامنے والے نکڑ کے آخری کونے پر ایک صاح رہتے ہیں۔ سب لوگ انہیں صوفی صاحب' صوفی صاحب کہتے ہیں۔ بڑے صاح کرامت آدمی ہیں۔ کبھی کبھی جب موج میں ہوتے ہیں تو لوگوں کو تعویذ گنڈے د دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا دیا ہوا تعویذ گنڈا سو فیصدی کارآمد ہوتا ہے۔ ان کہوں کہ جاؤ ذرا صوفی صاحب' عمل کر کے کچھ بھوتوں کو بھگانا ہے۔ مجھ سے ب اچھی سلام دعا ہے' تیار ہو جائیں گے۔"

"نہیں باباصاحب! کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں آپ۔ بات ختم ہو گئی ہے۔ واپس آ گئے خیریت کے ساتھ' بس اب دیکھیں گے کہ زندگی کیسے گزرتی ہے۔" ا اس کے بعد بڑی مشکل سے باباصاحب کو مطمئن کیا تھا۔

☆======☆======☆

میں محلے میں باباصاحب کا بیٹا مشہور ہو گیا تھا۔ ویسے جو جسامت تھی میری اور حلیہ اب میرا بن چکا تھا' وہ بالکل مختلف ہو گیا تھا۔ بستی علی جاہ کے نکھٹو آوارہ شعبا میں اور موجودہ شعبان میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا تھا۔ اب دیکھنے والی نگاہیں

دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ میں بستی علی جاہ کا کوئی معمولی سا نوجوان ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ والد صاحب کی وفات کے بعد جو حالات مجھے پیش آئے تھے' وہ کسی ایک شخص کی زندگی کے عجیب و غریب ترین حالات تھے۔ بہت کم لوگوں کی زندگی اس طرح الٹ پھیر کا شکار ہوتی ہے۔ البتہ کبھی کبھی اپنے بارے میں سوچنے کا موقع مل جاتا تھا تو میں یہ سوچتا تھا کہ میں بذات خود بھی عجیب و غریب شخصیت ہی ہوں۔ دنیا میں قدم رکھنے والے نوجوان عمر کی اس منزل میں آنے کے بعد ایسے عجیب و غریب کارنامے سرانجام نہیں دیتے۔ مجھے بھی اصولی طور پر زندگی کا کوئی ایسا رخ اپنانا چاہئے جو میرے مستقبل کے لئے صحیح راستہ بن جائے لیکن میں طریقہ کار ہی ذرا عجیب اور غلط رکھا تھا۔ ابھی تک زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اس بار یہ سوچا تھا کہ کوئی ملازمت ڈھنگ کی مل جائے تو ان معصوم اور بے بس انسانوں کی خدمت بھی کروں گا اور اپنے طور پر زندگی بھی گزاروں گا۔ اب کالی چرن کا خوف میرے دل سے نکل چکا تھا۔ ویسے کالی چرن کے ساتھ جو میں نے سلوک کیا تھا' وہ واقعی میری زندگی کے لئے ایک خوش کن احساس تھا۔ اب یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ڈھنگ کی ملازمت کروں تاکہ اپنے مستقبل کے لئے کوئی بہتر فیصلہ ہو۔ رہنے کے لئے گھر مل گیا تھا۔ یہ دو افراد جن میں ایک رافعہ باجی اور دوسرے باباصاحب تھے' میرے ماں باپ کا درجہ اختیار کر چکے تھے۔ اگر شرافت کی زندگی گزاروں تو حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ ان کی اولاد کی حیثیت سے کوئی نیک بخت گھر بسانے کے لئے بھی مل جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نیک بختوں کے خوابوں نے مجھے دیوانہ کر دیا تھا۔ جوانی کی مانگ کچھ ایسی تھی کہ ہوش و حواس بھی کبھی کبھی رخصت ہو جاتے تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ گلنار کا مسئلہ تو خیر بالکل ہی مختلف تھا۔ وہ تو ایک جن کی محبوبہ تھی لیکن روفی کے بارے میں سوچ کر کبھی کبھی دل میں بڑی ہوک سی اٹھنے لگتی تھی اور خیالات کا رخ عجیب و غریب ہو جاتا تھا۔ روفی کے حسین دلکش جسمانی نقوش نگاہوں میں آتے۔ اس کی قربت' اس کے بدن کا احساس' اس کا لمس دیوانہ کر دیتا تھا اور دل چاہتا تھا کہ کچھ ہو جائے۔ پڑوس سے گزرتے ہوئے گھروں کے دروازوں اور کھڑکیوں کے پیچھے' حسین آنکھوں کا احساس ہوتا تھا جو مجھے دیکھ رہی ہوتی تھیں۔ روفی کے احساس سے ایک دن میں نے باباصاحب سے پوچھا۔

"ویسے ایک بات بتایئے باباصاحب۔"

"ہاں بیٹا' پوچھو۔"

"روحوں کے بارے میں تو سنا ہے کہ وہ بڑی لطافت کی حامل ہوتی ہیں' ان کا انسانی وجود نہیں ہوتا میرا مطلب ہے کوئی ٹھوس وجود نہیں ہوتا جبکہ شیخ صاحب کے گ میں مجھے ہر طرح کے ٹھوس وجود کا احساس ہوا۔ ایک ملازمہ باقاعدہ میرے لئے ک لاتی تھی۔ وہ ایک بھرپور کھانا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس گھر کے افراد نے مجھے درجنوں بار چھوا' یہاں تک کہ روفی نے مجھ پر چاقو سے حملہ کیا جس کا ثبوت یہ نشا موجود ہے۔ روحانی طور پر وہ ہوا ہونی چاہئے تھیں۔ اگر میں اس کی پنڈلی پر لات مارتا اور وہ دور جا کر نہ گرتی تو یقینی طور پر وہ چاقو کا وار کامیاب ہو گیا ہوتا۔ یہ لا باقاعدہ ایک انسانی جسم پر پڑی تھی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایسی کیا صورت حا ہوگی؟"

"بیٹا مجھے بالکل نہیں معلوم اس بارے میں لیکن اگر معلوم ہی کرنا چاہتے ہو میں تمہیں عامل صاحب کے پاس لے جاتا ہوں۔"

"یہی میری آرزو ہے بابا صاحب۔ ذرا سی معلومات حاصل ہوں۔"

"ٹھیک ہے آج شام کو صوفی صاحب کے پاس چلیں گے۔" شام کو مغرب کے بعد ہم صوفی صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ مجھے افسوس ہوا کہ ایسی اعلیٰ درجے کی شخصیت سے میں پہلے کیوں نہ ملا۔ اس وقت صوفی صاحب ایک قالین بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ چار پانچ نوجوان سامنے بیٹھے تھے۔ دبلی پتلی جسامت کے لمبے تڑنگے آدمی تھے۔ کندھوں تک لٹکے ہوئے بال' چھوٹی سی داڑھی۔ آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا۔ ویسے چہرے مہرے کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی خطرناک آدمی نہیں ہیں۔ بس اپنا ایک دھندا چلا رکھا ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی میں اس طرح کے حالات سے گزر چکا تھا اور حمایت علی شاہ صاحب کے ساتھ رہ جنات کو بوتلوں میں بند کرنے کا عمل دیکھ چکا تھا۔ صوفی صاحب کا انداز ایسا تو نہ تھا لیکن تھے اسی ٹائپ کی چیز۔ بہت سی یادیں' بہت سی باتیں دل میں تھیں۔ حمدو کا خیال جب بھی دل میں آتا تھا' سوچ میں ڈوب جاتا تھا لیکن حمدو ایسا غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ لگ گیا ہوگا کہیں بیچارے کا دھندا۔ کون کسے یاد رکھتا ہے اور پھر میری اس سے اتنی گہری دوستی بھی نہیں تھی۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ میں یہ تمام باتیں سوچتا رہا تھا۔ صوفی صاحب لوگوں کو نمٹاتے رہے۔ بہت سی خواتین بھی ان کے پاس آتی تھیں اور بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عقیدت سے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتی تھیں۔ صوفی صاحب ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے' دعائیں پڑھ کر پھونکتے تھے اور جب وہ دعائیں پڑھ کر پھونکتے تھے تو ان کا چہرہ اتنا قریب ہوتا تھا کہ سانسوں کے لمس آپس میں ٹکرا جائیں۔ کسی نے محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن میں نے ضرور یہ باتیں محسوس کی تھیں اور دل میں سوچا تھا کہ صوفی صاحب کے قدموں میں تو آتے رہنا چاہئے۔ بہرحال جب تمام لوگوں سے فراغت حاصل ہو گئی تو صوفی صاحب اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"آؤ' بھئی تم ادھر آ جاؤ میرے پاس۔" صوفی صاحب نے بابا صاحب سے کہا اور بابا صاحب الگ گوشے میں جا کر صوفی صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر شاید انہوں نے صوفی صاحب سے میرے بارے میں بات کی تھی اور میں صوفی صاحب کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ صوفی صاحب نے ایک انگلی اٹھا کر مجھے کچھ بولنے سے روکا اور کہا۔

"اپنے ہاتھ سامنے لاؤ' دونوں ہاتھ۔" میں نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں صوفی صاحب کے سامنے رکھ دیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صوفی صاحب' صوفی ہوں یا نہ ہوں' عامل ہوں یا نہ ہوں' لیکن ایک نجومی' ایک جوتشی ضرور تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ دیکھے اور پھر بابا صاحب سے بولے۔

"کمال ہے' واقعی کمال ہے۔ خیر' کچھ بتاؤں گا نہیں۔ انسانوں کے بارے میں انسانوں کو بتانا مناسب نہیں ہوتا۔ چلو چھوڑو' سناؤ کیسے مزاج ہیں؟"

"اس کے ساتھ کچھ عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں۔ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر بابا صاحب نے ساری تفصیل صوفی صاحب کو بتائی تو صوفی صاحب کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔ کہنے لگے۔

"ذرا پتہ بتاؤ بیٹے۔" میں نے نعیم پور کا پورا پتہ صوفی صاحب کو بتا دیا تو صوفی صاحب بولے۔ "بھئی بڑی دلچسپ بات ہے۔ ہمت کریں گے وہاں کسی وقت جانے کی۔ چلو خیر چھوڑو۔ سناؤ' میں کیا کر سکتا ہوں تمہارے لئے؟"

"صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا اس قسم کی روحوں کا ایسا ٹھوس وجود ہو سکتا ہے؟"

"میاں' یہ کارخانہ قدرت ہے۔ یہاں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ویسے صاحبزادے کرتے کیا ہو؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں کرتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھو تمہارے ہاتھوں میں ہم نے جو کچھ دیکھا ہے۔ ہم تمہیں بتائیں گے بارے میں۔ اگر ذرا بھی دلچسپی ہو تو ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہیں۔ معاوضہ تم چاہو گے' تمہیں دے دیا کریں گے۔ بس اللہ تعالیٰ جو دال روٹی دیتا اس میں سے کچھ حصہ تمہارا بھی ہو جایا کرے گا۔"

"ارے نہیں صوفی صاحب! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ' آپ کی محبت آپ عنایت ہی اتنی کافی ہے کہ اس کے بعد کسی شے کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ تو بہت بڑ بات ہے شعبان میاں' کہ صوفی صاحب تمہیں اپنے شاگردوں کا درجہ ورجہ دے ر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان سے بہت کچھ حاصل کر لو گے تم۔"

میں بھی تیار ہو گیا تھا۔ اصل میں صوفی صاحب کے ہاں جو رنگ میں نے دیکھا ت وہ بڑا ہی رنگین تھا۔ خواتین کی اتنی قربت اور پھر یہ بات تو شروع ہی سے میری فطر میں تھی۔ پہلے بھی جھوٹا پیر بن کر دیکھ چکا تھا۔ ابتدا میں جو رنگ لگے تھے' وہ بھلا بھو والے تھے۔ بس کچھ ناتجربے کاری تھی اور کچھ تقدیر کا دھکا کہ بات آگے نہیں بڑھ سَ تھی لیکن اب پھر وہی موقع مل رہا تھا۔ چنانچہ خوشی سے تیار ہو گیا۔ صوفی صاحب نے جگہ بنا رکھی تھی' اسے وہ حجرہ کہا کرتے تھے لیکن در حقیقت وہ حجرہ نہیں اچھا خاصا گھ تھا۔ وہ جگہ جہاں صوفی صاحب اپنے مریضوں کو دیکھا کرتے تھے' الگ تھی اور پرد کا معقول انتظام تھا اور پردے کا معقول انتظام ہی مجھے قائل کر گیا تھا۔ کچھ ایسے کیس ہوا کرتے تھے جنہیں صوفی صاحب باہر ہی دیکھ لیا کرتے تھے اور کچھ ایسے کیس ہوا کرتے تھے جن میں مجھے بھی پردہ گاہ سے ہٹا دیا جاتا تھا البتہ چھپ چھپا کر میں ضرو دیکھتا تھا۔ صوفی صاحب کوئی غلط حرکت تو نہیں کرتے تھے لیکن جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اگر مجھے اس کا موقع مل جاتا تو میں اس کی آڑ میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔ بہرحال صوفی صاحب کے ساتھ کوئی ایک مہینہ گزر گیا۔ مہینے کے اختتام پر صوفی صاحب نے مجھے دو ہزار روپے دیئے اور کہا۔ "بات اصل میں یہ ہے میاں کہ تمہارے سارے اخراجات ہمارے ذمے ہوا ہی کرتے ہیں لیکن بیچارے بابا صاحب کو یہ پیسے ضرور دے دینا جا کر۔ اب ایسے شریف اور نیک نفس آدمی کی مدد کرنا بھی تو ثواب ہے۔" میں نے وہ پیسے بابا صاحب کو دیئے تو بابا صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بیٹا! کچھ اپنے لئے بھی کرو' ہم تو زندگی گزار چکے ہیں۔ تمہارا پورا مستقبل تمہارے سامنے پڑا ہے۔ ویسے ایک بات کہوں تم سے۔"

"جی بابا صاحب!"

"صوفی صاحب بہت پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا ہے۔ صوفی صاحب سے کہو کہ کوئی عمل وغیرہ بتائیں' کوئی وظیفہ' کوئی چلہ جس سے کام بنے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں صوفی صاحب سے بات کروں گا۔" میں نے کہا اور پھر اس دن میں نے صوفی صاحب کے پاؤں دباتے ہوئے ان سے کہا۔

"صوفی صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اتنی محبت اور اتنا اعزاز دیا۔ ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں بولو' بولو۔"

"صوفی صاحب! دنیا سے بہت سی کہانیاں سنی ہیں۔ بڑے بڑے معمولی لوگ جنوں کو چٹکی بجاتے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ کیا واقعی ایسا کوئی چلہ' ایسا کوئی وظیفہ ہوتا ہے۔"

"سو فیصدی ہوتے ہیں میاں! مگر بات معمولی نہیں ہوتی۔ جن کو قبضے میں کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔"

"مگر کوشش تو کی جا سکتی ہے۔"

"میں نے کہا ناں کہ کوشش انسان ہی کرتے ہیں اور اگر یہ کوشش کارگر ہو جائے تو پھر تو کیا بات ہے۔"

"مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیں صوفی صاحب!"

"عزیزی' یہ بڑا دل گردے کا کام ہے اور ہم اب اس بات کو کہنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے کہ خود ہمارا ایسا ہی چکر ہے۔ ہم نے کبھی ایسی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ کہ اپنے استاد کو مار کھاتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بس یہ بڑا عجیب و غریب سلسلہ ہے۔ جن اگر قبضے میں آ جائے تو بہت سے کام بن جاتے ہیں اور اگر قبضے میں نہ آئے تو سمجھو زندگی بگڑ جاتی ہے۔ استاد محترم کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ کسی بزرگ نے بچا لیا۔ ورنہ شاید سب کچھ ہی ٹوٹ پھوٹ جاتا۔"

"وجہ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس وظیفہ ناکام ہو گیا تھا۔ ڈر گئے تھے اور کیا ہوتا۔"

"ہوں' اچھا چلو ٹھیک ہے صوفی صاحب' آپ مجھے وظیفہ بتا دیں۔ میں ڈروں گا۔"

"نہیں نہیں' اس چکر میں مت پڑو۔ جو دال روٹی چل رہی ہے' اسی سے چلاؤ۔ جن قبضے میں کرنا بڑا مشکل کام ہے۔"

"پھر بھی صوفی صاحب دل تو چاہتا ہے۔"

"سوچ لو خود ذمہ دار ہو اس کے۔"

"صوفی صاحب! بالکل ذمے دار ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' میں تمہیں ایک وظیفہ بتاؤں گا۔ باقی تم خود اس کے ذمے ہو۔"

"بالکل صوفی صاحب! میں مکمل طور پر اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔" نے جواب دیا اور اس کے بعد میں نے بابا صاحب سے بھی اس موضوع پر بات کی۔

"دیکھ لو بیٹا! وہ تو ایک تجویز پیش کی تھی میں نے' خود صوفی صاحب کیا ہیں؟"

"بابا صاحب! اگر ایسا ہو جائے تو لطف آ جائے گا۔ کچھ نہ کچھ کر کے دیکھ گے۔"

"ہوں' ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ تم جس طرح سے مناسب سمجھو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے تو دل میں سوچ ہی رکھا تھا کہ میری زندگی ا انداز میں گزرے گی۔ کیا کر سکتا ہوں زیادہ سے زیادہ۔ کسی دفتر کی کلرکی کے قابل نہیں ہوں۔ محنت مزدوری کر کے ہی زندگی گزارنی پڑے گی۔ اس سے بہتر ہے ایک دفعہ داؤ لگا لیا جائے۔ ریل یا جیل۔ اگر کوئی جن قابو میں آگیا تو کر لی جائے بات۔ ورنہ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر میں اپنے طور پر تیار ہو گیا تھا۔ صوفی صاحب نے تمام تر باتیں سمجھانے کے بعد مجھے وظیفہ پڑھنے کی ترکیب بتائی۔ چلہ مجھے کسی ایسے ویران علاقے میں جا کر کرنا تھا جہاں انسانوں کا کوئی گزر نہ ہو۔ صو صاحب نے کہا۔

"دیکھو ایسا کرو۔ دو چار دن تک تجربہ کر لو۔ جا کر بیٹھو کسی ایسی ویران جگہ' میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ یہاں سے کافی فاصلے پر کچھ کھنڈرات ہیں۔ وہاں کوئی نہ

ہوتا۔ جگہ بہت اچھی ہے۔ بس سے آنا جانا پڑے گا۔ رات کو چلے جایا کرنا صبح کو آجایا کرنا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑی مل ہے جس کے لئے باقاعدہ بسیں آتی جاتی ہیں۔ بس تم شام کو چلے جایا کرو' رات بھر چلہ پڑھا کرو اور صبح کو واپس آجایا کرو۔ یہاں آکر سو جایا کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے صوفی صاحب!" پھر صوفی صاحب مجھے اس جگہ لے گئے جہاں مجھے چلہ کشی کرنا تھی۔ دیکھ کر ہی طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ کھنڈرات بکھرے پڑے تھے۔ ٹوٹی پھوٹی ہوئی اینٹوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگے ہوئے تھے۔ کچھ جگہیں صاف بھی تھیں۔ انہی میں سے ایک جگہ میں نے منتخب کر لی۔ صوفی صاحب نے مجھے تمام ترکیبیں بتا دی تھیں۔ پانی کا مٹکا' ایک گلاس' ایک کپڑا بچھانے کے لئے ور بس۔ اس کے بعد صوفی صاحب نے مجھے وہ وظیفہ یاد کرایا اور میں نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ چالیس دن کا چلہ تھا اور چالیس دن کے بعد جن صاحب کو قبضے ں آ جانا تھا۔ پہلے دن میں نے وظیفہ پڑھنا شروع کیا تو سچی بات یہ ہے کہ رات بھر ونگٹے کھڑے رہے۔ کئی بار نیند کے جھونکے آئے لیکن ڈر کے مارے نیند بھی نہیں آ ہی تھی۔ صبح کو پلٹ پڑا۔ دوسرا دن' تیسرا دن' چوتھا دن' پانچواں دن۔ یہاں تک کہ چودہ پندرہ دن گزر گئے۔ بڑے آرام سے چلہ کشی ہو رہی تھا۔ بہت سی ایسی باتیں وئی تھیں جن سے خوف محسوس ہوا تھا لیکن صوفی صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ "چلہ شی کرتے ہوئے یہ تمام چیزیں تو ہوں گی ہی۔ بس یہ ہے کہ تمہیں ڈرنا نہیں ہے۔ بس ڈر گیا سو مر گیا۔ کیا سمجھے؟

"ٹھیک ہے میں مرنا نہیں چاہتا۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد جو جو ہوا وہ قابل بیان ہے۔ تفصیل میں جانا بالکل ہی بیکار ہے۔ یہاں تک کہ چالیسواں دن پورا نے لگا۔ اس دوران چلہ کشی کرتے ہوئے ذہن طرح طرح کے خیالات میں بھٹکا رہتا ا۔ کون کون یاد نہیں آیا۔ ابا سے لے کر آج تک کی تمام کہانیاں رات کو چلے کے وران ہی تازہ ہوتی تھیں اور کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ماضی میں ا گیا ہوں۔ وہ سب کچھ دوبارہ ہوا ہے' میرے ساتھ جو ہو چکا ہے اور اس سے کہیں میں لطف بھی آتا تھا اور کہیں کہیں خوف کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ غالباً یہ چالیسواں ہی ن تھا۔ میں آنکھیں بند کئے ہوئے' چلہ کشی میں مصروف تھا۔ شاید وظیفے کے بول رے منہ سے نکل رہے تھے لیکن ذہن میں خود بخود روفی کا خیال آگیا تھا۔ روفی کے

دلکش لبوں کی نرماہٹیں' کتنی ہی بار اس کا بدن میرے بدن سے مس ہوا تھا اور اس وجود کی نرماہٹیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سینے کی پسلیاں توڑ کر اندر داخل ہو ج گے۔ کئی بار میرے ہاتھ اس کی طرف بڑھے تھے لیکن پھر ہمت نہیں پڑی تھی۔ اس وقت بھی چشم تصور میں روفی میرے بالکل قریب تھی۔ بڑی بے باک' بڑی بڑی معصوم سی لڑکی۔ جو اگر روح نہ ہوتی تو شاید میری زندگی کا سب سے بڑا ہوتی۔ میرے ہاتھ بے اختیار اس کی کمر کے گرد لپٹ گئے تھے اور میرے ہونٹ کے ہونٹوں سے چپکنے ہی والے تھے کہ ایک زوردار گھونسا میرے جبڑے پر پڑا او زور سے پڑا کہ میں قلابازی کھا گیا۔ سارے ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے. نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے روفی کے تصو قرب و جوار کا ماحول نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے دہشت بھرے اندا اپنے اردگرد ویرانے اور سناٹے دیکھے۔ تب مجھے یاد آیا کہ میں تو چلہ کشی کر رہا چلہ کشی کے دوران یہ فاسد خیالات نہ جانے کہاں سے میرے دل میں آ گئے لیک گھونسا.......... یہ گھونسا۔ میرے سامنے ایک شریف آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس چہرے پر بڑے برے تاثرات تھے اور وہ غصیلی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"بالکل ہی کھوپڑی آؤٹ ہو گئی ہے کیا؟" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا ہو گیا بھائی صاحب! کیا بات ہو گئی۔ کوئی غلطی ہو گئی کیا مجھ سے؟"

"کھسک گئے ہو' پاگل ہو گئے ہو۔" وہ پھر اسی انداز میں بولا۔

"مم.......... میں بالکل نہیں سمجھا۔ آپ یقین کیجئے۔ مم.......... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"انتہائی بے غیرت آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ابے میں کہتا ہوں کہ تم نے ا ہمت کیسے کی۔ میری کمر میں ہاتھ ڈال کر میرے ہونٹوں کو چومنے کی کوشش کر تھے۔ جن ہوں' کوئی آوارہ آدمی نہیں ہوں اور پھر تمہاری یہ حرکت اور وہ بھی مرد کے ساتھ۔ دل تو چاہتا ہے کہ تمہاری ہڈی پسلی توڑ دوں لیکن چالیس دن وظیفہ کرتے رہے ہو۔ آخر یہ وظیفہ تمہیں سکھایا کس نے۔ ذرا مجھے نام تو بتاؤ ا تمہیں تو مارنا بیکار ہے۔ ذرا اس کی مرمت کروں گا۔ میں اچھی طرح سے۔ سارا خراب کر دیا میرا۔"

"جج.......... جن' آپ جن ہیں بھائی صاحب؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب کچھ بھی نہیں ہوں' سمجھے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ مار مار کر ہڈی پسلی ڑ دوں گا۔ سارا کھیل تم نے اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا ہے جو لوگ صاحب کردار بں ہوتے ہم ان کا ساتھ نہیں دیتے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ ماروں گا ایک ں۔"

بس اس کے بعد جو میں بھاگا تو آپ کو بتا نہیں سکتا کہ کتنی رفتار سے بھاگا تھا۔ کم ت ساری زندگی ہی بھاگ دوڑ میں گزر گئی تھی۔ جن قبضے میں آ گیا تھا لیکن بدقسمتی ے میں اس وقت ایک ایسی حسینہ کی قربت کے خواب دیکھ رہا تھا جو بس بازوؤں میں خل ہو کر میرے سینے تک پہنچنے ہی والی تھی۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے یہ ہاتھ ے میں کئے ہوئے جن کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن صوفی صاحب نے یہ نہیں بتایا تھا ہ قبضے میں آنے کے بعد بھی جن مرمت کر سکتا ہے۔ جبڑے کا جو حال ہوا تھا' اللہ جانتا ہے اور میں جانتا ہوں۔ لگ رہا تھا کہ ایک سائیڈ کا بازار ہی بند ہو گیا ہو۔ اگر خوفزدہ نہ تا اور میرے سامنے ایک خوفناک جن نہ ہوتا تو شاید لیٹ کر تین چار گھنٹے کراہتا ہتا۔ اسی سے کچھ سکون مل سکتا تھا لیکن اب' اب کیا ہو سکتا ہے۔ تمام کیا دھرا خاک ں مل گیا اور وہ جن تو صوفی صاحب کی تلاش میں ہے۔ صوفی صاحب کی مرمت کر لی اس نے تو دنیا صوفی صاحب سے پوچھے گی کہ ہوا کیا ہے اور اس کے بعد صوفی احب جو کچھ دنیا کو بتائیں گے وہ میرے حق میں کیسا ہو گا۔ کیا میں کسی کو منہ دکھانے ے قابل رہوں گا۔ بے شمار احساسات دل میں تھے۔

دوڑتے دوڑتے تھک گیا تو اِدھر اُدھر دیکھا کہ بیٹھنے کے لئے کوئی چیز مل جائے۔ ھر اُدھر دیکھنے سے صورت حال کا اندازہ ہوا۔ رات کا وقت تھا اور ماحول بے حد یانک۔ جدھر منہ اٹھا تھا اُدھر منہ اٹھائے دوڑ پڑا تھا۔ چنانچہ سمت کا بھی کوئی تصور ں تھا۔ میرے قرب و جوار میں لق و دق صحرا پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں جھاڑیاں اور خت نظر آ رہے تھے۔ چاند آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا اور کم از کم اس بات کی امید تھی ہ تیز روشنی ہو جائے گی۔ آہ' یہ بدنصیبی کب تک میرا پیچھا کرتی رہے گی۔ مختلف راز میں بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ کیا میں واقعی اتنا برا انسان ہوں۔ اگر بستی علی جاہ ں ہی کوئی ٹھور ٹھکانہ مل جاتا تو شاید زندگی آرام سے گزر رہی ہوتی۔ دو روٹی دو ڑی کپڑے اور اگر بستی والوں کو رحم آ جاتا تو کسی نیک بخت کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آ تا لیکن کیا کیا جائے۔ تقدیر نے کبھی اس سلسلے میں میرا ساتھ ہی نہیں دیا تھا۔ اب کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کروں‘ کیا کرنا چاہئے۔ دل میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ لعنت بھیجتا ہوں ان جنتر منتر پر مخواہ یہ جن بھوت کو قبضے میں کرنے سے اور یہ ساری چلہ کشی حماقت کی باتیں کہیں جا کر محنت مزدوری کی جائے۔ ایک چھوٹی سی کٹیا بنائی جائے‘ اس کو آ جائے۔ ویسے یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر بابا صاحب اور رافعہ باجی کے ساتھ اور واقعی کوئی ڈھنگ کا کام کرلیتا تو وہ لوگ میرا گھر بھی بسا دیتے۔ ایک حسـ خوبصورت پیکر کا حصول یوں سمجھئے کہ زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی او آرزو دیوانہ کئے رہتی تھی۔ ورنہ اصولی طور پر میں کام کا آدمی تھا اور اتنا بے اور بیکار بھی نہیں تھا کہ اس طرح خوار رہوں۔ مجھے خود اپنی حالت زار پر افـ ہونے لگا بلکہ شاید آنکھوں میں آنسو بھی آگئے تھے۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ درخت کے نیچے بیٹھ کر غور کرنے لگا۔ ویسے جو ویرانہ میرے گرد بکھرا ہوا تھا‘ اس اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں کوئی درندہ نہ نکل آئے۔ جن نے وہ ریڑھ لگائی کہ خدا کسی کے ساتھ ایسا نہ کرے۔ اب تو واپس بابا صاحب اور رافعہ باجی کے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ صوفی صاحب کا معاملہ ایسا ہی ٹیڑھا تھا۔ پوچھیں گے تو سہی تھا۔ کیا جواب دوں گا۔ وہ جو کرچکا تھا۔ مگر کیا کرتا بس دماغ میں ایک دلکش اور وجود بسا رہتا تھا۔ اب ادھر دیکھئے۔ وہ محترمہ اگر روح تھیں تو زندگی ختم کرکے اپنانا چاہتی تھیں۔ خنجر پیٹ میں گھونپ کر ٹکڑے کرنا چاہتی تھیں میرے۔ ارے رے۔ میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں بھوکا ہوں۔ کشی مسلسل جاری تھی اور اس دوران کھانے پینے کا مسئلہ ایسا ہی رہتا تھا یا پھر اتنا طے کیا تھا‘ اس کی وجہ سے پیٹ خالی ہوگیا تھا اور بھوک لگنے لگی تھی۔ میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔ آبادی نہ جانے کتنی دور ہے۔ رات کو سفر بھی کروں تو نہ جانے کب کہاں پہنچوں گا اور پھر جگہ بھی بڑی بھیانک۔

ابھی انہی سوچوں میں گم تھا کہ ایک مدہم سی سرسراہٹ سنائی دی اور میر گردن گھما کر دیکھا۔ مجھ سے کوئی پچیس گز کے فاصلے پر کوئی چیز چمک رہی تھی۔ غا کوئی جھاڑی تھی جس کے آس پاس کوئی چیز پڑی تھی لیکن جب میں نے اسے غور دیکھا تو مجھے لگا کہ وہ کوئی جھاڑی نہیں ہے۔ جھاڑیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ اسی آسمان پر چاند نکل آیا اور ماحول اس طرح روشن ہوگیا جس طرح کسی نے بہـ حسین مشعل جلا دی ہو اور اس مشعل کی روشنی نے جو کچھ میری نگاہوں کے سـ

پیش کیا اسے دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ ایک حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ جسم پر بہت ہی حسین لباس پہنے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ کیا پھر کوئی شامت آئی تھی‘ کوئی مصیبت۔ میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے غور سے اسے دیکھا۔ نہ نگاہوں کا دھوکا تھا نہ کوئی تصور۔ سو فیصدی ایک نوجوان لڑکی ہی تھی.......... لیکن اس بیابان جنگل میں‘ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ ایک لمبی دوڑ لگاؤں اور بدن کی پوری قوت سے دوڑ کر یہاں سے اتنے فاصلے پر نکل جاؤں کہ پھر کوئی نظر نہ آئے لیکن یہ کام تو مجھے اس وقت کرنا چاہئے جب لڑکی کی جگہ کوئی نوجوان ہوتا۔ ایک مظلوم نوجوان دوشیزہ نہ جانے کس مشکل کا شکار ہے۔ ایسے وقت میں اگر کسی حسین نوجوان نے اس کی مدد نہ کی‘ تو لعنت ہے اس کے حسن و جوانی پر۔

اپنے آپ کو پوری طرح سمجھایا بجھایا۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ قدموں سے اس لڑکی کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ مجھے اس کی سسکیاں سنائی دیں اور میرے دل میں محبت اور ہمدردی کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ میں نے تیز قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچنے میں کسی کمی سے کام نہیں لیا تھا۔ لڑکی واقعی بہت ہی دلکش جسم کی مالک تھی۔ اس نے ایک چمک دمک والا لباس پہنا ہوا تھا لیکن اس لباس سے ہی اس کے بدن کی حشر سامانیاں جھلک رہی تھیں اور وہ رو رہی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک پوٹلی رکھی ہوئی تھی جس میں کچھ کپڑے وغیرہ معلوم ہوتے تھے۔ پوٹلی کا انداز کچھ ایسا ہی بتاتا تھا۔ میں نے اپنے لہجے کو سنبھالا۔ بڑے نرم میٹھے اور مدہم لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے بی بی! کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تم جیسی حسین دوشیزہ اگر کسی کو اس طرح روتی ہوئی ملے تو اس کی اپنی کیفیت کیا ہوگی۔ پتہ نہیں کس ظالم اور سنگ دل نے تمہیں دکھ پہنچایا ہے۔ سنو‘ میں تمہارا کوئی نہیں ہوں لیکن انسان ضرور ہوں اور انسانی رشتے سے میں تمہاری ہر مدد کروں گا۔ بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ کیا تم تنہا ہو۔ تنہا ہو تو کیوں؟ کیا تمہارا کوئی ساتھی یہاں موجود نہیں ہے؟؟"

بمشکل تمام لڑکی نے سر اٹھایا اور اس کے چہرے پر پڑی ہوئی اوڑھنی تھوڑی سی پیچھے ہٹ گئی۔ آسمان پر ایک چاند نکلا ہوا تھا‘ دوسرا چاند اچانک ہی زمین پر اتر آیا تھا۔ دودھ جیسا سفید رنگ‘ بڑی بڑی روشن آنکھیں۔ اتنے خوبصورت ہونٹ کہ انسان دیکھے تو بس دیکھتا ہی رہ جائے۔ وہ ایک اتنا حسین پیکر تھا کہ اس کے بعد عقل و دانش پر اگر قابو رہے تو پھر انسان کو انسان نہیں فرشتہ کہا جائے۔ میں سکتے کے عالم میں اسے

دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ کچھ لمحے اندازمیں گزرے اور اس کے بعد میں بے اختیار اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"دیکھو' آنسو پونچھ ڈالو۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں خود تمہارے آنسو خشک دوں۔ دیکھو کوئی بری بات محسوس نہ کرنا۔ تم تو ابھی بہت ہی چھوٹی سی عمر کی ہو۔ ظالم نے تمہیں یہاں اس جنگل میں لا پھینکا ہے۔ دیکھو میں برداشت نہیں کر سکتا۔' نے اچانک اس کی اوڑھنی پر ہاتھ ڈالا اور اسے تھوڑا سا پرے کر کے اس کے پونچھنے لگا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا سر میرے سینے سے لگا دیا تھا۔ اس کے چہر لمس میرے لئے ایک ایسے سرور کا باعث بنا تھا کہ بس میری آنکھیں بند ہونے لگیں میرے ہاتھ اس کے گرد حلقہ تنگ کرنے لگے۔ اس کا رخسار میرے سینے سے لگا ہ اور میرے ہاتھ اسے خود میں جذب کرتے جا رہے تھے۔ ایک بار پھر مجھ پر خواب کیفیت طاری ہو گئی اور عالم خواب میں جو میرے دل و دماغ میں تھا وہ عالم وجود آتا گیا۔ اس وقت تو سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں ختم ہو گئی تھیں لیکن نہ جانے لڑکی نے بھی میرا ساتھ دیا تھا اور نہ جانے کیوں میں زندگی کی سب سے بڑی طلب گزر گیا جس نے میرے وجود کو خاکستر بنا رکھا تھا۔ آہ' یہ کون ہے' جس نے اپنے کو مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا۔ زندگی کا وہ لمس مجھے حاصل ہوا تھا جو شاید حا زندگی ہوتا ہے۔ اس کی قربت' اس کے وجود کی لطافتیں میرے سامنے مکمل طو نمایاں ہو گئی تھیں اور اس کے بعد جب ہوش و حواس کی منزل آئی تو میں دنگ رہ یہ کیا ہوا یہ کیسے ہو گیا۔ وہ اپنے لباس سے اپنے جسم کو ڈھکے ہوئے وہیں پر لیٹی تھی اور اس کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چار طرف دیکھا۔ ایک بار پھر دل یہ چاہا کہ دوڑ لگا دے بھائی! جو ہو چکا ہے اس کے بعد ہو گا اس کا اندازہ کر لے۔ بھاگ جانے میں ہی عافیت ہے۔ ورنہ مارا جائے گا۔' بڑے مزے سے مارا جاتا ہے' اس سے بھی خطرناک موت ملے گی تمہیں۔ اس و لڑکی نے آنکھیں کھولیں' مجھے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس بعد وہ باقاعدہ رونے لگی۔

"ارے' ارے' ارے۔ سس........... سنو۔ میری بات سنو۔ روؤ نہیں تمہارے آنسوؤں نے ہی تو مجھے پاگل کر دیا تھا۔"

"اب کیا ہو گا مہاراج' اب کیا ہو گا۔ ہائے دیا ہم تو کہیں کے نہ رہے۔ لوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم نے ہمیں۔ مارے گئے ہم تو۔"

"ب........... باپ رے۔ بب........... باپ رے۔ ارے میری بات تو سنو۔ کک........... کک........... کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ خخ........... خدا کی قسم۔ مجھے خود کچھ نہیں معلوم۔ مم........... مگر تم نے مجھے منع کیوں نہیں کیا۔ تت........... تم........... تم کون ہو؟"

"چمپا ہے ہمارا نام۔ چمپا وتی! ہمارا پتی گونا کر کے ہمیں گھر لا رہا تھا۔ سگائی ہوئی تھی ہماری سال پہلے۔ پتی دیو مہاراج سال کے بعد ہمیں پہلی بار گھر لے کر آ رہے تھے۔ وہ........... وہ ادھر جھاڑیاں ہیں ناں۔ ان سے گزر رہے تھے ہم۔ سانپ نے ڈس لیا انہیں۔ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ لاش پانی بن کر بہہ گئی۔ ہم اس جنگل میں اکیلے رہ گئے۔ ہائے رام! ہمیں تو کسی راستے کا پتہ ہی نہیں تھا۔ رات ہو گئی۔ اکیلے جتنی دور آ سکتے تھے آئے۔ یہاں بیٹھے رو رہے تھے کہ تم آ گئے اور تم نے ہائے رام! ہم تو کنوارے تھے۔ اب کیا ہو گا۔" لڑکی سسک سسک کر رونے لگی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ چمپا وتی کا مطلب ہے کہ ہندو ذات سے ہے۔ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ ایک بار پھر مصیبت گلے آ پڑی تھی۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا بیٹا شعبان تو جو دھنائی ہو گی وہ دیکھنے کے قابل ہو گی۔ یہ سب کچھ تو بڑا غلط ہے لیکن پھر وہی والی بات۔ کم بخت جوانی نے تو ستیاناس مار کر رکھ دیا تھا۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی مصیبت آ ہی جاتی تھی۔ اچھا خاصا جن قبضے میں کر لیا تھا مگر اس بیچارے کو بھی........... ارے توبہ توبہ۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے گال پیٹے تو وہ جلدی سے بولی۔

"کس بات کی توبہ کر رہے ہو مہاراج!"

"نن........... نہیں وہ دوسری بات تھی۔"

"ہمیں بتاؤ' ہم کیا کریں۔ پتی بھی مر گیا۔ اپنے ماتا پتا سے بھی دور ہو گئے۔ سارا کٹم چھوٹ گیا اپنا بتاؤ کیا کریں ہم؟"

"چچ........... چمپا تم جہاں بھی جانا چاہتی ہو میں تمہیں پہنچا دوں گا۔"

"اب ہمیں پہنچاؤ گے جہاں ہم جائیں گے۔ ہم کہتے ہیں ہمیں ساتھ لے کر چلو۔ عزت لوٹی ہے تم نے ہماری۔ اب بھلا ہم سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میری بات سنو۔ کوئی دیکھے گا تو تمہارا میرا کیا حشر کرے گا؟"

"کچھ نہیں کرے گا۔ بس ساتھ رہیں گے ہم تمہارے' کیا سمجھے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مم.......... مگر چمپا میرے بارے میں تم کچھ نہیں جانتیں۔ پہلی بات تو کہ میں مسلمان ہوں اور تم.........."

"ارے چھوڑو کیا مسلمان اور کیا ہندو۔ جو کچھ تم نے کیا ہے' ہمارے ساتھ کے بعد بھی یہ سب کچھ کہتے پھرو گے۔ ہندو اور مسلمان۔ اس سمے خیال نہیں تمہیں جب ہمارے شریر سے کھیل رہے تھے۔"

"آہ۔ کیا کروں۔ جوتا ہے تمہارے پاؤں میں تو اتار کر میرے سر میں ما دو۔" میں نے اس کے پیروں کی طرف اشارہ کیا اور پھر ایک لمحے کے اندر اندر آنکھیں دوبارہ اس کے پیروں پر جم گئیں۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ زندگی میں ویسے تو بہت سی قصے کہانیاں سنی لیکن بستی علی جاہ میں معزز بزرگ چڑیلوں اور چھل پیریوں کی داستانیں سناتے تھے ابھی تک یاد تھیں۔ چھل پیریوں کے بارے میں' میں نے یہی سنا تھا کہ ان کی ای آگے ہوتی ہیں اور پنجے پیچھے۔ اور یہاں بھی اس وقت کچھ ایسا ہی منظر میری نگا کے سامنے تھا۔ یہ خاتون جو اس وقت مجھ سے اپنے کنوار پن کا رونا رو رہی تھیں' کے پنجے پیچھے کی سمت تھے اور ایڑیاں آگے تھیں۔ چڑیل! میرے ذہن نے نعرہ لگایا اس کے بعد جو میں نے دوڑ لگائی ہے تو زندگی کا لطف ہی آ گیا۔ اتنی برق رفتاری دوڑا کہ شاید خود مجھے اپنے آپ پر یقین نہ آئے۔ خدا کی لعنت ہے مجھ پر خدا کی لع ہے۔ ارے کیا کم بختی نازل ہو جاتی ہے بار بار۔ کب تک دوڑتا رہوں گا آخر دوڑنا میری تقدیر میں ہی لکھا ہے۔ دوڑتا رہا' دوڑتا رہا اور پھر تھک ہار کر ٹھوکر ک اور گر پڑا۔ جگہ کا اندازہ نہیں تھا۔ نیچے گرنے سے اچھی خاصی چوٹیں لگی تھیں۔ ا وقت صبح ہونے میں تھوڑی سی دیر تھی۔ بہت دور مشرق سے روشنی پھوٹ رہی تھ اب میں گر کر سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے میرا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ نے بدک کر آنکھیں پھاڑیں تو میرے اوپر وہی حسین چہرہ چھایا ہوا تھا۔

"نہیں بابو جی نہیں! چمپا وتی اب تمہارا ساتھ بھلا کہاں چھوڑے گی۔ ہمار جیون مرن کا ساتھ ہو گیا ہے۔" ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن بدن اس قدر ش ہو گیا تھا کہ اس کے بعد ہوش و حواس بالکل ہی معطل ہو گئے اور گہری بے ہوشی طار ہو گئی۔ آخری احساس بس یہ تھا کہ چمپا وتی میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

☆======☆======☆

پھر جب دوبارہ ہوش آیا تو ماحول بدلا ہوا تھا اور میں کسی ایسی جگہ موجود تھا جو سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ گول گول در نظر آ رہے تھے۔ زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ سر کے نیچے بھی اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ نیم تاریک ماحول تھا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اچانک ہی دروازہ کھلا اور تیز روشنی اندر آ گئی۔ اس روشنی میں' میں نے چمپا وتی کو اندر آتے دیکھا تھا۔ ایک بار پھر میرے حلق سے دہشت بھری آواز نکل گئی۔ پھر چمپا وتی میرے سامنے پہنچ کر کھڑی ہو گئی۔ کم بخت کو سر سے ٹانگوں تک دیکھو سارا وجود جھنجھنا کر رہ جائے۔ بس پیروں کو نہ دیکھو۔ پیروں کو دیکھو تو حالت خراب ہو جائے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ چمپا وتی کے ساتھ میرے جو لمحات گزرے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ زندگی میں وہ خوشی کبھی حاصل نہیں ہوئی جو چمپا وتی کے قرب سے حاصل ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں کیا صرف اسے اس لئے نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کوئی غیر انسانی شخصیت ہے۔ بہت دیر تک آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا اور وہ بھی میری صورت دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"ہوں' بات کچھ سمجھ میں آ گئی۔"

"چمپا وتی تم مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہو؟"

"دیکھو۔ میں صرف ایک بات بتا دوں تمہیں۔ تم نے مجھے اپنے من سے سویکار کیا ہے۔ یہ صرف تمہاری ہی کوشش تھی کہ تم میرے شریر کے راز دار بن گئے ہو۔ ہمارا تو کام ہی یہ ہے کہ انسانوں کو بھٹکائیں لیکن اگر کبھی ہم من سے کسی کو قبول کر لیتے ہیں تو سمجھ لو اس کے فائدے ہی فائدے ہیں۔"

"لیکن چمپا وتی مجھے تم سے کیا فائدے پہنچ سکتے ہیں؟"

"جیون بنا دیں گے تمہارا۔ وہ سب کچھ دے دیں گے تمہیں جو تم جیون بھر کہیں سے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"

"اور اس کے بدلے مجھے کیا دینا ہو گا تمہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"پریم' صرف اپنا پریم۔ اپنا پیار۔ سچ بتاؤں کہ اس سنسار میں سب ایک دوسرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور میرا نام شعبان ہے۔"

"تو ہم تمہیں شابی کہہ دیں گے' کیا فرق پڑتا ہے۔"

"مگر چمپا وتی تم.......... تم انسان تو نہیں ہو۔"

"اب جو کچھ بھی ہیں پر تمہارے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ؛ ہماری بات مانو گے تو اس سنسار میں عیش ہی عیش کرو گے۔"

"کیسے؟"

"بس کسی کو ہمارے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو گا ہم تمہیں بتا دیں گے اور تمہیں آنکھیں بند کر کے ہمارا وہ کام کرنا ایک بات سمجھ لو کہ جب تم ہمارا وہ کام نہیں کرو گے تو اسی دن ہمار۔ درمیان علیحدگی ہو جائے گی اور یہ علیحدگی ایسی ہوگی کہ تم بھی اس سنسا گے۔"

"چمپاوتی! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

"نہیں۔ اپنے من کی کوئی بات ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ جو خود ہی سمجھ لیں گے۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"ایک پرانی دھرم شالہ تھی۔ جو اب ٹوٹی پھوٹی پڑی ہے۔ تم نے سدھ بد دی تھی۔ ہم تمہیں اٹھا کر یہاں لے آئے۔"

"تم مجھے اٹھا کر یہاں لائی ہو؟"

"تو اور کیا گدھے پر لاد کر لائی ہوں تمہیں یہاں۔ سمجھ لو تمہاری نو من ک کو ہم نے اپنے کندھے پر اٹھا کر اتنا لمبا سفر طے کیا ہے۔"

میں ایک بار پھر ایک عجیب و غریب مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ چمپاوتی کے گزارے ہوئے لمحات یاد آتے تو دل و دماغ میں سرور کی کیفیت پیدا ہو گئی اور ؛ خیال آتا کہ وہ انسان نہیں چڑیل ہے تو ساری ہوا کھسک جاتی تھی۔ کسی چڑیل ساتھ دوستی اور قربت بڑی عجیب و غریب تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ چمپا کہ تم چاہتی کیا ہو؟"

"بس تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور کیا چاہیں گے اور تم کر بھی کیا ہمارے لئے۔"

"کیا تم اسی طرح میرے ساتھ رہو گی؟"

"نہیں، اس کی تو تم چنتا ہی نہ کرو۔"

"تو پھر دنیا تمہیں میرے ساتھ دیکھے گی تو کیا کہے گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے کہا ناں دنیا مجھے تمہارے ساتھ نہیں دیکھ سکے گی۔"

"مگر کیسے چمپاوتی؟" میں نے سوال کیا۔ اچانک ہی چمپاوتی کا وجود جیسے سلگ اٹھا ۔ ہلکی ہلکی لرزش ہلکا ہلکا دھواں پیدا ہوتا جا رہا تھا اور میں نے دیکھا جیسے وہ فضا میں لیل ہو رہی ہے۔ وہ تحلیل ہوتی رہی۔ اب اس کے نقوش مٹ گئے تھے اور میں ٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے رف کوئی آؤٹ لائن رہ گئی ہو۔ ایک ہیولا، ایک نقش جسے غور سے دیکھا جائے تو سوس ہو۔ دھوئیں کی لکیروں میں چمپاوتی کا وجود چمک رہا تھا اور اس کی اصلیت گم ہو ئی تھی۔ میں نے دہشت بھرے لہجے میں پکارا۔ "چمپا!"

"ہاں۔ ہم ہیں ناں۔ تم پوچھ رہے تھے ناں کہ سنسار کے سامنے تمہارا ہمارا ساتھ یسے رہے گا تو ہم نے تمہیں بتا دیا۔ تمہیں ہماری طرف سے کوئی چنتا نہیں کرنی اہئے۔ دیکھ لو جیسا ہمارا تمہارا ساتھ رہے گا ہم نے تمہارے سامنے کر دیا ہے۔"

"اوہ چمپاوتی تو تم اس حالت میں میرے ساتھ رہو گی؟"

"ہاں، جب من ہو گا تمہارے ساتھ رہیں گے۔ کبھی کبھی یہ لکیریں تمہیں نظر بھی یں آئیں گی لیکن جب کسی کے ساتھ ہو گے اور یہ جاننا چاہو گے کہ ہم تمہارے اتھ ہیں یا نہیں تو ہم تمہیں اسی شکل میں نظر آئیں گے۔ جو من چاہے ہمیں بتا دینا ہم ہی کریں گے۔"

"مگر چمپاوتی! ایک بات اور بتاؤ۔ مجھے تمہارے لئے کیا کرنا ہوگا؟"

"میں نے کہا ناں کہ ہم سے پریم کرنا ہوگا تمہیں۔ پر ایسی بات نہیں ہے اس سنسار میں ہم تمہیں صرف اپنے لئے نہیں رکھیں گے۔ اصل میں یہی فرق ہے ایک عورت اور ایک چڑیل میں۔ عورت یہ چاہتی ہے کہ مرد اس کا قیدی بن کر رہے، اس کے چرنوں کی دھول بنا رہے۔ اس کے چرن چھوتا اور چاٹتا رہے۔ پر ہم عورت نہیں چڑیل ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں صرف اسی سے پریم کرو جب ہم چاہیں اور جب ہم تمہیں مانگیں۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ رہا ہوں چمپاوتی!"

"صرف سمجھ رہے ہو کافی نہیں ہے۔ بلکہ تمہیں من سے ہمیں سویکار کرنا پڑے گا، کیا سمجھے۔ ہاں یا نہیں میں جواب دو۔"

"فرض کرو چمپاوتی۔ اگر میں نہیں میں جواب دیتا ہوں تو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو بس یہ سمجھ لو کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ اس کے بعد ہم کیا کریں گے۔" چ
نے کہا۔ اس کے لہجے میں ایک دھمکی کی سی کیفیت تھی۔ میں نے دل ہی دل میں
کہ ایک جن صاحب کو قابو کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے بڑی ہی مرمت کر ڈا
اور اتنی دور دوڑا دیا تھا کہ ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ سب کا ساتھ چھو
تھا۔ کم از کم چمپا وتی ایسی شخصیت تو ہے کہ وہ اڑے بھڑے وقت میں ساتھ دے
ہے۔ کیوں نہ اس کا ساتھ قبول کر کے ہی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ کیا جائے۔
جان! تم نے تو زندگی بڑے نیک ماحول میں گزاری ہے لیکن تمہارا بیٹا شروع ہی
غلط راہوں میں پڑا ہوا تھا۔ کاش میں تمہاری بات مان کر سارے دینی علوم سیکھ
مجھے ایسی مشکل کا شکار نہ ہونا پڑتا اور میں بھی بستی علی جاہ کی مسجد میں اذان دے
ہوتا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا لیکن بہرحال انسان کو حقیقتوں کا سامنا کرنا ہی
ہے اور اس وقت ایک انوکھی حقیقت میرے سامنے موجود تھی۔ میں نے اس سے

"اچھا یہ بتاؤ چمپا! وہ کون سا عمل ہو سکتا ہے جو تمہیں میرا دشمن بنا دے؟"

"دیکھو ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔ جب تم مجھ سے دوستی کر لو گے، جب
مجھے اپنے وجود میں شامل کر لو گے، پھر یہ سمجھ لو کہ مجھ سے بھاگنے کی کوشش مت کر
میں تمہیں کھل کر تمام چیزیں بتائے دیتی ہوں۔ تم انسان ہو اور میں انسان نہیں ہو
انسان انسان کی خواہش کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جیسوں میں رہے۔
شک انسانی وجود میں، میں تمہیں اپنے جیسی ہی لگوں گی لیکن میں انسان نہیں ہو
میرا ایک الگ دیس ہے، الگ مقام ہے، الگ جگہ ہے۔ جب تم چاہو کسی بھی لڑکی
دوستی بڑھا سکتے ہو، مجھے اعتراض نہیں ہوگا اور جہاں تک میری اور تمہاری قربت
سوال ہے تو یہ بھی میری اور تمہاری خوشی پر منحصر ہے۔ تم مجھے اپنے ساتھ رکھ
میری ضرورت پوری کرتے رہنا اور یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری عورت ہوں۔ م
مطلب ہے کہ اگر میں کہیں کسی اور کے ساتھ نظر آؤں تو تم اس کی بالکل پروا نہ
کرو گے اور یہی میں بھی کروں گی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ تو بہت اچ
بات ہے۔ منحوس چڑیل، مجھے کیا پڑی ہے جو تیری کسی حرکت میں دخل انداز
کروں۔ یہ سوچنے کے بعد میں ایک لمحے کے لئے خوفزدہ نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھا کہ کہیں وہ میرے دل کی بات سن تو نہیں رہی ہے لیکن اندازہ یہ ہوا کہ ایسی کوئ
بات نہیں ہے۔ وہ اس طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا۔

"چلو۔ ٹھیک ہے۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میرا تمہارا ساتھ رہ سکتا ہے تو میں تیار
ں۔"

"میری کسی بات میں مداخلت تو نہیں کرو گے؟"

"نہیں چمپا۔ تم جس انداز میں بھی ہو، وہ صرف اتفاقیہ انداز ہے۔ تم یہ سمجھ لو
میں تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

"اس کے باوجود میں زیادہ تر وقت تمہارے ساتھ ہی گزاروں گی لیکن اسی شکل
جیسے ہوں۔ بلکہ اب یہ لکیریں بھی نظر نہیں آئیں گی تمہیں۔ ہوا کا کوئی جھونکا
وس کرو تو سمجھ لینا کہ میں ہوں اور جب تمہیں تنہائی حاصل ہوگی تو میں تمہارے
ب رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے چمپا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو اٹھو اپنی جگہ سے، میں تمہیں زندگی کی کچھ ایسی حقیقتوں سے روشناس کرا
ی ہوں جو تمہارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوں گی۔"

اچانک ہی میں نے دیکھا کہ وہ لکیریں پھیلنے لگی ہیں یعنی چمپا کی آؤٹ لائن بڑھتی
رہی ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس نے کہا۔

"آؤ اور مجھ میں سے گزر جاؤ۔"

"کس طرح؟"

"مجھے دیکھ رہے ہو نا۔ بس مجھ میں سما کر دوسری طرف نکل جاؤ۔ میں تمہارے
ود میں داخل ہو جاؤں گی۔"

"تو پھر کیا تم ہمیشہ میرے وجود میں رہو گی؟"

"نہیں۔ بس ضرورت کے وقت ہم ساتھی رہیں گے۔ تمہارے شریر میں، میں
م کروں گی اور جب تم چاہو گے تو میں تمہارا شریر چھوڑ دوں گی۔ یہ میرا تم سے
دہ ہے۔" میں نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور اچانک ہی مجھے یوں محسوس
ا جیسے میرے بدن کا سارا بوجھ ختم ہو گیا ہو۔ میرا اپنا کوئی وزن نہ رہا ہو۔ حالانکہ میں
پنے قدموں سے چلتا ہوا اس آؤٹ لائن میں داخل ہو کر دوسری طرف نکل آیا تھا
لیکن جیسے ہی میں نے آؤٹ لائن کے دوسری جانب قدم رکھا تھا، مجھے یوں لگا جیسے میں
یک تنکے کی مانند ہو گیا ہوں۔ اتنا ہلکا کہ اگر ہوا کا ایک تیز جھونکا آ جائے تو میرا پورا
جود اڑ جائے۔ بہرحال یہ کیفیت میں نے محسوس کی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہو کیسا لگ رہا ہے؟"

"بہت عجیب؟"

"ہلکے لگ رہے ہو گے۔"

"ہاں۔"

"وجہ جانتے ہو؟"

"نہیں۔"

"اب تم میرے شریر میں ہو یعنی دیکھنے والوں کی آنکھ تمہارا شریر دیکھے گی لیکن میں تمہارا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں۔ یہ بوجھ ایک لمحے میں ہلکا بھی ہو جائے گا یعنی تم اپنے شریر میں واپس آ جاؤ گے۔ بس یہاں سے چلتے ہیں۔"

"کہاں جائیں گے چمپا! کیا تمہیں شہری آبادیوں کے بارے میں معلوم ہے؟"

"ہاں معلوم ہے۔ آؤ بس چلتے رہو۔" اور اس کے بعد بظاہر میں سفر کر رہا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اگر پاؤں نہ بھی اٹھاتا تب بھی میرا یہ سفر جاری رہتا۔ ہم نے جتنا فاصلہ طے کیا اس دوران باتیں کرتے رہے۔ میری زندگی کا کیسا انوکھا تجربہ تھا۔ کسی زمانے میں جب بستی علی جاہ سے باہر نکلا تھا تو مجھے کئی افراد یکے بعد دیگرے ملے تھے اور آخری آدمی حمدو تھا۔ جس نے میرے ساتھ ٹرین میں آخری سفر طے کیا تھا اور اس کے بعد لاپتہ ہو گیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لمحات اس وقت مجھ پر گزر رہے تھے، ان کا میں کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم ایک بہت بڑی شہری آبادی میں داخل ہو گئے۔ یہ فاصلہ کتنے وقت میں طے ہوا تھا اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا لیکن بہرحال ایک عظیم الشان فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم یہ شہر آیا تھا۔ چوڑی چوڑی سڑکیں، کھلے علاقے، بلند و بالا عمارتیں، زندگی سے بھرپور۔ بہرحال اب میں ان تمام چیزوں سے اجنبی نہیں رہا تھا۔

چمپا نے کہا۔ "اب مرد بنو۔ اپنے لئے کوئی اچھی سی جگہ تلاش کرو جہاں تم قیام کر سکتے ہو؟"

"کوئی ہوٹل؟"

"یہ تم جانو اور تمہارا کام۔"

"مگر اس کے لئے رقم؟"

"تمہاری جیبیں کرنسی سے بھری ہوئی ہیں۔ اس کی فکر کیوں کرتے ہو۔ میں ہوں

تمہارے ساتھ۔" میں نے ان الفاظ پر بوکھلا کر اپنی جیبوں کو ٹٹولا اور پھر یہ دیکھ کر مجھے چکر آ گئے کہ ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کی کئی گڈیاں میری جیبوں میں موجود ہیں۔ میں نے ان گڈیوں کو جیبوں کے اندر ہی اندر ٹٹولا اور خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرنے لگا تو چمپا کی آواز ابھری۔

"یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہیں سنسار کے وہ عیش دوں گی کہ تم بھی یاد کرو گے۔ یہ ایک جدید ترین شہر ہے۔ میں تمہیں اتنی اعلیٰ زندگی دوں گی کہ بس تم باقی ساری باتیں بھول جاؤ گے۔" یہ ساری باتیں تو میرے لئے بڑی خوشی کا باعث تھیں۔ اگر ایسی شخصیت ساتھ ہو تو اس کے ساتھ مخلص نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ بہرحال چمپا واقعی ایک عظیم الشان شخصیت ثابت ہوئی تھی اور میں ان روایتوں پر غور کر رہا تھا جو چڑیلوں اور چھلپیریوں کے بارے میں مشہور تھیں کہ وہ قتل کر دیتی ہیں، خون پی جاتی ہیں، یوں کرتی ہیں، ووں کرتی ہیں۔ مجھے تو ایک ایسی شخصیت مل گئی تھی کہ میں بیان سے باہر سمجھتا ہوں۔ بیچارے صوفی صاحب کو یقیناً اس جن نے مارا پیٹا ہو گا جسے میں نے اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بہرحال یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس سے میں جس قدر لطف اندوز ہوتا کم تھا۔ میں نے ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا۔ اس ہوٹل میں چمپا بھی میرے ساتھ موجود تھی اور وہ رات درحقیقت ہوٹل کے شاندار کمرے میں حسین ترین رات تھی۔ بالکل کسی کے حجلہ عروسی کی طرح۔ میں نے تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد چمپا کو آواز دی تو اس کی آواز ابھری۔

"ہاں، بولو کیا بات ہے، کیا تم یہاں خوش ہو؟"

"چمپا! میں خوش ہوں لیکن تم اس طرح نگاہوں سے اوجھل رہو گی تو یہ میرے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"مجھ سے فرمائش کیا کرو۔ مجھے بتاؤ کرو کیا چاہتے ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم ایک حسین سے وجود میں جیسی کہ تم ہو، میرے پاس آؤ۔" جواب میں مجھے اس کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ بڑی دلکش ہنسی تھی۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اچانک ہی میرا جسم بھاری ہو گیا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ چمپا نے میرے وجود کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے ایک سایہ اس کمرے کے غسل خانے کی جانب بڑھا ہے جس میں میرا قیام تھا۔ اندر روشنی ہوئی، اس کے بعد پانی گرنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ واہ بھئی واہ یہ طلسم تو کہا کا ہے۔ کاش اسے دیکھنے والا کوئی اور بھی میرے ساتھ ہوتا لیکن ایسی باتیں کسی کو بتا نہیں جاتیں۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور چمپا اس سے نمودار ہوئی۔ اس کے ل لمبے گھنے سیاہ بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ جسم پر سفید رنگ کا ایک باریک لباس تھا اور اس باریک لباس کے نیچے جو کچھ تھا اسے دیکھ کر انسانی ذہن ا توازن کھو بیٹھتا تھا۔ اس کا مرمریں وجود آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے پاؤں کس طرح کے ہوں گے لیکن اس وقت اس کے پاؤں کو دیکھ کر اپنی حس لطافت ختم نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ طے کر چکا تھا کہ اس پوری قربت کے دوران اگر میں اپنے دل میں اس کے لئے محبت کے چراغ جلا چاہتا ہوں تو مجھے اس کے پیروں کی طرف نہیں دیکھنا ہوگا۔ پیروں کی طرف دیکھ لیا تو سارے چراغ کالے چراغ ہو جائیں گے۔ وہ مسہری پر بیٹھ گئی۔ اس کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ میں نے حیران لہجے میں کہا۔

"یہ لباس تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"لباس۔" وہ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"ہاں۔ بے حد خوبصورت اور ملائم لباس ہے۔"

"وہ سامنے جو الماری نظر آ رہی ہے ناں۔ ابھی جب تم اسے کھول کر دیکھو گے تو اس میں تمہیں اپنے کپڑے بھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا ساتھ حاصل کر کے تم یہ سمجھ لو کہ سنسار کی ہر چیز کو پا لیا ہے۔"

"میں تو تمہیں پا کر یہ سمجھ رہا ہوں چمپا کہ میں نے سنسار کی ہر چیز پا لی ہے۔" میں نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا اور پھر میرے بازو اس کے گرد حمائل ہو گئے۔ چمپا کے ہونٹ مسکرا اٹھے تھے۔ ایک ایسا نسوانی وجود جو جسمانی طور پر اس قدر مکمل' اس قدر حسین' اتنا نرم و ملائم کہ بس انسان الفاظ میں بیان نہ کر سکے' میری ملکیت تھا اور میں اپنی اس ملکیت کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ چمپا میرے سینے میں منہ چھپائے مدہم مدہم سسکیاں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نشہ تیر رہا تھا اور ادھر میں اس کا دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ پھر دیوانگی کے یہ لمحات گزر گئے۔ چمپا میرے بازو پر سر رکھے ایک آسودہ انداز میں لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"معاف کرنا چمپا۔ جو میں کہوں گا' اس کا برا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں مانوں گی۔" اس نے ایک حسین مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"لوگ نہ جانے تمہارے بارے میں کیا کیا کہتے ہوں گے بلکہ کہتے ہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم دنیا کی حسین ترین مخلوق ہو اور اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا میں ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہوں گا تو میں اس کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔"

میرے ان الفاظ پر چمپا پہلے تو مسکرائی پھر اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو بھگوان نے اس سنسار میں ایسے ایسے انوکھے راز رکھے ہیں کہ انسان انہیں سمجھ نہیں سکتا۔ تمہیں حیرانی تو ہوگی کہ میں ایک گندی روح ہونے کے باوجود بھگوان کا نام کیسے لے رہی ہوں تو میں تمہیں بتاؤں کہ میں کبھی کسی زمانے میں گندی آتما نہیں تھی۔ بس یہ ایک کہانی ہے جو کبھی تمہیں بعد میں سناؤں گی۔ اب جو کچھ میں ہوں یا جو کچھ تم سمجھ رہے ہو یا جو کچھ سنسار سمجھتا ہے وہ بھی میری مجبوری ہے لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ تمہیں ہر قیمت پر سنسار میں اپنے جیسے انسانوں سے دلچسپی رکھنی ہوگی' چاہے وہ خوبصورت لڑکیاں ہوں یا تمہارے دوست' تمہارے ساتھی۔ یہ ضروری ہے اور یہ بات میں تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"مگر چمپا کیوں؟"

"یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گی۔ مجھے معاف کرنا۔ ہر آتما کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ یہ میری مجبوری ہے۔"

"ٹھیک ہے' چمپا تم نے مجھے جو زندگی دے دی ہے' میں سمجھتا ہوں میرے لئے اس کا حصول ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ یہ زندگی پانے کے لئے میں نے کیا کیا کوششیں نہیں کیں۔ میں جھوٹا نہیں ہوں چمپا۔ سب سے بڑی بات یہی ہے کہ جھوٹ بولنا میرے لئے ایک مشکل کام ہے لیکن بہرحال..........."

"تم بالکل چنتا نہ کرو۔ ابھی تو میں تمہیں اتنی حسین زندگی دوں گی کہ تم یاد رکھو گے۔ تمہارے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت سا مکان' ایک کار' سنسار میں وہ سب کچھ جو کسی انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔"

"اس کے بدلے میں تمہارے لئے کیا کروں گا چمپا مجھے صرف یہ بتاؤ۔"

"دیکھو۔ تمہیں میرے لئے وہ کرنا ہوگا جو تمہارا من کبھی قبول نہیں کرے گا

لیکن بس میری وہی ایک مجبوری ہوگی۔"

"نہیں چمپا۔ میں تمہارے لئے دنیا کا ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔" وہ مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"وچن دیتے ہو؟"

"ہاں' وعدہ کرتا ہوں۔"

"میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو۔" اس نے کہا اور میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو اس نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں پھنسا کر مٹھی بند کرلی۔

"بس ٹھیک ہے۔ وچن دے چکے ہو' جو کہوں گی وہی کرو گے۔"

"ہاں' چمپا وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆======☆======☆

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ چمپا بہرحال میرے لئے بہت بڑی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ میں جب بھی کبھی اس پر غور کرتا مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ ایسا حسین وجود کسی کو مل جائے جو اس کے لئے دنیا کا ہر کام کردے۔ بہت سی باتیں میرے اور اس کے درمیان ہوتی رہتی تھیں۔ وہ بالکل ایک گھریلو عورت کی طرح میرے ساتھ ہوتی تھی۔ ایک بار میں نے اس سے کہا۔

"چمپا تم اس قدر حسین ہو کہ مجھے اپنی قسمت پر رشک آتا ہے۔ تم انسانی وجود میں میرے ساتھ کیوں نہیں رہتیں۔ اس میں آخر کیا حرج ہے؟"

"حرج ہے۔ سنسار میں' میں صرف ان لوگوں کے سامنے آنا چاہتی ہوں جن سے میرا واسطہ ہو۔ جب میں ایک نادیدہ وجود میں تمہارے ساتھ رہتی ہوں تو کوئی میری آواز نہیں سن سکتا سوائے تمہارے' اور پھر اگر میں انسانی وجود میں رہوں تو میرے پیروں کا کیا ہوگا۔ تم خود بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

"آہ۔ کاش تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتیں۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میری ایک چھوٹی سی کہانی ہے جو میں کبھی تمہیں سنا دوں گی۔"

"نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ مجھے وہ کام بتا دیتیں جو تم مجھ سے لینا چاہتی ہو۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ اس کے لئے تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم لوگ ابھی تک ساتھ رہ رہے تھے۔ اسی ہوٹل میں ہمارا قیام تھا۔ چمپا نے بھی کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔ ہوٹل کے حسین کمرے میں ہم بڑی شان سے رہتے تھے اور پھر ایک دن چمپا نے مجھ سے کہا۔

"میں نے تمہارے لئے ایک گھر تلاش کرلیا ہے اور ایسے انتظامات کردیئے ہیں کہ وہ گھر تمہیں مل جائے۔ وہاں دنیا کی ہر چیز موجود ہے۔ سارا انتظام کردیا ہے میں نے۔ اب ہم یہ ہوٹل چھوڑ دیں گے۔"

"چمپا تم سب کچھ کر رہی ہو اور میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرپا رہا۔"

"بس اب بار بار یہ باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کیا کرو۔ یہ بتاؤ تمہیں میری ذات سے ابھی تک کوئی تکلیف پہنچی ہے؟"

"تم تکلیف کی بات کر رہی ہو چمپا! تمہاری ذات نے مجھے انسانوں کی طرح جینے کا حوصلہ بخش دیا ہے ورنہ مجھ جیسے لوگ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رہا کرتے ہیں۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔ چلو اپنا گھر دیکھ لو۔" اور یہ گھر بس میں کیا بتاؤں کیا چیز تھی۔ ایک بہت ہی حسین مکان تھا جو بہت ہی خوبصورت علاقے میں واقع تھا۔ دنیا کی ہر چیز اس مکان میں موجود تھی اور میں ہزار بار بھی مرکر زندہ ہوتا تو اپنے لئے اتنی شاندار زندگی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ چمپا نے مجھ سے کہا۔

"گھر کے آس پاس بہت سے لوگ رہتے ہیں۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ دنیاداری سیکھو۔ لوگوں سے گھلو ملو۔ اسی سے زندگی کا لطف آتا ہے۔ کیا سمجھے؟"

"مگر مجھے طریقے نہیں آتے چمپا۔"

"گھر سے باہر جایا کرو۔ ٹہلا کرو' چہل قدمی کیا کرو۔" اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا بڑی عجیب ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ بھی تھی کہ میں تو ایک معمولی سے درجے کا انسان تھا۔ وقت نے مجھے بہت کچھ دے دیا تھا۔ وہ ایک الگ بات ہے۔ بہرحال میں نے چہل قدمی شروع کردی اور تیسرے ہی دن میری ملاقات ایک خاندان سے ہوگئی۔ یہ خاندان ہمارے گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک خوبصورت مکان میں رہتا تھا۔ کوئی حسنی صاحب تھے جو اپنے خاندان کے ہمراہ یہاں رہتے تھے۔ بڑے سرکاری ملازم تھے اور اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ بڑے خوش تھے۔ انہوں نے خاص طور سے مجھ سے تعارف حاصل کیا اور کہنے لگے۔

"بھئی معاف کیجئے گا۔ آپ ہمارے پڑوسی ہیں۔ بچے آپ کے بارے میں بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کوئی ایسے صاحب ہوں جو لوگوں سے زیادہ ملنا پسند نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ بس اب ایسا ہوا آپ مل گئے۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ کیا خیال ہے ہماری آپ کی شناسائی کچھ مناسب رہے گی یا نہیں؟"

"حسنی صاحب! انسان تو انسان کا بھوکا ہوتا ہے۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ آپ نے محبت سے مجھ سے ملاقات کی۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری دوستی ہو گئی۔"

"آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"شعبان علی ہے میرا نام۔ آپ مجھے شعبان کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں۔"

"کیا مشغلہ ہے آپ کا؟"

"جی۔ وہ بس کچھ زمینداری ہے' اس سے آمدنی ہو جاتی ہے۔ اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" پھر حسنی صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے۔ انہوں نے اپنے گھر میں مجھے چائے کی پیشکش کی اور اسی وقت میری ملاقات ان کی بیٹی نیلم سے ہوئی۔ نیلم بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتی تھی۔ اس کی آنکھیں گہرے نیلے رنگ کی تھیں اور یہ نیلا رنگ مجھے بہت پسند آیا۔ میں نیلم سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ باتیں بھی بڑی اچھی اچھی کرتی تھی۔ بہرحال میں جب وہاں سے واپس پلٹا تو نیلم میرے ذہن میں آ گئی تھی اور میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بہرحال دوسرے دن نیلم صبح گیارہ بجے کے قریب میرے پاس آ گئی۔ تنہا آئی تھی۔ دروازے کی بیل بجائی تو میں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ اسے دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"ہیلو' شعبان صاحب۔ سوچ تو رہے ہوں گے آپ کہ میں کس طرح کی لڑکی ہوں۔ ایک ہی ملاقات کے بعد بے تکلفی سے یہاں آ گئی لیکن تھوڑی سی انسان شناس ہوں۔ انسانوں سے مجھے واقفیت ہے۔ آپ کے چہرے سے شرافت ٹپکتی ہے۔ مجھے آپ سے ایک کام تھا اس لئے چلی آئی۔"

"آپ آیئے۔ بہت محبت ہے آپ کی کہ آپ نے مجھے ایک اعزاز بخشا۔" پھر میں نے اسے بڑے احترام سے بٹھایا۔ میرے دل میں یہ خیال تھا کہ چمپا جو اس وقت اپنے نادیدہ وجود کے ساتھ معلوم نہیں ہوتی تھی' اگر نیلم کو دیکھے گی اور اس سے میری قربت کا احساس کرے گی تو اس پر کیا بیتے گی۔ بہرحال عورت کی فطرت کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل تھیں۔ نیلم ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی۔

میں نے اس کے لئے چائے وغیرہ کا بندوبست کیا۔

"اس قدر شاندار عمارت میں آپ بالکل تنہا رہتے ہیں؟"

"ہاں نیلم! یوں سمجھ لیجئے کہ ابھی زندگی کا آغاز کیا ہے۔"

"ڈیڈی بتا رہے تھے کہ آپ زمیندار ہیں۔"

"ہاں۔ دیہی زندگی گزارتا رہا ہوں۔ شکل سے ہی دیہاتی لگتا ہوں گا۔ بس دیہات سے اکتایا تو شہر آ گیا۔ تنہا ہوں۔"

"والدین وغیرہ؟"

"نہیں کوئی نہیں ہے۔"

"کوئی بھی آپ کا عزیز واقارب نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔"

"یہ تو کمال کی بات ہے۔ بہرحال اب ہم ہیں ناں۔"

"آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا۔"

"ہاں۔ بہت ضروری۔" نیلم نے کہا اور بے اختیار مسکرا دی۔

"تو مجھے بتا دیجئے۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔"

"کام صرف یہ تھا کہ آپ سے تھوڑی سی باتیں کرنی تھیں۔ اب چلتی ہوں۔ آیئے گا شام میں اگر موقع لگے تو۔ ڈیڈی ایک ملنسار آدمی ہیں۔ آپ کے آنے سے خوشی محسوس کریں گے۔"

میں نے گردن خم کر دی تھی۔ میرے دل میں چور تھا۔ جب مجھے چمپا نظر آئی تو میں نے اسے نیلم کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ چمپا نے بھی حیران کن طریقے سے نیلم کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ میں نیلم کے ہاں آنے جانے لگا۔ کئی دن گزر گئے۔ ابھی تک نیلم سے میری شناسائی صیغہ راز میں تھی۔ اس دن شام کی چائے پر میں نیلم کے ساتھ موجود تھا کہ ایک خوبصورت کار گیٹ پر آ کر رکی اور اس سے ایک نوجوان شخص اتر کر اندر آ گیا۔ حسنی صاحب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا اور پھر اس سے میرا تعارف کراتے ہوئے بولے۔

"یہ مسعود ہے۔ احمد مسعود اور احمد یہ شعبان صاحب ہیں۔ ہمارے نئے پڑوسی۔ بہت ہی ڈیسنٹ آدمی ہیں۔ بہت ہی اچھے انسان ہیں اور میں آپ کو بتاؤں' مسٹر شعبان! مسعود نیلم کے منگیتر ہیں۔ ابھی ہم لوگ ان کی شادی تو نہیں کر رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن تقریباً ایک سال بعد نیلم ان کی زندگی میں شامل ہو جائے گی۔"

اتنی دیر میں نیلم سامنے سے آتی ہوئی نظر آئی۔ منصور کو دیکھ کر ایک لمحے لئے وہ ٹھٹک گئی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ نیلم نے بھی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو مجھے محسوس ہوا مسعود کو دیکھ کر نیلم کے چہرے پر کوئی خوشگوار تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ کھوئی کھوئی س کر بیٹھ گئی اور بہت دیر تک وہ یہاں بیٹھی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں چلتی ہوں ڈیڈی! میری طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"ارے کیا بات ہے نیلم۔ میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" مسعود نے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" اور اس کے بعد وہ اندر چلی گئی۔ میں نے مسعود کو کسی ق بے چین دیکھا تھا اور نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ مجھے یوں لگ جیسے مجھے نیلم کی اس بات سے خوشی ہوئی ہو لیکن میری کیفیت بڑی عجیب سی ہو ر تھی۔ میں ذرا سا الجھا ہوا تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ اگر نیلم اس کی منگیتر اور چمپا کو اس بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہوئیں تو چمپا کا رویہ کیا ہوگا لیکن ا رات چمپا نے میرے دل و دماغ پر جو دھماکہ کیا وہ میرے لئے ایک طرح سے ناقا یقین تھا۔ وہ میرے بستر میں موجود تھی۔ اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ اور سچی با یہ ہے کہ اب اس کی جانب سے میری رغبت کچھ کم ہو گئی تھی۔ میں اس کے بدن ایک ایک نقش کا شناسا تھا اور انسانی فطرت بے حد عجیب ہے۔ اس کی تفصیل میں جاؤں تو بہتر ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی جناب! آپ جو کھیل کھیل رہے ہیں' آپ نے اس کو مجھ سے چھپانے کوشش کی۔ کیا خیال ہے' کیا یہ کوئی اچھی بات ہے؟" میرے رونگٹے کھڑے ہو تھے۔ میں نے گھبرا کر چمپا کو دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "میں نے تو آپ سے خو تھا کہ کسی انسان سے رغبت آپ کی فطرت کا ایک حصہ ہوگی اور آپ فطرت بغاوت نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"سوری چمپا! مجھے بہت افسوس ہے۔ واقعی تم عظیم ہو۔ بس میں ڈرتا تھا کہ ک تم ناراض نہ ہو۔"

"دیکھو۔ ہر ایک کی اپنی اپنی ضرورت ہوتی ہے۔ میری بھی اپنی کچھ ضرور ہیں۔ تمہاری بھی ضرورتیں ہیں۔ تمہیں جو کچھ درکار تھا' میں نے کوشش کر

تمہارے لئے حاصل کیا ہے۔ میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں اور تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میں نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گی اور تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب میں تم سے کسی کام کے لئے کہوں گی تو تم اسے پورا کر دو گے۔"

"ہاں چمپا کیوں نہیں۔ میں تو منتظر ہوں کہ تم مجھے اپنا کوئی کام بتاؤ۔"

"اب وقت آ گیا ہے شعبان کہ میں تم سے دل کی وہ بات کہہ دوں جو میں نے اب تک کسی سے نہیں کہی ہے۔"

"اگر تم نے کسی خاص وجہ سے مجھ سے وہ بات نہیں کہی ہے چمپا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو تمہاری اس محبت کے جواب میں تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔" میرے ان الفاظ پر چمپا میری صورت دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"مجھے ایک ایسی چیز درکار ہے جس کے بارے میں سن کر شاید تم پریشان ہو جاؤ لیکن اس سے پہلے میں تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔" میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی خیال میں گم ہوتی جا رہی ہو۔ اس کی آنکھیں خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی تھیں اور اس کے چہرے کے نقوش بدلتے جا رہے تھے۔ میں نے کسی انسان کے نقوش اس طرح بدلتے ہوئے نہیں دیکھے تھے۔ چمپا کے ہونٹوں سے ایک مدھم سی آواز پھوٹ پڑی۔

"ہاں۔ ساودھان سارسی۔ ساودھان سارسی کی بلند و بالا پہاڑی چوٹیاں جن کا رنگ کالا ہے۔ ان چوٹیوں میں ایک غار ہے۔ ایک بہت ہی پُراسرار غار اور اس غار میں سات چراغ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سات چراغ سات سنسار کے چراغ ہیں اور اگر انہیں روشن کر دیا جائے تو سمجھ لو کہ سنسار تمہاری مٹھی میں ہے۔ وہی چاہئے مجھے۔ ان چراغوں میں خون جلتا ہے۔ تیل نہیں جلتا۔ ایک ایک کر کے مجھے یہ ساتوں کالے چراغ روشن کرنے ہیں اور جب ان کی کالی روشنی غار سے باہر نکل کر سنسار میں پھیلے گی تو سنسار باسیوں کو صرف ایک ہی نام یاد ہوگا۔ چمپاوتی۔ چمپاوتی۔ چمپاوتی۔" چمپا کا چہرہ شدت جوش سے تمتمانے لگا لیکن میری عقل حیران تھی۔ میں تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر میں نے کہا۔

"چمپا! وہ چراغ خون سے روشن ہوں گے۔"

"ہاں۔ سات انسانوں کے خون سے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کچھ بچے پیروں کی

طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ پائل کہلاتے ہیں۔ سات پائل انسانوں کا خون ان ساتوں چراغوں کو روشن کرے گا اور پھر چمپاوتی' چمپاوتی بن جائے گی۔ یہ میرا خواب ہے۔ شعبان! یہ میری آرزو ہے اور تمہیں اس کے لئے میری مدد کرنا ہو گی۔"

"مم.......... مجھے۔" میں نے کہا اور چمپاوتی کی نگاہیں میری جانب گھوم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یاقوتوں کو تراش کر اس کی آنکھیں بنا دی گئی ہوں۔ سرخ یاقوت جو بھیانک بھی لگ رہے تھے اور حسین بھی۔ اس کے چہرے کا اس وقت کا حسن دیکھنے کے قابل تھا۔ اصل میں وہی بات ہوتی ہے کہ انسان کو جو چیز حاصل ہو جائے تو وہ اس کی نگاہوں میں بے وقعت ہو جاتی ہے جبکہ کسی دوسرے انسان کو اس چیز کو پیش کر دیا جائے تو وہ دل پکڑ کر رہ جائے گا۔ یہی کیفیت اس وقت میری تھی۔ چمپاوتی میرنے لئے بے شک اب بھی ایک حسین عورت تھی لیکن ایک ایسی عورت جس کے سارے وجود سے میری شناسائی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے چمپاوتی میری آنکھوں کے راستے میرے دماغ تک پہنچ گئی ہو۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھو۔ انسان کو خود غرض نہیں ہونا چاہئے۔ خود غرضی بڑی ہی خوفناک چیز ہوتی ہے اور جہاں اس کا عمل شروع ہوتا ہے تو سمجھ لو سنسار میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ میری بات سمجھ میں آ رہی ہے ناں۔ خیر اس بارے میں بعد میں بات ہو گی۔ تم نے کیونکہ اس بارے میں یہ بات پوچھی تھی' اس لئے میں نے تمہیں بتا دی۔ چھوڑو ان باتوں کو۔" اور اس کے بعد اس نے میرے ذہن سے وہ تمام خیالات مٹا دیئے لیکن تنہائی میں جب میں غور کرنے بیٹھا تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ ساری پُراسرار قوتیں مجھے ہی گھیر گھار کر ایسے گناہوں کی طرف کیوں لاتی ہیں جو میرے لئے پریشانی کا باعث ہوں یا مجھ سے کوئی ایسا کام کرائیں جو درحقیقت ایک غیرانسانی عمل ہو جبکہ میں فطری طور پر اس طرح کا انسان نہیں ہوں۔ میں نے اس کم بخت سادھو کو بھی ٹال دیا تھا۔ ٹال کیا دیا تھا بلکہ یہ تو مجھے حیرانی تھی کہ اس نے میرے لئے اتنا کچھ کیا تھا اور میں نے اس کی چھوٹی سی بات نہیں مانی تھی۔ اس کے نتیجے میں اس نے مجھ سے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی بلکہ راستے سے ہٹ گیا۔ کیا وہ اتنا ہی شریف آدمی تھا حالانکہ بینک کا معاملہ تو اس نے ختم کر دیا تھا یعنی جو کچھ اس نے مجھے دیا تھا' وہ واپس چھین لیا تھا البتہ اس کے بعد اس نے ابھی تک میری طرف رخ نہیں کیا تھا۔ کیا وہ کبھی میری جانب رخ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ـرے گا اور اگر کرے گا تو کیا مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ہو سکتا ہے ایسا ـ جائے لیکن بہرحال یہ ایک سنگین کوشش ہوتی۔ میں تو وہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا ـ اس کی آرزو تھی لیکن یہ حسین فتنہ جس کا مقصد بھی اتنا ہی خوفناک تھا۔ اصل میں ـت یہ تھی کہ یہ مذہباً ہندو تھی لیکن یہ تو بری بات ہے شعبان کہ تم نے اپنا مقصد تو ـورا کر لیا یہ جانے بغیر کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان اور جب اس کی باری آئی تو منہ چرانے لگے۔

بہرحال یہ ساری باتیں بعد کی باتیں تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ویسے میری زندگی کے لئے جتنے دلچسپ سامان پیدا ہو گئے تھے میں ان کے بارے ـیں سوچتا تھا تو حیران رہ جاتا تھا۔ بستی علی جاہ میں تو میرے لئے کچھ بھی نہیں تھا' سوائے ـیک سادہ سی زندگی کے اور اب دنیا کی یہ تمام روشنیاں میرے سامنے جل اٹھی ـتھیں۔ مسئلہ صرف اتنا سا تھا کہ ہاتھ آگے بڑھاؤں اور ان سارے سامانوں کو اپنے ـدامن میں سمیٹ لوں۔ بہرحال یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا' ـاسے اس وقت تو ذہن سے نکال دیا ورنہ پھر انہی الجھنوں کا شکار ہو جاتا البتہ نیلم میرے لئے خاصی بے چین ہو گئی تھی۔ دوسرے دن اس وقت جب چمپاوتی کا کوئی وجود میرے پاس نہیں تھا' نیلم میرے پاس آ گئی۔ اب مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ چمپا جان بوجھ کر میرے پاس سے چلی گئی ہے یا پھر یہ صرف اتفاق ہے۔ ویسے اب میں اس کا اس حد تک عادی ہو گیا تھا کہ جب بھی وہ دیدہ یا نادیدہ حالت میں میرے پاس ہوتی' مجھے اس کا اندازہ ہو جاتا یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ اس کے وجود کی خوشبو یا پھر اس کے بدن کی آہٹیں' اب میری اس قدر شناسا ہو گئی تھیں کہ میں ایک لمحے کے اندر اس کی موجودگی اور ناموجودگی کا پتہ چلا لیتا تھا۔ نیلم کو دیکھ کر مجھے ایک خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت وہ کافی جذباتی نظر آ رہی تھی۔ میرے قریب آئی' سلام دعا کر کے مجھ سے ہاتھ ملایا اور پھر میرا ہاتھ نہ چھوڑا۔ ایک لمحے کے لئے تو میں نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن جب اس نے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو میں نے بھی مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"ہیلو نیلم! آپ تنہا ہیں؟"

"کیوں' آپ کیا چاہتے تھے۔ کسے آنا چاہئے تھا میرے ساتھ؟" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔

"جی میں سمجھا نہیں۔"

"کس کو چاہتے تھے آپ میرے ساتھ بتایئے تو سہی۔"

"عجیب سا سوال ہے نیلم! اصل میں' میں یہ بات صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ بہرحال آپ ایک خاتون ہیں اور یہ مکان تنہا ہے۔"

"کیوں' تنہا کیوں ہے۔ آپ نہیں ہیں یہاں؟" وہ بدستور میرا ہاتھ پکڑے پکڑے بولی۔

"آپ کو مجھ پر اعتماد ہے۔"

"ابھی نہیں ہے لیکن اعتماد کرنا چاہتی ہوں اور جس اعتماد کی آپ بات کر رہے ہیں وہ مجھے آپ پر ہے کیونکہ میں نے بھی اس دنیا میں جھک نہیں ماری ہے۔ گھر سے باہر نکلی ہوئی لڑکی ہوں۔ دیکھا ہے میں نے دنیا کو۔ دنیا کے سارے رنگ دیکھے ہیں میں نے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگ کس طرح حسین لڑکیوں کا لمس حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ جیسے شریف لوگ جن کی نگاہوں میں کبھی کوئی برائی نہیں ابھرتی۔"

"عزت افزائی ہے آپ کی نیلم! آیئے بیٹھیے۔" وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے ایک صوفے کی جانب بڑھی اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

"آپ آرام سے بیٹھیے۔"

"آپ بھی بیٹھ جایئے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ ہاتھ چھوڑ دوں تو آپ یقین کریں' یہ آسان نہیں ہو گا۔"

"میں سمجھا نہیں نیلم۔ آپ بیٹھیے تو سہی۔" وہ کچھ عجیب سے انداز میں جذباتی ہو رہی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے بیٹھ گئی پھر بولی۔

"ایک بات کہوں شعبان صاحب! پاگل کہہ لیں آپ مجھے آوارہ نہ سمجھیں' بدکردار نہ سمجھیں۔ آپ کی بڑی نوازش ہو گی۔ بہت ہی احسان مانوں گی آپ کا۔ جو دل چاہے مجھے کہہ لیں لیکن ایک بے کردار لڑکی نہ سمجھیں کہ زندگی میں' میں نے کبھی کسی کی جانب اس انداز میں قدم نہیں بڑھائے۔ میرے والد صاحب بہت شریف انسان ہیں۔ بہت ہی شریف۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اس سلسلے میں' میں کوئی روایتی کردار ادا نہیں کروں گی۔ میرے والد صاحب نے جب بھی مجھے کسی اچھے نوجوان سے شادی کرنے کے لئے کہا' میں انہیں یہ حق دوں گی اور کہوں گی کہ ڈیڈی یہ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کا کام ہے۔ آپ میرے لئے کیا زندگی منتخب کرتے ہیں۔ مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے لیکن معاف کیجئے گا جب انہوں نے یہ فیصلہ احمد کے لئے کیا تو میرا دل و دماغ جل اٹھا۔ احمد کو ہم لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اصل میں احمد کا بہت ہی گہرا تعلق میری ایک دوست سے رہ چکا ہے اور میری وہ دوست مجھے احمد کے بارے میں پہلے ہی بتا چکی تھی۔ اس وقت جب حسنی صاحب نے احمد کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ بتا چکی تھی کہ احمد ایک آوارہ مزاج نوجوان ہے۔ اس نے مجھے کچھ تصویریں بھی دکھائی تھیں۔ میں اس قدر جرأت مند نہیں ہوں کہ احمد کی تصویریں ڈیڈی کے سامنے پیش کر دیتی لیکن میں نہیں چاہتی کہ اس جاہل آدمی سے میری شادی ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی ہوں بلکہ نہ جانے کیوں آپ کی شکل میں مجھے ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جو مجھے احمد سے بچا لے گا۔ جو مجھے سمجھ جائے گا۔"

"مجھے بہت ہی افسوس ہے۔ مجھے بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"تو میں آپ سے صرف اتنا کہوں گی شعبان کہ مجھے احمد سے بچا لیجئے۔ آپ مرد ہیں۔ دنیا کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ دنیا میں آگے بڑھ کر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا ذریعہ نکال لیں جس سے احمد میرے راستے سے ہٹ جائے۔ ورنہ میں زندگی دے دوں گی۔"

یہ لڑکی سر سے پاؤں تک حسن و جمال کا پیکر تھی اور میرے بارے میں آپ اتنا تو جان ہی چکے ہوں گے کہ زندگی میں صرف ایک ہی شوق تھا یعنی حسن پرستی۔ ایسی حسین لڑکی کو بھلا دکھی کون دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں کچھ سوچتا ہوں' کچھ کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیا کر سکتا ہوں لیکن یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔" نیلم بے اختیار میرے سینے سے آ لگی۔ اس نے اپنا رخسار میرے سینے سے رگڑنا شروع کر دیا اور میرے ذہن میں جذبات کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اسے دیکھتا رہا پھر میں نے اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے جوڑ دیئے۔ کافی دیر تک نیلم میرے پاس رہی۔ وہ مجھ سے میرے اہل خاندان کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی اور یہ ایک اچھی بات تھی کہ اس نے میرے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں چلتی ہوں لیکن آپ یہ نہ سوچئے کہ آپ مجھ سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔"

"نہیں نیلم اگر ایسا ہوتا تو میں آپ سے صاف صاف منع کر دیتا کہ میں آپ کا کام نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ کیسے ہوگا اس کے بارے میں ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔" پھر نیلم چلی گئی اور میں الجھے ہوئے انداز میں پیشانی مسلنے لگا۔ تب اچانک غسل خانے کا دروازہ کھول کر چمپا باہر نکل آئی۔ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"ارے تم یہاں؟"

جواب میں چمپا مسکرا دی۔ "ہاں۔"

"مگر میں نے تو تمہیں غسل خانے میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔"

"کیسی بھولی بھالی باتیں کرتے ہو۔ میں کہاں جاتی ہوں اور کہاں نہیں جاتی تمہیں کیا معلوم۔" وہ آگے بڑھی اور ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"نیلم کیا کہہ رہی تھی؟"

"وہ............ وہ چمپا۔"

"گھبراؤ نہیں یہ بات میں تمہیں بتا چکی ہوں اور میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے لئے یہ بہت ہی اچھی بات ہے ورنہ اگر میں کسی کی رقیب بن جاتی تو پھر تمہارے لئے زندگی بڑی تلخ ہو جاتی۔"

"میں سمجھا نہیں چمپا۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"تمہارے ہونٹوں پر اب بھی اس کے ہونٹوں کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔" چمپا نے میرے ہونٹوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میرا ہاتھ جلدی سے اپنے ہونٹوں پر پہنچ گیا۔ چمپا بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ پھر وہ بولی۔ "دیکھو اسے کہتے ہیں' چور کی داڑھی میں تنکا۔ حالانکہ ذرا یاد کرو اس نے کوئی لپ اسٹک نہیں لگائی ہوئی تھی۔"

میں ایک دم سے جھینپ گیا پھر میں نے کہا۔

"عجیب مذاق ہے تمہارا چمپا۔"

"نہیں۔ پر ذرا اسے محسوس کرو اور اپنی خوش قسمتی اور میری صاف دلی کی داد دو۔ میں نے کہا ناں' اگر میں کسی ایسی لڑکی کی رقیب بن جاتی جو تم سے محبت کرتی ہے تو اس لڑکی کے لئے تو تمہاری قربت اور تمہارے لئے اس کا پیار حاصل کرنا ایک ناممکن

کام ہو جاتا۔ بولو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں۔" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک عجیب و غریب محبت ہے۔ محبت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے تم سے شعبان کہ میں بھی تم سے واقعی محبت کرنے لگی ہوں لیکن میری شرط اپنی جگہ برقرار ہے یعنی میں نے تمہارے لئے جو کچھ بھی کیا ہے میری تمہاری قربت کتنی ہی گہری ہو جائے لیکن میرا کام تمہیں کرنا ہوگا۔"

"تو بابا میں نے کب انکار کیا ہے۔ ویسے واقعی تم بہت عجیب لڑکی ہو۔"

"ہاں۔ تم سمجھتے نہیں۔ مجبوریاں انسان کو کیا کیا رنگ دے دیتی ہیں۔ تم کیا جانو' خیر چھوڑو ان باتوں کو نیلم جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ میں نے سن لیا ہے اور میں اب خود بھی تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں بولو چمپا۔" میں نے کہا۔

"اس کا نام احمد ہے جس کے بارے میں وہ تم سے کہہ رہی تھی۔"

"ہاں۔"

"احمد بہت صاحب اختیار ہے۔ ایک دولت مند آدمی ہے اور حسنی صاحب کسی بھی طرح اس شادی سے انکار نہیں کر سکتے۔ چاہے انہیں اپنی بیٹی پر ظلم کرنا پڑے۔ کوئی امکان نہیں ہے کہ احمد اور نیلم کی شادی نہ ہو ہاں بس اس کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے اور اس ترکیب پر تمہیں عمل کرنا ہے۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"احمد کا خون کر دو۔ قتل کر دو اسے۔" چمپا نے کہا اور میں بری طرح اچھل پڑا۔ میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چمپا کو دیکھا اور کہا۔

"چمپا کیا کہہ رہی ہو؟"

"وہ پائل ہے۔ کالے چراغ کا پہلا تیل اس کا خون بنے گا۔"

"چمپا!"

"کیا انکار کرنا چاہتے ہو۔ پہلے ہی مرحلے پر اپنے آپ کو جھوٹا اور فریبی ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"وہ تو ٹھیک ہے چمپا لیکن.........."

"کچھ نہیں۔ یہ میرا حکم ہے۔ مجھے اس کے خون کی ضرورت ہے اور تم اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انکار نہیں کر سکتے۔ انکار کا مطلب ہے کہ تم عہد شکنی کر رہے ہو اور یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ میں دنیا میں ہر شخص کو معاف کر سکتی ہوں لیکن جس کے لئے میں نے اپنے پیار اپنے خلوص کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں اگر اس نے میرے کسی عمل سے منہ چرایا تو میں تم سے صاف کہہ رہی ہوں کہ اس دنیا میں مجھ سے بڑا تمہارا دشمن اور کوئی نہیں ہو گا۔ تم اپنی آخری کوشش کر لو گے مجھے نقصان پہنچانے کی۔ میں نقصان اٹھاتی رہوں گی لیکن آخر کار ایک دن تم پر قابو پالوں گی اور اس وقت میری ذات سے تمہیں جو نقصان پہنچے گا۔ وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ارے ارے۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں نے منع تو نہیں کیا۔"

"دیکھو' آج تک تم نے مجھ سے جو کچھ کہا ہے میں نے آنکھیں بند کر کے اس پر گردن ہلائی ہے۔ بولو میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"نہیں۔"

"اور جب میں نے پہلی بار تم سے اپنا کام کہا تو تم نے محبتوں کے سارے دعوے کرنے کے باوجود اس کام کے سلسلے میں غور کیا۔ جانتے ہو میں کیا چاہتی تھی کہ جب میں تم سے اپنی پہلی فرمائش کا اظہار کروں تو تم کہو کہ چمپا یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تمہارے لئے تو میں دنیا کا ہر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ محبت اور سپاس گزاری اسی کو کہتے ہیں۔ سمجھ رہے ہو ناں۔ تم اگر بد عہدی کرو گے تو اتنا بڑا نقصان اٹھاؤ گے کہ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"نہیں میں بد عہدی نہیں کروں گا۔"

"تو پھر اقرار کر لو اس بات کا کہ تم اسے قتل کرو گے۔"

"ہاں۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور میری رگوں میں خون کی روانی بے حد تیز ہو گئی۔ کچھ دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد چمپا مسکرا دی۔

"مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ تم نے سچے دل سے میری بات مان لی ہے اور میرے لئے وہ کچھ کرنے پر تیار ہو گئے جو میں نے کہا ہے لیکن اب اپنے آپ کو پر سکون چھوڑ دو۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے۔ آسانی سے کرنا ہے اور اس کے لئے تمہارے پاس بہت وقت ہے۔ ہم لوگ اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔" میں خاموش ہو گیا۔ بہرحال اس کے بعد چمپا بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی پھر بولی۔

"ہم لوگوں کو گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔ تم نے مجھے تو اس قابل سمجھا ہی نہیں ہے کہ مجھے لے کر سیر و تفریح کے لئے نکلو۔"

"چمپا کیسی باتیں کرتی ہو۔ تم نے مجھے دنیا کی ہر خوشی سے روشناس کرایا ہے۔ سب کچھ سکھا دیا ہے تم نے مجھے۔ اس کے بعد تم ایسی بات سوچتی ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تو چلو پھر گھومنے پھرنے چلتے ہیں۔" اور اس کے بعد چمپا نے ایک جدید ترین لباس پہنا۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا کہ جب چاہتی وہ کسی حسین صورت میں نظر آتی اور جب چاہتی نگاہوں سے روپوش ہو جاتی۔ ہم دونوں کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ یہ کار بھی چمپا ہی کا عطیہ تھی اور میں نے اسے بہت جلدی ڈرائیو کرنا سیکھ لیا تھا۔ بہرحال میں چمپا کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا اور میں نے محسوس کیا کہ جہاں بھی ہم جاؤں گئے' ہم دونوں کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ چمپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں۔ تمہاری وجہ سے میری بھی عزت بن گئی ہے۔" چمپا کے چہرے پر فخر کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کہا۔

"ایک بات بتاؤں میں تمہیں۔ سات کالے چراغ روشن ہو گئے تو ہماری حیثیت کیا ہو گی۔ اگر تفصیل بتا دوں تو دیوانے ہو جاؤ گے۔"

"اگر تم میری دیوانگی کو پسند کرو تو میں دیوانہ ہونے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"دیکھو شعبان! انسان اتنا کہے جتنا کر سکتا ہے۔ میں اب بھی تمہیں بڑے دکھ سے یہ بات بتا رہی ہوں کہ میرا کام کرتے ہوئے تمہارے دل میں تردد کی ایک لکیر ابھرتی ہے۔"

"تم غلط نہیں کہہ رہی ہو چمپا! لیکن ایک بات سنو۔ حقیقتوں پر غور کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں کہاں غلط ہوں اور کہاں سچ۔ چمپا! میں تمہیں اپنے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا چکا ہوں۔ معمولی سا آدمی ہوں۔ ایک مولوی صاحب کا بیٹا! ایک چھوٹی سی بستی کا رہنے والا دیہاتی جو زندگی کی مشکلات اور حالات کے تھپیڑوں سے گزرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔ یہاں بھی میں کچھ نہیں ہوں۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو اچھی طرح۔ اب اگر میں اپنے آپ کو ایک اعلیٰ پائے کا غنڈا' بدمعاش' چور' قاتل ثابت کروں تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چمپا یہ تو تم سے جھوٹ بولنا ہو گا ناں۔ ایسا کام میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا۔ اب جب میں ایسا کوئی کام کروں گا تو ظاہر ہے اس میں مجھے کوئی جھجک کوئی دقت تو ہی۔ کیا میں تم سے جھوٹ بولوں کہ ایسے کام میں بہ آسانی کر سکتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تمہیں۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ میری زندگی کی اہم ضرورت ہے۔"

"ہاں' ہاں تو میں نے انکار کب کیا ہے۔ جب تم میرے لئے اتنا کچھ کرنے پ ہو اور کر رہی ہو تو میں تمہارے اس کام سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

"ہاں۔ یہ بڑا ضروری ہے۔ تم نے پوچھا نہیں کہ اگر ہم اپنے مشن میں کام ہو جائیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ چلو چھوڑو اس وقت۔ اس موضوع پر پھر کسی وقت کریں گے لیکن میں تمہیں صرف اتنا بتا دوں کہ دنیا بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہوئی ہے۔ سنسار میں بہت بڑے بڑے آسانی لوگ رہتے ہیں اور ہمیں ان کے ر پر جگہ ملے گی۔ ہمیں وہ ملے گا جو کسی کو نہیں مل سکتا۔ ہم وہ کریں گے جو سنسا کسی نے بھی نہ کیا ہو گا۔ خیر کبھی اس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ وہ ا کتنی خوبصورت جگہ ہے۔" اس نے کہا اور میں سامنے کی طرف دیکھنے لگا لیکن ذہن بدستور سنسناہٹوں کا شکار تھا۔

اس رات چمپا میری آغوش میں نہیں تھی لیکن میرے لئے سوچ کے لا دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں بہت غور کر رہا تھا۔ ایک وہ کم بخت کالی چرن تھا نے مجھے ایک بھیانک اور انتہائی مکروہ عمل بتایا تھا یعنی شمشان گھاٹ سے ایک کھو حاصل کی جائے' اسے پیس کر اس کا پاؤڈر بنایا جائے اور یہ پاؤڈر ایک گیارہ سالہ کو ذبح کر کے اس کے خون میں ملایا جائے۔ توبہ توبہ ایسا عمل میں بھلا کیسے کر سکا لیکن کیا چمپا کے لئے میں احمد کا خون کر سکوں گا۔ بہت دیر تک میں اپنے وجود میں ا رہا۔ اگر تعویذ کا وہ کاروبار اس چھوٹی سی بستی میں چل جاتا تو آج یہاں تک نہ ہوتا۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ زندگی کی امنگیں میرے دل میں بھی تھیں۔ یہ جو کچھ کے ذریعے مجھے حاصل ہوا تھا' میری زندگی کے سنہرے دور' میں داخل ہوتا تھا لیکن سنہرا دور........... کیا میں اس دور کو قائم رکھ سکوں گا۔ آخری فیصلہ میں نے یہی کہ بہر حال مجھے چمپا کی ہدایت پر عمل کر کے ایک مجرم بننا ہو گا۔ یہ میری مجبوری تھ

☆======☆======☆

بہر حال جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا' وہ فطرت کے بالکل خلاف تھا۔ انسانی زندگیوں میں کھلے ہوئے پھولوں کا رسیا تھا۔ مجھ جیسے آدمی کو اگر کانٹوں کی تقسیم کا کام سونپ دیا جائے تو بلاشک وشبہ بڑے دکھ کی بات تھی۔ میں نہ جانے کیسی کیسی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور میرا دل لرز رہا تھا لیکن بہر حال میں نے خود کو سنبھالا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ شعبان بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو۔ کون سے ذرائع ہیں تمہارے پاس جن سے تم زندگی کی خوشیاں سمیٹ سکو۔ کیا ایسا کوئی عمل ہے تمہارے پاس' کیا ایسا کوئی عمل کر چکے ہو۔ جو کچھ اب تک کر چکے ہو اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے ہو۔ خواہ مخواہ اِدھر سے اُدھر گردش کرتے رہو۔ بس اسی میں زندگی گزر جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ دو اور کچھ لو کا کھیل شروع کرو۔ وہی ضروری ہے اور وہی وقت کی ضرورت ہے۔ ورنہ زندگی میں کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کالی چرن بھی ایسی ہی کوئی چیز چاہتا تھا لیکن اس وقت نہ کوئی ماحول پیدا ہوا تھا اور نہ ہی کالی چرن نے مجھے کوئی بہت بڑا مان دیا تھا جبکہ اس لڑکی نے مجھے زندگی کی ان لطافتوں سے ہمکنار کرایا تھا جنہیں پانے کے بعد انسان بہت کچھ کھونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ فرق تھا اس میں اور کالی چرن میں اور میں........... بہر حال میں تو جو کچھ تھا ہی۔ پھر باقی وقت میں نے سنجیدگی سے اس پلاننگ میں گزارا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے حالانکہ وہ شخص جس کا نام احمد تھا' ایک اچھی خاصی تر و تازہ شخصیت کا مالک تھا لیکن اس کے بارے میں نیلم نے بھی جو کچھ بتایا تھا' وہ بھی ذرا دکھ کی بات تھی۔ اگر اس نے اس طرح لڑکیوں کو دھوکا دینے کے منصوبے بنائے تھے تو اس جیسے آدمی کو بھی کوئی نقصان پہنچنا ہی چاہئے۔ اب یہ ہنسی کی بات تھی کہ اسے نقصان پہنچانے جا رہا تھا میں جو خود بھی کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ بہر حال دنیا کے کھیل یونہی چلتے ہیں۔

دوسرے دن صبح کو جب میں جاگا تو چمپا میرے پاس موجود نہیں تھی۔ میں نے اسے بہت سی آوازیں دیں اور اب یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ چمپا کہاں جاتی ہے' ویسے یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ اب چمپا کا وجود مجھ پر سے کم ہو گیا تھا حالانکہ وہ ایک غیر مرئی شخصیت تھی لیکن اس کے باوجود انسان اپنی عورت کو بھٹکتے کب دیکھ سکتا ہے لیکن چمپا اب اگر کہیں چلی جاتی تھی تو مجھے اس کے سلسلے میں کوئی تشویش نہیں ہوتی تھی۔ البتہ چمپا کی غیر موجودگی نے مجھے تھوڑا سا یہ فائدہ پہنچایا تھا کہ آج میں اپنی پلاننگ کے لئے مکمل طور سے تیار تھا۔ نیلم اس دن کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد سے مجھے آج تک نہیں ملی تھی۔ پتہ نہیں اپنے منہ سے مجھ سے محبت کا اظہار ک کے بعد اس کی ذہنی کیفیت کیا ہو گئی تھی اور اس نے کیا سوچا تھا۔ اس بارے میں اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن بہرحال وہ مجھے ملی نہیں تھی۔ ناشتے وغیرہ سے فرا حاصل کرنے کے بعد میں نے کار نکالی اور وہاں سے چل پڑا۔ مجھے یہ نہیں معلوم ؛ احمد کہاں رہتا ہے۔ اس کے بارے میں وہاں سے بھی معلومات حاصل نہیں کر سک کیونکہ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ پر' فرمائش تو مجھ سے چھپانے کی تھی کہ احمد کا کر دوں۔ نیلم نے اس بات کا اظہار ضرور کیا تھا کہ وہ احمد سے بیزار ہے لیکن اگر ا اس بات کا شبہ بھی ہو جاتا کہ میں ایک قاتل ہوں تو شاید وہ مجھ سے بھی نفرت کر لگتی۔ یہ تو اس نے مجھ پر چھوڑ دیا تھا کہ میں اسے احمد سے کیسے نجات دلا سکتا ہوں یہ بھی میری خوش قسمتی ہی تھی کہ اس وقت احمد کو میں نے ایک کار میں نیلم کے سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ احمد غالباً ادھر آیا ہوا تھا اور میں خوب چکر لگانے کے بعد ڈھلے گھر واپس جا پہنچا تھا لیکن احمد کی کار دیکھ کر میں جلدی سے سنبھل گیا اور کار اترتے اترتے رک گیا۔ پھر اس کے بعد میری کار احمد کے تعاقب میں چل پڑی تھ میں نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ احمد بڑے مست انداز میں کار ڈرائیو کر رہا ہے۔ کوئی ایسا ہی تصور اس کے ذہن میں تھا جو اسے خوش کئے ہوئے تھا۔ ایک لمحے کے میرے دل میں اس کے لئے رحم کے جذبے جاگے لیکن پھر میں نے سوچا کہ یار د باتیں ہیں۔ اپنی زندگی چاہتے ہو تو ان تمام جذبوں کو بھلانا ہو گا۔ مذہب کا معاملہ با الگ بات ہے لیکن اس صورت حال میں مجھے وہ تو کرنا ہی ہو گا ورنہ اس کے بعد کے عتاب کا شکار ہو جاؤں گا۔ یہ ساری زندگی چھن جائے گی جو رفتہ رفتہ میری عاد بنتی جا رہی تھی۔

میری کار احمد کی کار کا تعاقب کرتی رہی اور اس کے بعد میں نے اسے سا سمندر کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں امیر لوگوں کے ہ بنے ہوئے تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور شام اچھی طرح چکی تھی۔ تاحد نگاہ پھیلی ہوئی نیلے سمندر کی بے قرار موجیں' سفید سفید جھاگ بنا تھیں اور ان کی آواز ایک عجیب سا جلترنگ بکھیرے ہوئے تھی۔ احمد نے اپنی کار ا خوبصورت ہٹ کے سامنے روک دی۔ چوکیدار اس کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ احمد اسے کچھ کہا اور چوکیدار جلدی سے پیچھے ہٹ کر ہٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔ میر

ہن میں خوفناک سناٹے پھیلے ہوئے تھے۔ اس وقت میں ایک پُراسرار قاتل کی حیثیت ے خود کو محسوس کر رہا تھا لیکن ایک ایسا قاتل جس نے کوئی قتل نہیں کیا تھا۔ البتہ کچھ ر کے بعد اسے یہ کام سرانجام دینا تھا۔ چوکیدار ہٹ کے اندر چلا گیا اور پھر روشنی غیرہ ہو گئی۔ یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ احمد یہاں تنہا ہے لیکن یہاں آنے کا مقصد یہ ھا کہ کچھ دیر کے بعد یہاں کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ویسے بھی آج ہفتے کی رات ھی۔ ہو سکتا ہے احمد کے کچھ دوست یہاں آنے والے ہوں۔ بہرحال اب مجھے اس ے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں نے کافی فاصلے پر اپنی کار ایک ہٹ کی آڑ میں روک ی۔ یہ ہٹ خالی پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں وہاں ٹہلتا رہا اور جائزہ لیتا رہا کہ احمد کے ہٹ کے آس پاس اور کوئی موجود ہے یا نہیں۔ جس چوکیدار نے احمد کا ہٹ کھولا ا وہ شاید یہاں کے بہت سے ہٹوں کا چوکیدار تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے کافی آگے چلا لیا۔ ہفتے کی رات تھی لیکن یہاں رات کو قیام کرنے والے رات کو سمندر کی لچسپیوں سے لطف اندوز ہونے والے ابھی آنا شروع نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے حول سنسان تھا اور اس لئے میں سوچ رہا تھا کہ جس قدر جلد ہو اپنا کام کر لینا چاہئے۔ نانچہ پوری طرح تیار ہونے کے بعد میں آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھا۔ اپنے ذہن و مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیا تھا میں نے۔ اب اس وقت ایک قاتل سفر کر رہا تھا۔ بل ایک قدم ایک خوفناک جرم کی طرف جا رہا تھا اور میں یہ جرم کرنے کے لئے خر کار احمد کے ہٹ پر پہنچ گیا۔ ہٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں دروازے سے اندر خل ہو گیا۔ احمد ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی ٹیپ ریکارڈر سے ایک بصورت نغمہ نشر ہو رہا تھا۔ کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر اس نے کہا۔

"بھئی کہاں چلے گئے تھے تم چوکیدار! آؤ اندر آؤ یار! ایسے ماحول میں اگر انسان و چائے بھی نہ ملے تو لعنت ہے ایسی زندگی پر۔" میں اندر داخل ہو گیا تو احمد نے کہا۔ جلدی سے ایک............" یہ کہہ کر اس نے گردن اٹھائی۔ مجھے دیکھ کر ایک لمحے ے لئے تو وہ سکتے میں رہ گیا پھر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے شعبان صاحب! آپ............" لیکن میں اس سے کوئی گفتگو نہیں کرنا ہتا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اس کی ناک پر ایک مکہ رسید کر دیا۔ حملہ ایک شریف آدمی پر ایک شریف آدمی کا بڑا حیران کن تھا اور اس کے لئے بڑا ر متوقع۔ گھونسہ ناک پر پڑا تھا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر پڑا لیکن

اب میرے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال کر ا میں نے اپنے جوتے کی ایک زوردار ٹھوکر اس کے سر پر ماری اور اس کے حلق ایک کراہ نکل گئی۔ دوسرے لمحے میں اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں نے اس گردن کو پوری قوت سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سے پہلے میں نے کبھی اپنی جسمانی قوت کا کوئی اندازہ نہیں کیا تھا لیکن بستی علی جاہ کھیتوں میں پلنے والا جوان ان شہری جوانوں سے زیادہ طاقتور تھا۔ میں نے اس گردن پوری قوت سے دبائی اور وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر انگلیوں کا حلقہ اس کی گردن کے گرد تنگ کرتا گیا اور اس وقت مجھے ہوش آیا جب کی آنکھیں اس کے حلقوں سے بھیانک حد تک باہر نکل آئیں اور اس کا جسم با ساکت ہو گیا۔ اس میں کوئی دیر نہیں لگی تھی۔ میں نے یہ اندازہ لگانے کے بعد اس میں زندگی نہیں ہے' اس کے جسم کو چھوڑ دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ تبھی اچ مجھے ایک سرگوشی سنائی دی اور میرا پورا وجود سوکھے پتے کی طرح لرز گیا۔ میں پلٹ کر دیکھا تو مجھے وہی آؤٹ لائن نظر آئی جو چمپا کی تھی اور جسے میں نے پہلی بار تھا۔

"ٹھیک ہے' تم باہر جاؤ۔ باقی کام میرا ہے۔" میرے قدم لرز رہے تھے لیکن تیزی سے باہر نکل آیا۔ میں نے چمپا سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ وہ یہاں کب اور پہنچ گئی۔ بہرحال میں سخت پریشان تھا اور میرے دل و دماغ میں ایک ہیجانی کیفیت تھی۔ پھر میں لمبا سفر طے کر کے اس جگہ پہنچا جہاں میری کار کھڑی تھی۔ میں نہیں تھا کہ میں کار ڈرائیو کر سکوں گا یا نہیں لیکن میں نے دل میں سوچا کہ اگر یہ کام میں نہ کیا تو پھر اور کون کرے گا۔ یہاں میرا نام و نشان نہیں ملنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے حواس سنبھال کر کار اسٹارٹ کی اور اسے ریورس میں بہت دور تک لیتا چلا بہرحال وہ کچھ ہو گیا تھا جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوا تھا۔ قاتل...... قاتل........... قاتل۔ صرف ایک ہی لفظ میرے ذہن میں گونج رہا تھا اور میں ڈرائیو کر رہا تھا اور یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ کسی حادثے کے بغیر میں بہرحال رہائش گاہ تک پہنچ گیا۔ اندر داخل ہوا اور پھر چکرائے ہوئے ذہن کو سنبھال کر گر پڑا۔ آہ' خونی ہوں میں' قاتل' خونی۔ میرے ذہن میں یہی الفاظ گونج رہے پھانسی کا پھندہ مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے لٹکتا نظر آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کسی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتہ چل جائے کہ اس لڑکے کو قتل کس نے کیا ہے اور اس کے بعد میں گرفتار ہو جاؤں۔ چشم تصور میں' میں نے اپنے آپ کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے پایا۔ سرکاری وکیل میری جانب اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔

"جناب والا۔ یہ ہے وہ وحشی درندہ' یہ ہے وہ پاگل دیوانہ جس نے ایک ہنستی کھیلتی ہستی کو زندگی سے محروم کر دیا۔ اس جانور نے ایک انسان کو ختم کر دیا ہے جناب والا۔ اسے بدترین سزا دی جائے۔ اسے موت کی سزا دی جائے۔" وہ کہہ رہا تھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ بہرحال میں یہ سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ وہاں پہنچ گئی تھی اور ابھی تک وہاں سے واپس نہیں آئی تھی۔ مجھے اس کے وجود کا کوئی نشان نہیں مل رہا تھا لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کے چنگل سے نکل جاؤں۔ سات کالے چراغ۔ سات کالے چراغ خون سے بھرنے ہیں اسے۔ اور یہ پہلا خون ہے اور اس بات کے امکانات ہیں کہ باقی خون بھی وہ میرے ہاتھوں ہی سے کرائے۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔ لعنت ہے ایسی شان و شوکت پر جو سات جیتے جاگتے انسانوں کے قتل پر حاصل کی جائے۔ نکل جانا چاہئے۔ مجھے فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ یہ سب کچھ بے شک بہت کچھ ہے اور اسے دوبارہ حاصل کرنا بے شک ایک مشکل امر ہے لیکن پھر بھی وہ نہیں کرنا چاہئے جو وہ چاہتی ہے۔ میں نے اپنی پیشانی پر شدید چبھن محسوس کی۔ سخت درد ہو رہا تھا۔ روشنی بجھائی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نہ جانے مجھے کس وقت نیند آئی تھی' کچھ یاد نہیں۔

صبح کو میری جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے جس بات کو محسوس کیا وہ چمپا کا وجود تھا۔ وہ میرے برابر مسہری پر بے سدھ سو رہی تھی اور میرا ہاتھ اس کی کمر پر تھا۔ پتلی سی خوبصورت سفید کمر جسے چھوتے ہی بدن میں بجلی کا کرنٹ دوڑ جائے۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ بہت ہی حسین انداز میں سو رہی تھی۔ اس کے گہرے گہرے سانس اور ان سانسوں سے اٹھتی ہوئی مہک مجھے اپنے چہرے کے بالکل قریب سنائی دے رہی تھی۔ بہرحال میری نگاہیں اس کا بھرپور جائزہ لینے لگیں۔ آہ' کم بخت پہلے سے بھی کچھ اور زیادہ حسین ہو گئی تھی۔ کیا کیا تھا اس نے میری غیر موجودگی میں۔ اس کے حسن میں سلگتا ہوا سا گداز کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ وہ انتہائی خوبصورت ہے۔ اس کے گالوں کی سرخی کندن کی مانند دمک رہی تھی اور اس کے تراشیدہ لبوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے بعد اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسن پہلے سے دوچند ہو گیا ہو۔ ایک لمحے تک تو میں ایک ایسے حسین وجود کی قر ایک لمحے میں' میں ہاتھ بڑھا کر چھو سکتا تھا' اپنے قریب محسوس کر کے اپنے ب دوڑتی ہوئی سنسناہٹوں کو محسوس کرتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی مجھے سب گیا۔ گزری ہوئی رات کا احساس میرے سارے وجود پر سوار ہو گیا اور ہونٹوں پر نفرت کی لکیر کھنچ گئی۔ میں نے بغور اسے دیکھا۔ مجھے شبہ تھا کہ اگر جگہ سے اٹھا تو وہ جاگ جائے گی۔ کیا میں اپنی مرضی سے اس سے چھٹکارا پا سکتا پھر انتہائی احتیاط کے ساتھ میں بستر سے اٹھا تھا۔ رات کو جو کچھ سوچا تھا' اس پر ہے لیکن اس طرح نہیں۔ کوئی طریقہ کار اختیار کرنا ہو گا۔ اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کچھ سوچنا ہو گا' کچھ کرنا ہی ہو گا۔ میں بستر سے نیچے اتر گیا تھا سوتی رہی تھی اور یہ لگ رہا تھا کہ اگر میں یہاں سے نکل بھی جاؤں تو مسئلہ خ ہو گا۔ کوئی نہ کوئی چکر چل ہی جائے گا۔ بہرحال میں غسل خانے میں داخل ٹھنڈے پانی میں بیٹھ کر کافی دیر تک اپنے آپ کو ٹھنڈا کرتا رہا۔ دل میں یہ فیص تھا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے' سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکل میر جاؤں۔ قاتل بن چکا ہوں۔ ذرا سی لغزش زندگی چھین سکتی ہے۔ اس سے پہلے ز کر چکا ہوں' وہ ایک الگ حیثیت کا حامل تھا لیکن اب اگر میں نے غلطی کی تو پھ لیجئے کہ اس غلطی کو نبھانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ کون جانے چمپا میری کہاں تک سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں غسل خانے میں بیٹھا سوچتا رہا۔ باہر نکلا تو وہ جاگ رہی محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں کچھ اور قدم آگے بڑھا تو ا دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ اس کے انداز میں بڑی خودسپردگی تھی لیکن چونکہ م طور پر بالکل اپ سیٹ تھا' چنانچہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بڑی مشکل سے ا پر جبر کر کے کہا۔

"اٹھو گی نہیں چمپا۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ چلو چائے وغیرہ کا بند کرو۔"

اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔ "چائے تم بناؤ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کبھی کبھی ناشتہ میں تیار کر لیا کرتا تھا۔ حالانکہ ایک شاندار ز لوگوں کے لئے تھی لیکن نہ جانے کیوں چمپا نے مجھے کسی ملازم کو نہیں رکھنے زیادہ تر وہ خود ہی میرے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا کرتی تھی لیکن کبھی کبھی لاڈ میں

تھی تو مجھ سے فرمائش کر دیتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس سے نجات پانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ میں کچن میں چلا جاؤں۔ اس نے جس انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے تھے' اس کا مقصد تھا کہ میں اس کے قریب جاؤں' اس کے سینے سے لگ جاؤں' لیکن اس وقت اس کے لئے بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ چنانچہ میں کچن میں داخل ہو گیا اور میری سوچوں کے دائرے پھیلنے اور سکڑنے لگے۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں جس طرح بھی بن پڑے یہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ بالکل بھاگ جانا چاہئے۔ میں اپنے ارادوں میں مضبوط ہوتا چلا گیا۔ بہرحال میں نے ناشتہ تیار کیا اور اس کے بعد میں ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ چمپا باتھ روم سے نکل کر باہر آ رہی تھی۔ اس کے پورے جسم پر بڑا تولیہ لپٹا ہوا تھا اور سر کے بال بدستور پانی کے قطرے برسا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی۔ میں نے ناشتے کی ٹرے سامنے رکھ دی تو وہ بڑے ہیجان خیز انداز میں بیٹھ گئی۔ تولیہ اس کے جسم پر سے جگہ جگہ سے سرک رہا تھا اور اس کا سنگ مرمر کا وجود بار بار نمایاں ہو جاتا تھا۔ وہ ناشتہ کرنے لگی پھر اس نے کہا۔

"تمہارے اوپر تو بڑا خوف طاری ہے۔"

میں نے سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا۔ "چمپا کیا نہیں ہو سکتا میرے ساتھ؟"

"کیا ہو سکتا ہے بھلا؟"

"موت.......... پھانسی کا پھندہ۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ دیکھو ایک بات میں تمہیں سنجیدگی سے بتائے دیتی ہوں۔ اگر ایسی ہی کوئی بے اعتباری ہے تو تمہارا میرا ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اب تک میں نے تم نے جو کچھ کہا ہے' وہ کرتی رہی ہوں اور کہیں بھی تمہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔ اب اگر میں انہی باتوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دوں تو پھر میرا تمہارا ساتھ کیا رہ جائے گا۔ یہ کہنا چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کے اچھے فاصلے کو ختم کر چکے ہیں۔ یہی ظاہر کرنا چاہتے ہو نا تم؟"

"نہیں چمپا یہ بات نہیں ہے لیکن تم یقین کرو۔ کسی انسان کی زندگی لینا مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"دنیا کا ہر کام اپنی مرضی کے مطابق ہی نہیں ہو جاتا۔ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا

بھی پڑتا ہے۔" اس نے کسی قدر بگڑے ہوئے موڈ میں کہا اور پھر خاموشی سے ن کرنے لگی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے چہرے پر تلخی کی کچھ لکیریں نمودار ہو ہیں۔ میرے ذہن میں خوف کی ایک لکیرا ابھر آئی۔ اگر وہ مجھ سے بددل ہو گئی تو م دھوبی کا کتا بن جاؤں گا جو گھر کا نہ گھاٹ کا۔ قاتل تو بن چکا ہوں اور ایک قتل ہی پھا کے پھندے تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ اگر چمپا کا ساتھ چھوڑ دیا تو بس یہ کٹئے زندگی گئی لیکن فوری طور پر اسے منانے کی کوشش بھی غلط تھی چنانچہ میں نے خامو سے ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور ایک الماری سے اپنے لباس نکالنے لگی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس نے میرے سامنے ہی لباس تبدیل کیا۔ ا اس سلسلے میں اس نے تکلف کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک نگاہ میری جانب دیکھا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی کیفیت تھی جیسے وہ چاہتی ہو میں اس کو روکوں، اس سے پوچھوں کہ وہ کہاں جا رہی ہے لیکن میں نے بھی نہ پوچھا تھا۔ میں خود شدید ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر کے بعد شام گئی۔ میں گھر میں ہی جھک مارتا رہا تھا۔ پھر رات کو بھی میں کمرے میں سو گیا تھا۔ واپس نہیں آئی تھی۔ میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ نکل جاؤں، آ نکل جاؤں۔ رات کے کسی پہر یہاں سے نکل جاؤں۔ یہ میرے لئے بڑا ضروری ۔ لیکن میں نہ جا سکا۔ بس ایک عجیب سی بے بسی مجھ پر چھائی ہوئی تھی جو مجھے خود کو قدم اٹھانے سے روک رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو بالکل ہی مفلوج پا رہا تھا اور آخر فیصلہ دل میں، میں نے یہی کیا کہ میں نہیں جا سکوں گا۔ میں یہاں سے نہیں جا سکوں گا پھر اس وقت رات کے کوئی ساڑھے دس بجے تھے جب مجھے دروازے پر آہٹیں سنا دیں۔ پھر بیل بجی حالانکہ چمپا بغیر بیل بجائے بھی آ جاتی تھی۔ اس کے پُراسرار وجو سے مجھے کبھی بھی انکار نہیں رہا تھا۔ بے شک وہ انتہائی پُراسرار قوتوں کی مالک رہ تھی لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اس نے بیل بجائی تھی لیکن کبھی کبھی وہ ایسا بھی کرا کرتی تھی۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور دروازہ کھول کر میں بُر طرح اچھل پڑا۔ یہ چمپا نہیں بلکہ نیلم تھی۔ جس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور اس کی آنکھو میں ایک عجیب سا خوف گھر کئے ہوئے تھا۔

☆------☆------☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے ایک نگاہ ہی مجھے دیکھا اور پھر سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں اندر آنا ہتی ہوں پلیز۔"

میں جو نیلم کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ گیا تھا، چونک پڑا اور پھر میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔ "سوری نیلم سوری! آیئے اندر آیئے۔ ل میں آپ کو اس وقت یہاں دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ ات کے اس پہر آپ اس طرح آئیں گی۔ آیئے آیئے پلیز۔"

وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہو گئی اور پھر اس نے ڈرائنگ روم میں ھ کر مجھ سے کہا۔ "معافی چاہتی ہوں، پانی مل سکے گا؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خشک ہونٹوں پر بان پھیر رہی تھی۔ میں نے باہر جا کر اس کے لئے ایک گلاس میں پانی انڈیلا اور پھر سے پانی پیش کر دیا۔ پانی پینے کے بعد اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر ہستہ سے بولی۔ "آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟"

"کیا؟" میں نے تعجب سے کہا اور اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر میرے امنے کر دیا۔ میں نے اس کاغذ کو دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھوں کے گرد دھیرا چھا گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں چکرا کر گر پڑوں گا۔ یہ میرا ڈرائیونگ لائسنس تھا عام طور سے میری جیب میں رہا کرتا تھا، لیکن اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھنے لگا اور پھر میری لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ "یہ........... یہ پ کو کہاں سے مل گیا، مس نیلم؟" نیلم گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگی۔ دیر ک وہ مجھے دیکھتی رہی پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے آنکھیں میچ کر گردن کی اور آہستہ سے بولی۔

"شعبان صاحب ہم مشرق کے رہنے والے بعض معاملات میں بڑی الجھنوں کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شکار ہوتے ہیں۔ حالانکہ دل چاہتا ہے کہ اپنی مرضی سے جئیں' اپنی پسند سے ا بیٹھیں' لیکن ہماری روایتیں ہمارا سماج ہمیں اس کا موقع نہیں دیتا۔ میں تو خیر پ ایک جدید گھرانے کی فرد ہوں۔ کبھی کبھی ان معصوم لڑکیوں کے بارے میں سوچتی جو جوانی کی اس منزل میں داخل ہو چکی ہوتی ہیں جب ان کا دل چاہتا ہے کہ وہ مستقبل کے فیصلے خود کریں۔ انہیں ایک طویل زندگی گزارنا ہوتی ہے بلکہ زندگ آخری سانس تک گزارنا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ ایک شخص ہوتا ہے جو کبھی ان کا بالکل مزاج آشنا نہیں ہوتا۔ والدین کسی کو منتخب کر لیتے ہیں اور بس ساری ز اس کے نام لکھ دی جاتی ہے۔ بہت ہی بری بات ہے یہ۔ بڑے احتجاج ہوئے ہیں سلسلے میں لیکن معاشرے اور سماج نے اس سچائی کو قبول نہیں کیا۔ معاف کیجئے گا بھی کیا سوچ رہے ہوں گے کہ میں کیا بک بک کرنے بیٹھ گئی ہوں۔ کیا آپ کو اس کا علم ہے کہ احمد کو قتل کر دیا گیا ہے؟"

یہاں مجھے اداکاری ہی کرنی تھی کیونکہ یہی اداکاری میری زندگی بچا سکتی تھی یہ بڑا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے شدید حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

"قت.......... قت.......... قت.......... قتل؟"

"جی!" وہ آہستہ سے بولی۔

"کب.......... کیسے.......... کہاں؟" میں نے اب اپنے آپ پر پوری ط قابو پا لیا تھا۔

"ساحل سمندر پر اس کا اپنا ایک ہٹ تھا۔ اسے اس کے ہٹ میں قتل کر د ہے۔"

"مگر کس نے اور کیوں؟"

جواب میں نیلم نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ایک بار پھر وہ تجسس بھری نگا سے مجھے دیکھتی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ میرے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکنے کوشش کر رہی ہو لیکن اب بہرحال میں نے خود کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ بستی جاہ سے نکلنے کے بعد وقت نے مجھے اتنی عقل تو دے دی تھی کہ اب اپنے آپ سنبھال سکوں اور اس دنیا میں جینے کے گر تلاش کر لوں۔ چند لمحات وہ مجھے اندر پڑھتی رہی پھر اس نے کہا۔ "ظاہر ہے بھلا یہ بات کسے معلوم ہے کہ اس کو کس نے کیا اور کیوں کیا؟ ہمارا ایک پروگرام تھا۔ وہ ہمیں ساحل سمندر پر دعوت دے کر

چلا گیا تھا۔ ڈیڈی نے اس کی یہ پیشکش منظور کر لی تھی کہ وہ رات میں' ڈیڈی اور ہمارے کچھ دوسرے ساتھی ساحل پر منائیں۔ وہ ہمارے پاس آیا تھا اور اس کے بعد یہاں سے اپنے ہٹ پر چلا گیا تاکہ وہاں تیاریاں کر سکے۔ پھر ہم لوگ وہاں پہنچے تو ہمیں ہٹ میں اس کی لاش ملی۔ اسے قتل کر دیا گیا تھا لیکن میں آپ کو ایک حیرت انگیز بات بتاؤں کہ بظاہر اس کے جسم پر زیادہ زخم نہیں تھے۔ تھوڑی سی جدوجہد بے شک کی تھی اس نے لیکن بہرحال طاقتور ہاتھوں نے اسے ہلاک کر دیا تھا البتہ جو سب سے حیرت ناک بات نظر آئی وہ یہ تھی کہ وہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ اس کے پورے جسم کا خون نچڑ گیا تھا لیکن زمین پر خون کا ایک قطرہ بھی موجود نہ تھا۔ یہ اتنی حیرت ناک بات ہے جو کم از کم ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہاں پوسٹ مارٹم رپورٹ اگر اس سلسلے میں کوئی وضاحت کر دے تو میں نہیں جانتی۔"

نیلم کے یہ الفاظ میرے لئے بھی ناقابل یقین تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اسے قتل تو میں نے کیا تھا لیکن اس کے جسم کا خون کہاں گیا۔ یہ ذرا غور کرنے والی بات تھی لیکن ظاہر ہے میں اس پہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ اس بار میری حیرت کا اظہار حقیقی تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "کیا یہ ایک پُراسرار بات نہیں ہے مس نیلم۔ اس کے علاوہ معاف کیجئے گا' دوسری ایک پُراسرار بات میں اور دیکھ رہا ہوں۔" نیلم نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی تو میں نے پھر کہا۔ "مس نیلم اصولی طور پر مجھے آپ کو دلاسے دینے چاہئیں' تعزیت کرنی چاہئے آپ سے۔ بہرحال مسٹر احمد آپ کے منگیتر تھے.........."

"دیکھو شعبان نہ تم مجھ پر طنز کرو اور نہ کوئی ایسی بات کہو جس سے میرے دل کو دکھ ہو۔ میں پہلے بھی تمہیں اس بات سے آگاہ کر چکی ہوں۔ ابھی میں نے چند لمحات قبل ہی کہا تھا کہ مشرق کی کچھ روایات بڑی تباہ کن ہیں اور بڑے دکھوں کا باعث ہیں۔ احمد مسعود سے میری منگنی کر دی گئی تھی۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے سامنے میری کوئی منزل نہیں تھی۔ میں عشق و محبت کے جال میں نہیں پھنسی تھی۔ بڑی سادہ سی زندگی گزاری ہے میں نے بلکہ اگر یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسے بہت سے مرحلوں کو ٹال دیا تھا۔ میرے ڈیڈی پرانے خیالات کے حامل نہیں تھے لیکن خود میری فطرت میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ میں نے اس مسئلے کو بالکل لاپروائی سے

لیا تھا لیکن احمد مجھے ابتدا ہی سے پسند نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں میں یہ محسوس کرتی
کہ میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ وہ کوئی ایسا انسان نہیں ہے
پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ بس تم یوں سمجھنے کی کوشش کرو کہ بعض لوگ
بلاوجہ ہی برے لگتے ہیں جبکہ انہوں نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہوتا۔ وہ بالکل
سادہ سے ہوتے ہیں لیکن بس اچھے نہیں لگتے۔ احمد بھی ان میں سے ایک تھا۔
معاف کرنا' میں جو کچھ کہنے جا رہی ہوں وہ بڑا مخدوش ہے۔ ہو سکتا ہے وہ میرے
ایک دردناک کہانی بن جائے لیکن جو دل میں ہوتا ہے وہ تو کہنا ہی ہوتا ہے۔ سو
ایک لڑکی کے منہ سے شاید یہ بات تمہیں پسند نہ آئے۔ اپنی اپنی فطرت ہوتی
شعبان' لیکن جب میری ملاقات تم سے ہوئی' میں نے تمہیں دیکھا تو اچانک ہی میرے
پورے ذہن میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ میری زندگی کا ساتھی احمد
نہیں بننا چاہئے۔ وہ اگر تم ہو تو وہ میرے اپنے دل کی پسند ہوگی۔ بس اس کے بعد
میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی ہوں اور یہ غور کرتی رہی ہوں کہ کون سا
ذریعہ ہو کہ احمد کے بجائے تم میری زندگی کے ساتھی بنو۔ کیا کوئی لڑکی اتنی بے باکی
یہ بات کہہ سکتی ہے شعبان؟ مگر کیا کروں صورت حال ہی ایسی پیش آ گئی ہے۔"

"صورت حال؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس میں کوئی شک
نہیں کہ اب تک کی زندگی جو گزری تھی اس کی تمام تفصیلات آپ کے سامنے ہیں۔
تو میں اس معیار کا انسان تھا کہ زندگی میں کسی اچھی شخصیت کی لڑکی سے محبت کا کھیل
کھیلوں اور نہ ہی میرے پاس یہ وسائل تھے۔ اب یہ سب کچھ جب چمپا کے ذریعے
حاصل ہو گیا تھا تو میں نے بھی اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنا شروع کر دیا تھا تو ایک بڑے
آدمی سے ایک لڑکی اظہار عشق کر رہی تھی تو دل میں گدگداہٹیں تو ہونی ہی چاہئے
تھیں۔ ہرچند کہ یہ سب کچھ چمپا کی وجہ سے ہوا تھا لیکن اب تو یہ سب کچھ تھا جبکہ
بہت ہی حسین بہت ہی خوبصورت ہونے کے باوجود ایک ایسا پُراسرار کردار تھی
ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ خاموشی سے گردن جھکائے میرے بولنے
انتظار کرتی رہی۔ بہرحال میں کوئی صحیح بات تو نہیں کہہ سکا لیکن میں نے اس سے
پوچھا۔ "ہم بہت سی باتیں کر چکے ہیں نیلم لیکن تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ میرا
ڈرائیونگ لائسنس تمہیں کہاں سے ملا؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ غالباً وہ
چاہتی تھی کہ اس کی محبت کے جواب میں' میں بھی اس سے محبت کے الفاظ ادا کروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن میں دوسری کیفیت کا شکار تھا۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔
"تمہارا یہ ڈرائیونگ لائسنس لاش کے نزدیک پڑا ہوا تھا اور اسے میں نے نہیں
بلکہ ڈیڈی نے اٹھایا تھا۔"

"ک.......... کیا؟" میرا پورا وجود خوف سے لرز گیا۔

"ہاں ڈیڈی نے اسے اٹھا کر حیرت سے دیکھا تھا اور پھر جلدی سے اسے اپنی جیب
میں رکھ لیا تھا۔"

"ت.......... تو پھر؟"

"میں نے وہیں اسی ہٹ میں اسے ڈیڈی کی جیب سے چرا لیا تھا۔ اس وقت سے
یہ میرے پاس محفوظ تھا۔ مجھے اس کے لئے جو کچھ کرنا پڑا تم یقین کرو شعبان' میں نے
پہلے ایسا کبھی نہیں کیا لیکن صرف یہ دیکھ کر کہ اس پر تمہاری تصویر لگی ہوئی ہے میں
نے وہ کاغذ ڈیڈی کی جیب سے چرایا تھا اور یہ تو مجھے بعد میں ہی پتہ چلا تھا کہ یہ تمہارا
ڈرائیونگ لائسنس ہے۔"

"م.......... مگر یہ وہاں کہاں سے آیا؟"

"چھوڑو ہم بہت سی باتیں کر چکے ہیں۔ اب میں تمہیں جو کچھ بتا رہی ہوں اسے
ذرا غور سے سنو' ڈیڈی نے وہاں تمام رسمی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ موبائل پر
انہوں نے پولیس آفیسر سے رابطہ قائم کیا۔ آفیسر آ گئے۔ جائزہ لیا گیا' تفصیلات لکھی
گئیں' ریکارڈ رکھا گیا۔ ہمارے بیانات لئے گئے' لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی' تھانے
دار کا فون دو تین بار آ چکا ہے۔ ڈیڈی نے اس سے اس ڈرائیونگ لائسنس کا کوئی
تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے ٹیلی فون پر اپنے ایک پولیس آفیسر دوست کو جو بڑے
عہدے کا مالک ہے یہ تمام تفصیل بتائی تھی۔"

"کیا.......... کیا تم نے سنی؟"

"ہاں.......... میں اسی وقت سے ڈیڈی کی تاک میں لگ گئی تھی کیونکہ معاملہ
تمہارا تھا اور تم سے میں اپنے دل کی بات کہہ چکی ہوں شعبان' میں یہ نہیں کہتی کہ احمد
کی موت پر مجھے خوشی ہے۔ ایک انسانی زندگی چلی گئی لیکن لیکن.......... میں احمد سے
شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خیر تو ڈیڈی اس پولیس آفیسر سے کہہ رہے تھے۔ میں تمہیں
اس کی پوری تفصیل بتاتی ہوں۔ یہ پولیس آفیسر شاید محکمہ خفیہ کا ڈی ایس پی ہے۔
ڈیڈی نے وہ لائسنس تلاش کیا جو ان کی جیب میں نہیں تھا۔ انہوں نے اسے بتاتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہا۔

"اشتیاق! ایک بڑا عجیب واقعہ ہو گیا ہے۔ میری بیٹی کا منگیتر احمد قتل ہو گیا ہے تمہیں اس کی تفصیل روزنامچے سے معلوم ہو سکتی ہے جو ساحلی علاقے کے تھانے میں بنایا گیا ہے۔ اس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے گئی ہوئی ہے' حیرانی کی بات یہ ہے کہ اسے قتل کر کے اس کے بدن کا سارا خون نکال لیا گیا ہے۔ میں خاص بات جو تمہیں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ وہاں سے مجھے ایک ڈرائیونگ لائسنس ملا تھا جس کی وہاں موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ یہ ڈرائیونگ لائسنس بھی میرے ایک ایسے شناسا کا تھا جس سے حال ہی میں میری شناسائی ہوئی ہے اور وہ میرے پڑوس میں رہتا ہے۔ بظاہر ایک شریف سا نوجوان ہے۔ شعبان نام ہے۔ کون ہے کیا کرتا ہے یہ تو معلوم نہیں لیکن صاحب حیثیت معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ ڈرائیونگ لائسنس مجھے وہاں پڑا ہوا ملا۔ میں نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور تھانے دار کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا' لیکن جب میں اپنی بیٹی کے ساتھ گھر واپس پہنچا تو ڈرائیونگ لائسنس میری جیب میں موجود نہیں تھا۔ میں نے اسے اپنی کار میں تلاش کیا کہ شاید کچھ نکالتے ہوئے کہیں گر پڑا ہو لیکن وہ نہیں ملا۔ بہر حال اس بات کا شبہ تو ہے میرے ذہن میں کہ آخر یہ ڈرائیونگ لائسنس وہاں کیسے پہنچا تھا۔ لیکن ظاہر ہے یہ کام میرا نہیں تھا کہ میں اس نوجوان سے معلومات حاصل کروں۔ یہ تمہارا کام ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ ڈرائیونگ لائسنس کا کہیں بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔ تم دیکھ لو ہو سکتا ہے وہ شخص کسی ایسے خوفناک گروہ سے تعلق رکھتا ہو جو خون کی سوداگری کرتا ہے۔ ورنہ اس کے جسم سے کسی پُراسرار ذریعے سے کیسے خون نکالا جا سکتا ہے۔ البتہ ایک بات میں تمہیں بتاؤں جو ذرا تعجب خیز ہے۔ وہ یہ کہ احمد اس وقت ہمارے پاس سے ہی اٹھ کر گیا تھا۔ اسے ہٹ میں پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم بھی پہنچ گئے اور جب ہم نے اس کی لاش دیکھی تو ہماری اور اس کی ملاقات میں زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کا فرق تھا اور آدھ گھنٹے میں کسی انسان کے پورے جسم کا خون اس طرح نہیں نکالا جا سکتا۔ باقی ساری باتیں تو تمہیں میڈیکل رپورٹ سے ہی پتہ چلیں گی لیکن بس میں اس طرف تمہیں نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ساری تفصیل بتائی گئی تھی۔ اب تم خود سوچ لو کہ مجھے اس بارے میں تشویش ہونی تھی یا نہیں۔ یہ لائسنس میں نے تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ میں نہیں

جانتی کہ ایس پی صاحب کی طرف سے اس سلسلے میں کیا کوششیں کی گئی ہیں لیکن ڈیڈی کے ان سے مسلسل رابطے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی اہم کارروائی ہو رہی ہے۔ میں تمہیں ایک بات بتائے دیتی ہوں۔ تمہارے خلاف کوئی بہت ہی سنسنی خیز جال بنا جا رہا ہے۔ کیا سمجھے۔ میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی سوائے ایک مشورہ دینے کے۔" نیلم نے کہا۔

میرے بدن کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور دم گھٹا جا رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اب تھوڑی دیر کے اندر اندر پولیس وہاں پہنچنے والی ہو۔ مجھے گرفتار کر لیا جائے گا' پہلے لاک اپ میں رکھا جائے گا' لاک اپ میں الٹا لٹکا کر میرے پورے بدن پر کوڑے مارے جائیں گے' برف کی سل پر لٹایا جائے گا' ہر وہ اذیت دی جائے گی جس سے مجبور ہو کر میں اس قتل کا اعتراف کر لوں اور اس کے بعد مجھے عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ میرے بارے میں سوال و جواب ہوں گے اور آخر کار مجھے سزائے موت دے دی جائے گی۔ جلاد میرے چہرے پر کالا کنٹوپ چڑھائے گا' گردن میں رسی کا پھندہ ڈالے گا اور اس کے بعد میری زبان اور آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ دہشت سے میرے پورے بدن نے پسینہ اگل دیا تھا۔ نیلم نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سنو! یہاں سے نکل جاؤ' فوراً نکل جاؤ۔ کہیں بھی چلے جاؤ۔ کسی بھی جگہ چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔ میں تم سے کھل کر کہہ رہی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے ذہن میں رکھنا۔ اگر ہو سکے تو میرے ٹیلی فون پر اپنی خیریت کی اطلاع دے دینا۔ میرا ٹیلی فون نمبر رکھ لو۔ جہاں بھی جاؤ' وہاں مکمل طور پر اپنے قدم جمانے کے بعد کسی پبلک ٹیلی فون پر مجھ سے رابطہ قائم کرنا تاکہ تمہارے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ ہو سکے۔ تم اپنے آپ کو کوئی بھی خفیہ نام دے دینا' بس یہ کہہ دینا کہ کالا دل بول رہا ہے۔ بس یوں سمجھ لو بلکہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ ٹیلی فون پر مجھے مخاطب کرنا اور کہنا کہ محبت کی آواز بول رہی ہے۔ میں سمجھ جاؤں گی کہ یہ تم ہو اور اگر ممکن ہو سکا تو میں تمہیں یہاں کی صورت حال سے آگاہ کر دوں گی۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ دل کی آواز سے مجبور ہو کر یہ باتیں کر رہی ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ زندگی میں پا لینے کا نام ہی تو محبت نہیں ہے۔ اگر تم مجھ سے کھو بھی گئے تو میں یہ سمجھوں گی کہ میری قسمت مجھ سے یہی چاہتی تھی۔ ٹھیک ہے نا۔ سوچنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے اور کام ختم ہو جائے۔ بتاؤ کتنی دیر میں یہاں سے نکل جاؤ گے؟"

"نیلم..........."

"اور سنو۔ اگر کچھ چاہئے تو مجھے بتاؤ۔ دیکھو یہ وقت تکلف کا نہیں ہے۔ اً نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیا تو پھر اس محبت کا فائدہ ہی کیا؟" نیلم نے کچھ ہی میں میرے دل کی گہرائیوں میں گھر کرلیا تھا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کا: پر رکھتے ہوئے کہا۔

"نیلم! میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"ہم تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کریں گے۔" اس نے اپنا سر میرے سینے۔ دیا اور پھر جلدی سے سنبھل گئی اور بولی۔ "کیا کسی کا انتظار کرو گے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں۔ اُدھر بھی دیکھنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میر خراب ہو جائے۔"

"خدا حافظ۔" میں نے کہا اور اس کے بعد نیلم چلی گئی۔ میں پھٹی پھٹی آ: سے دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ ایک بار پھر مجھے اپنی گردن میں کھجلی کا احساس ہوا خوف و دہشت سے اچھل پڑا۔ آہ' پھانسی کا پھندا کیا خوفناک چیز ہوتی ہے۔ شعبان علی' بھاگو۔ تمہاری تقدیر میں ہی بھاگنا لکھا ہوا ہے تو کوئی تمہیں کیسے بچ ہے۔ میں پھرتی سے اندر آیا۔ ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں اپنے ضروری کپ سامان اور کرنسی رکھی جو خاصی مقدار میں میرے پاس موجود تھی۔ اس وقت کچھ بالکل بے مقصد تھا۔ نیلم نے جو کچھ کہا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ثبوت کے پر میرا ڈرائیونگ لائسنس میرے پاس آگیا تھا۔ چنانچہ بات بالکل صحیح تھی۔ ڈرائیَ لائسنس اس وقت میرے پاس موجود تھا جب میں نے ہٹ میں احمد کو قتل کیا تھا نہیں کس طرح میری جیب سے نکل کر باہر گر پڑا۔ پھر میں سوٹ کیس لے کر چپ باہر نکل آیا' نیلم کے مشورے پر عمل کرنا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ برق رفتاری میں کئی گلیاں اور سڑکیں عبور کرتا ہوا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا' جہاں سے مجھے ایک رکشہ مل گیا تھا۔

آٹو رکشہ نے مجھے ریلوے اسٹیشن پہنچا دیا' اسٹیشن پہنچنے کے بعد چارٹ ٹرینوں کے آنے جانے کا وقت دیکھا اور خوش قسمتی تھی کہ ایک ٹرین اب سے منٹ کے بعد آنے والی تھی جو ایک بہت بڑے شہر میں جا رہی تھی۔ میں اس کا ا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے لگا۔ ٹکٹ گھر پر پہنچا تو ٹکٹ نہیں ملا تھا۔ ساری اچھی کلاسیں ریزرو تھیں' بہرحال اس وقت مسئلہ ہی کچھ اور تھا۔ رات کے اس پہر زیادہ رش نہیں تھا۔ ٹرین آئی اور میری خوش بختی سے مجھے اے سی پارلر میں جگہ مل گئی تھی کہ ٹرین خالی جا رہی تھی۔ یہ بات میرے لئے باعث سکون تھی۔ میں اوپر چڑھ کر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دس یا بارہ مسافر پورے ڈبے میں موجود تھے اور کیونکہ رات کا وقت تھا اس لئے تقریباً سبھی سو رہے تھے۔ بس ٹرین رکنے پر کسی نے گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد ٹرین چل پڑی اور میں نے خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ پھر اپنا سامان اطمینان سے برتھ پر رکھ کر خود بھی ایک برتھ کھول کر اس پر لیٹ گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے چہرے کے خوفزدہ تاثرات کا کسی کو علم ہو سکے۔ ٹرین آہستہ آہستہ رفتار پکڑتی جا رہی تھی اور پھر اس کا مخصوص ردھم کانوں میں گونجنے لگا لیکن اس ردھم کے ساتھ ساتھ میرے ماضی کی فلم بھی چل پڑی تھی۔ میرا دل دہشت سے کانپ رہا تھا۔ میں قاتل بن چکا تھا لیکن یہ قتل سچی بات یہ ہے کہ میں نے نہیں کیا تھا۔ یہ جو کچھ ہوا تھا بس ہنگامی طور پر ہوا تھا۔

پھر ایک دم مجھے پہلی بار چمپا کا خیال آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اب تک چمپا نے بڑا ساتھ دیا تھا۔ ایک شاندار مکان جو اب میری ملکیت بن چکا تھا اور جہاں میں ایک شاندار زندگی گزار رہا تھا۔ کار بنگلہ دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ لیکن مجھے یہ سب کچھ چھوڑنا پڑا تھا۔ یہ سب کچھ چمپا ہی کی وجہ سے ہوا تھا اور اسے چھوڑنا بھی چمپا ہی کی وجہ سے پڑا تھا۔ بالکل سچ تو ہے نا۔ اسی نے تو مجھے احمد کے قتل پر اکسایا تھا۔ صحیح معنوں میں میری اپنی تو کوئی بات بھی نہیں تھی۔ نیلم بے شک مجھے پسند آئی تھی اور میرے دل و دماغ میں اس کے لئے پسندیدگی کے جذبات ابھرے تھے لیکن اگر چمپا چاہتی تو رقابت کا اظہار کر کے مجھے نیلم سے ہٹا سکتی تھی لیکن اسی نے تو احمد کے بارے میں اکسایا تھا۔ ہاں اسی نے مجھے احمد کا قاتل بنایا تھا۔ سو فیصدی۔ پھر ایک اور خیال دل میں آیا' کہیں چمپا میرا تعاقب نہ کرے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو میں نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ پتہ نہیں کون ہے وہ اور مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دے گی۔ پتہ نہیں زندگی میں یہ ٹھوکریں کب تک لکھی ہوئی ہیں۔ بستی علی جاہ کے خوبصورت کھیتوں باغوں اور کھلیانوں سے زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ انجام نہ جانے کیا ہو گا۔

کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ وہاں سے چلا تھا تو چھ دن کے لئے نقلی پیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بن کر بیٹھا۔ اصل میں ابتدائی سوچیں ہی غلط تھیں۔ اباجان مسجد میں نماز پڑھاتے تھے اور میں زندگی میں آسانیوں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ زندگی کوئی آسان چیز نہیں ہوتی۔ بس کسی کی تقدیر میں اگر زندگی کی آسانیاں لکھی ہوتی ہیں تو بے شک اسے مل جاتی ہیں لیکن وہ میرے جیسے لوگ نہیں ہوتے۔ پھر اس کے بعد کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا تھا اور اب' اب ایک قاتل بن چکا تھا۔ میرے خدا' میرے خدا کیا کرنا چاہئے مجھے' کیا کروں کیا نہ کروں۔

"گدھے ہو بالکل گدھے۔ احمق اور بیوقوف۔" مجھے اپنے کان کے پاس ہی ایک آواز سنائی دی اور مجھ پر خوف سے غشی طاری ہونے لگی۔ بڑی ہی ہولناک آواز تھی جو اس وقت مجھے اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم قابل اعتبار انسان نہیں ہو۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ میں نے تمہاری ایک ایک قدم پر رہنمائی کی ہے۔ ایک ایک راستہ میں نے تمہیں دکھایا ہے لیکن تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں رہا نا۔ ٹھیک ہے' شعبان ٹھیک ہے۔ کسی پر بھروسہ کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے لیکن میں یہ حماقت کر چکی ہوں۔"

"چمپا.......... چمپا.........."

"نام مت لو میرا۔ سخت ناراض ہوں میں تم سے۔ تم نے میرے سارے تاج محل توڑ دیئے ہیں۔ کیا کیا نہیں سوچا تھا تمہارے بارے میں' ایک اچھا دلچسپ اور دلکش ساتھی پایا تھا میں نے تمہیں اور اس کے بعد میں نے تمہیں اپنے جسم کی ساری لطافتیں دے دیں' تمہیں آزادی بھی دی کہ تم جس لڑکی سے چاہو اپنے رابطے قائم کر سکتے ہو کوئی پابندی نہیں لگائی تھی میں نے تم پر لیکن تم نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا نا۔"

"چمپا تم کہاں ہو۔ میرے سامنے آؤ اس وقت۔ میں شدید ذہنی اضطراب کا شکار ہوں۔"

"برا مت ماننا تمہارے باپ کی ملازم تو نہیں ہوں میں نا' کس بناء پر مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو کہ چمپا میرے سامنے آؤ۔ کس اعتماد پر یہ بات کہہ رہے ہو' جواب دو مجھے۔"

"چمپا میری بات تو سنو۔"

"بیکار ہے بات تو سن رہی ہوں تمہاری' لیکن تم نے غداری کی ہے میرے

ساتھ۔"

"چمپا میں مجبور تھا' میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔"

"کیوں اسی لئے نا کہ مجھ سے غداری کرنا چاہتے تھے۔ جھوٹ بولنا چاہتے تھے' مجھ پر بھروسہ نہیں تھا۔ ارے اب کیا کہوں دنیا میں تم ہی جیسے لوگ ہوا کرتے ہیں' کون کسے اور کہاں تلاش کرتا پھرے' بیکار ہے سب بیکار' فضول باتیں ہیں۔ ہر ایک کو اپنی منزل خود ہی منتخب کرنا ہوتی ہے۔"

"تم میری پوری بات تو سن نہیں رہیں۔"

"سن رہی ہوں کیا نہیں سن رہی۔ جانتی ہوں۔ ارے مجھ سے مشورہ تو کر لیتے' پوچھ تو لیتے کہ یہ نیلم صاحبہ جو اپنی محبت کا آسمان سر پر اٹھائے پھر رہی ہیں' جو کچھ کہہ رہی ہیں' اس کے نتیجے میں' میں مجھے کیا کرنا چاہئے' کیا سمجھتے ہو میں نے احمد کو تم سے قتل کرانے کے لئے کہا تھا' تم نے وہ کام میرے لئے کیا تھا' کاغذ کا ایک پرزہ رہ گیا تھا تو کون سا تمہیں پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیتا' میں تھی نا تمہارے ساتھ اور اگر تم آگے کی بات کرتے ہو تو تمہارا دماغ خراب ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہوں۔ میں نے تم سے کچھ کہا تھا نا؟"

"کیا؟"

"یہی کہ کالی پہاڑیوں میں سات کالے چراغ انسانی خون سے روشن کرنے ہیں۔ وہ ایک پائل تھا جو مارا گیا۔ ابھی تو تمہیں چھ اور پائل قتل کرنے ہیں۔ اس کے جسم کا سارا خون کہاں گیا' جاننا چاہتے ہو؟"

"چچ.......... چچ.......... چچ.......... چمپا.........." میرے حلق سے خوفزدہ آواز نکلی تو چمپا کا ایک ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"مرد بنو مرد' یہ ہکلائے ہوئے انداز میں بولنا مجھے ناپسند ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ درحقیقت سر چکرا رہا تھا۔ ٹرین کے ہچکولے' اس کا ردھم مجھے ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار کر رہا تھا۔ وہ ایک ایسی انوکھی شخصیت تھی کہ بہت سے بھوت اور آسیب اس کے سامنے بالکل بے مقصد اور بے اثر ہو جاتے ہیں۔ آہ تو یہ چمپا تھی جس نے میرے ہاتھوں سے احمد کو قتل کرا دیا تھا اور یہ تھی احمد کے جسم میں خون نہ ہونے کی وجہ۔ بیچاری نیلم کو تو اس بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ وہ تو میرے ڈرائیونگ لائسنس کا مسئلہ تھا جس کی بنا پر وہ میرے پاس چلی آئی تھی۔ صرف یہ ظاہر

کرنے کے لئے کہ کہیں احمد کے قتل کے سلسلے میں میرا نام نہ لیا جائے۔ چمپا خامو تھی۔ اس وقت وہ مجھے کسی بھی شکل میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی ر اس کے بعد اس نے کہا۔

"ویسے مردوں کو اس قدر بزدل نہیں ہونا چاہئے اور ایک بات اور کہوں۔ کسی کے مشورے پر کسی کی باتوں میں آ کر فوراً ہی کوئی قدم مت اٹھا لیا کرو۔ کسی بھروسہ کرنا سیکھو۔ یہ ٹرین ابھی الٹی واپس جا سکتی ہے۔ تم پر خون کا الزام آ سکتا ہے اس کے بعد جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی اور کچھ عرصے بعد پھانسی کا پھندہ سب کچھ سکتا ہے تمہارے ساتھ اور اس وقت کوئی نیلم تمہیں نہیں بچا سکتی۔ بچا سکتی ہوں صرف میں۔ اس لئے ایک بار پھر تمہیں ہوشیار کر رہی ہوں کہ دوسروں کے بجا مجھ پر اعتبار کرنا سیکھو اور میں تمہیں بتاؤں، تمہارے ڈرائیونگ لائسنس کا مسئلہ ا جگہ ہے۔ وہ بے شک نیلم کے باپ کی جیب سے غائب ہو گیا ہے لیکن یہ ایک بڑا شبہ ہے۔ پولیس آفیسر تمہارے پیچھے لگ سکتے تھے۔ تمہیں گرفتار کر کے اذیتیں دی جا سک تھیں اور یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ ڈرائیونگ لائسنس اس ہٹ میں کیسے پہنچا اور یہ ا بھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو غلطی تم کر بیٹھے ہو اس کے نتیجے میں اصولی طور پر یہی ہ چاہئے۔ وہ لوگ سوچیں گے کہ آخر تم اچانک گھر چھوڑ کر کیسے غائب ہو گئے۔ دوسر بات یہ کہ تم نے وہ قیمتی گھر چھوڑ دیا ہے۔ میں نے تمہارے لئے وہ گھر حاصل کیا تھا او خوب اخراجات کئے تھے۔ اس پر یہ صلہ دیا ہے تم نے اس کا مجھے۔" چمپا کا لہجہ ب عجیب تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے گردن جھکا کر سوچا تو مجھے ایک دم احساس ہوا اس کی ایک ایک بات درست ہے۔ واقعی حسنی صاحب کو وہ ڈرائیونگ لائسنس ملا ت انہوں نے اس کا تذکرہ ایس پی سے بھی کر دیا اور ایس پی ضرور اس کے بارے میں سے پوچھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک ہے وہ ڈرائیونگ لائسنس نہیں ملا تھا ان لوگوں کو اور ا کے پاس سے غائب ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اس کا وجود تو تھا۔ اس کا سہارا لے کر وہ لوگ معلوم کر سکتے تھے اور اب جب کہ میں گھر سے غائب ملوں گا تو ان کا شبہ اور پکا ہو جا- گا۔ مجھے بے چینی ہونے لگی تو چمپا نے کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ م تمہیں بتا رہی ہوں کہ صرف اپنے آپ پر بھروسہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی اس سے نقصانات بھی ہو جاتے ہیں۔ جب میں تمہارے ہر معاملے میں سینہ تان آگے آ رہی ہوں تو اتنی بے اعتمادی بھی اچھی بات نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے افسوس ہے چمپا۔ واقعی مجھ سے حماقت ہوئی۔ بہت بڑی غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔ مجھے ہر حالت میں تم سے مشورہ کر لینا چاہئے تھا۔ تم پر اعتبار کرنا چاہئے تھا۔" مجھے یوں لگا جیسے ان الفاظ سے چمپا کی تسلی ہوئی ہو اور اس کا غصہ کسی حد تک کم ہو گیا ہو۔ کچھ لمحے مکمل خاموشی رہی تو میں نے اسے آواز دی۔ "چمپا!"

"ایک کہاوت ہے انسانوں کی کہ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں بھولا کہتے ہیں۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو وہ بولی۔ "کہہ دیا ہے تم سے کہ دوسرے لوگ میری آواز نہیں سن سکتے۔ میں نے اپنی آواز تک تمہارے نام کر دی ہے۔"

"شکریہ چمپا۔ شکریہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور اس کے بعد درحقیقت مجھے ایک ذہنی سکون کا احساس ہوا۔ چمپا واقعی میرے لئے ایک بہت بڑی ڈھارس تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ مجھے آگے کیا کرنا چاہئے؟"

"ہاں.......... اب تو مجھ سے پوچھو گے ہی۔"

"بس اب طنز کرنا چھوڑ دو۔ تم تو میری محبوب ہو۔"

"بس یہیں پہ میرا تم سے اختلاف ہو جائے گا اور سنو میں کسی کی محبوب بننا بھی نہیں چاہتی۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے شعبان۔ دنیا میں رہنے والے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ کوئی کسی سے کچھ چاہتا ہے اور کوئی کسی سے کچھ۔ میں بھی تم سے کچھ چاہتی ہوں اور اسی کی وجہ سے میری تم سے قربت ہو گئی ہے۔ باقی رہے دوسرے انسانی معاملات تو جیسا کہ میں نے ابھی تم سے کہا کہ ہر شخص ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری ضرورت بن گئی اور تم نے اپنی تنہائیاں مجھ سے سجا لیں تو یہ نہ سمجھو کہ تم میری ضرورت نہیں تھے۔ مجھے تمہاری قربت پُرلطف محسوس ہوئی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم زندگی بھر کے ساتھی بن گئے۔ میری منزل تو کچھ اور ہی ہے۔ ہاں، منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے جو چیز رکتے ہی پوری کی جانی چاہئے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک عورت کی حیثیت میں کبھی تمہیں اس کی اجازت نہ دیتی کہ تم کسی دوسری عورت کی جانب قدم بڑھاؤ۔ آج نہیں تو کل نیلم تمہاری آغوش میں آ جائے گی۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میرا کام میرے کام کے طور پر کرتے رہو۔"

بڑی کھری اور صاف گفتگو کر رہی تھی وہ۔ میں خاصا متاثر ہو گیا تھا اس کی باتوں سے۔ میں نے اس سے کہا۔ "بس میں یہی چاہتا ہوں چمپا کہ تم مجھے میری غلطیوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگاہ کرتی رہو اور مجھ سے ناراض ہونے کے بجائے مجھے دوستانہ انداز میں سم رہو۔"

وہ خاموش ہو گئی پھر اس نے کہا۔ "یہ ٹرین جس بڑے شہر تک جاتی ہے ابھی وہاں نہیں جانا بلکہ صبح ساڑھے پانچ بجے یہ ایک اسٹیشن پر رکے گی وہاں اتر جا ہمیں اور اس کے بعد آگے کا سفر کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا تم کہو۔" میں نے جواب دیا پھر چمپا بولی۔

"اب سو جاؤ تاکہ آگے کے عمل کے لئے تازہ دم رہو۔"

چمپا انسانی جسم میں نہیں تھی۔ میں نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں تھا بس محسوس کرتا رہا تھا۔ بہرحال میں نے خود بھی سو جانے کا فیصلہ کیا۔ ریل میں بھلا بھرپور طریقے سے کہاں آتی ہے کم از کم مجھے نہیں آئی تھی لیکن چشم تصور سے نہ ج کیسے کیسے خواب دیکھتا رہا تھا۔ بس ان خوابوں میں میرا ماضی تھا۔ وہ لوگ تھے جن کبھی میرا گہرا تعلق تھا لیکن اب صورت حال بالکل مختلف تھی۔ خوابوں کی واد سے نکلنے کے بعد میں نے حقیقت کی وادیوں میں قدم رکھا تو بہت سے خیالات م دل میں آنے لگے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ دنیا کو بے وقوف بنا کر زندگی گزا اور کچھ ایسا عمل کروں جس سے میری زندگی خوبصورت ہو جائے۔ اس درمیان بڑے بڑے دلچسپ واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اب جب سے چمپا میری زندگ آئی تھی میرا طرز زندگی ہی بدلتا جا رہا تھا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا میری اپنی سوچ کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ میں وقت کے میدان میں فٹ بال بنا ہ اور اس وقت تو صرف ایک کھلاڑی مجھ سے کھیل رہا تھا اور وہ چمپا تھی۔ پھر کسی نیند آ گئی لیکن کچی نیند تھی شاید تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ چمپا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا ایک لمحے کے اندر محسوس ہوا کہ ریل رکی ہوئی ہے۔ چمپا کی آواز ابھری۔ "اٹھو اترو ورنہ ریل آگے بڑھ جائے گی۔" میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور اس کے بعد ریل نیچے اتر آیا۔ اپنا اٹیچی میں نے اٹھا لیا تھا۔ جس ریلوے پلیٹ فارم پر ہم نے قدم تھا' وہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ بس اکا دکا افراد نظر آ رہے تھے جس میں ریل کے کے لوگ تھے۔ تھوڑے فاصلے پر وہ بورڈ لگا ہوا تھا جس پر اسٹیشن کا نام درج اسٹیشن کا نام مانک گڑھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے یہ نام زندگی میں پہلی بار سنا تھا۔ چا طرف مدہم مدہم کہر چھائی ہوئی تھی۔ اسٹیشن چھوٹا سا ہی تھا۔ کچھ اسٹال لگے ہو

جو اس وقت بند تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد ٹرین نے سیٹی بجائی اور گارڈ نے جھنڈی دکھا دی۔ ٹرین آگے بڑھ گئی تھی۔ میں اکیلا کھڑا ہوا تھا۔ چمپا نے مجھ سے کہا۔ "وہ سامنے نلکا لگا ہوا ہے۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو لو۔ تازہ دم ہو جاؤ گے۔"

میں نے نلکے کی جانب دیکھا۔ اس وقت واقعی پانی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں اپنا بیگ وہیں رکھ کر نلکے کی جانب بڑھ گیا۔ منہ ہاتھ دھویا پانی پیا۔ تب ذرا جا کر ہوش و حواس درست ہوئے۔ چمپا مجھے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن بیگ رکھا ہوا تھا۔ میں بیگ کے قریب پہنچا اور میں نے اسے آواز دی۔

"ہوں!" چمپا بولی۔

"اب ذرا انسانی شکل میں آ جاؤ۔ میں بڑی تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" چمپا نے کہا اور ایک سادہ سے لباس میں نمودار ہو گئی۔ اس نے چہرے پر نقاب لگا رکھا تھا۔ میں اسے دیکھ کر ہنس دیا پھر میں نے کہا۔

"اس وقت تو تم واقعی ایک شریف زادی معلوم ہو رہی ہو۔ لباس بھی بڑے قاعدے کا پہنا ہے۔"

"چلئے تشریف لائیے۔" اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ اب اسے اس طرح مجسم دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے اچھا لگا تھا۔ پھر ہم ریلوے پلیٹ فارم سے باہر نکل آئے۔ چار پانچ تانگے والے اونگھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر جیسے ان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور پھر بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کی بات کر رہے تھے۔

"کہاں جاؤ گے بابو جی؟"

"پورے مانک گڑھی کے ایک ایک بندے کو ہم جانتے ہیں۔"

"گھوڑا مضبوط ہے باؤ جی؟"

"ادھر آ جاؤ صاحب جی۔ جہاں کہو گے وہاں پہنچا دیں گے۔"

"کیا خیال ہے؟" میں نے چمپا سے سوال کیا اور وہ ہنس پڑی پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ادھر چلتے ہیں۔" وہ تانگہ ایک گوشے میں کھڑا ہوا تھا اور تانگے والا بھی ایک انتہائی بوڑھا آدمی تھا۔ خاموش بیٹھا حسرت بھری نگاہوں سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ غالباً اس کے اندر یہ سکت نہیں تھی کہ وہ دوسرے تانگے والوں کی طرح ہماری طرف لپک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آئے۔ میں نے چمپا سے اتفاق کیا اور ہم لوگ اپنا سامان اٹھائے ہوئے اس تا والے کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے انداز میں زندگی بیدار ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا کاندھے پر رکھا اور چمپا اور میں تانگے میں بیٹھ گئے۔

"چلو بابا جی۔"

بوڑھے نے خوش ہو کر تانگا آگے بڑھا دیا تھا۔ کچھ فاصلے پر جا کر اس نے پو

"کہاں جانا ہے بابو جی؟"

"کوئی سرائے ہے یہاں قیام کے لئے؟"

"ہاں جی۔ پکی سرائے بڑی اچھی جگہ ہے۔ اس کا مالک رمضان میرا دوست ہے۔ آپ کو ادھر بہت آرام ملے گا جی۔"

"ٹھیک ہے بابا صاحب چلو۔" میں نے کہا۔ چمپا ذرا مزے لے رہی تھی۔ تھ سا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "بابا صاحب باقی تانگے والے تو ہماری طر دوڑے چلے آئے تھے۔ آپ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔"

جواب میں بوڑھے کی آواز سنائی دی۔ "بیٹا! میرے اندر اب اتنی ہمت نہ ہے کہ ان جوانوں کی طرح بھاگ دوڑ کروں۔ بس اللہ پر بھروسہ کئے بیٹھا رہتا ہوں کوئی آ جاتا ہے تو اللہ کی مرضی۔ رزق دینے والا تو وہی ہے نا۔"

"آپ کا بیٹا نہیں ہے بابا صاحب۔ آپ کیوں تانگہ چلاتے ہیں؟" میں نے سو کیا۔

"نہیں.......... بیٹا نہیں ہے کوئی بس ایک بیٹی ہے۔ ستائیس سال کی عمر ہو ہے اس کی بٹیا' لوگ رشتہ مانگتے ہیں لیکن رشتے کے ساتھ پیسے بھی تو چاہئے ہو ہیں۔ بڑا اچھا بچہ ہے جمیل خاں پر ماں باپ لالچی ہیں۔ رو رو کر کہتا ہے کہ بابا جی میں کروں' کیسے ان لوگوں کا پیٹ بھروں جو بس دولت کے لالچی ہیں۔ میرا بس چلے تو سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔ بس بیٹا' اللہ پر بھروسہ کیا ہوا ہے' اسی ذات ہے جو نیا پار لگاتی ہے۔ دیکھو ہماری نیا کب پار لگتی ہے۔"

میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات ابھرے تو چمپا نے میرے کا میں کہا۔ "جو دل چاہے دے دو اسے' تمہارا صدقہ سہی۔"

میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ میں نے چمپا سے کہا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں۔ تم لوگوں کے یہ مسئلے میرے لئے بھی دلکش ہیں۔ جو دل چاہے کر لیا کر

پر ایک کام ضرور کیا کرو۔"

"کیا؟" میں نے جلدی سے سوال کیا۔

"مجھ پر بھروسہ۔" چمپا بولی اور میں ہنسنے لگا۔

چمپا کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بوڑھے تانگے والے نے ہمیں ہماری منزل پر پہنچایا تو چمپا نے ایک چھوٹا سا بیگ میرے حوالے کر دیا اور سرگوشی میں بولی۔

"یہ اسے دے دو۔ اس میں بہت کچھ ہے۔"

"یہ کیا ہے بابو صاحب؟"

"بابا جی آپ نے اپنی جس بیٹی کے بارے میں بتایا ہے یہ بیگ اسے دے دیں۔ اس سے کہہ دیں کہ اس نے اپنے بھائی کو نہیں دیکھا اور نہ اس کے بھائی نے اسے۔ یہ ایک انوکھے بھائی کا اپنی بہن کے لئے تحفہ ہے۔" بوڑھا رونے لگا تھا۔ پھر وہ روتا ہوا چلا گیا اور چمپا مجھے اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی۔

☆======☆======☆

چمپا میرے لئے ایک بڑی نعمت تھی۔ ابتدا سے ہی میں نے ایک آفاقی زندگی گزارنے کے خواب دیکھے تھے۔ بستی علی جاہ میں رہتے ہوئے گو خیالات کی بلندی زیادہ تو نہیں تھی لیکن جب کبھی زمیندار صاحب کو سفید رنگ کی گھوڑی پر سوار شان سے گزرتے دیکھتا تھا تو دل میں بڑی آرزو ہوتی تھی کہ کاش' کبھی میں بھی ان جیسا ہو جاؤں۔ اس کے بعد زندگی کی تبدیلیوں سے خوابوں کا معیار بڑھایا۔ پھر منحوس کالی چرن ملا اور نہ جانے کہاں سے دل میں ایمان کی بجھی ہوئی شمع روشن ہو گئی۔ وہاں سے تو نکل آیا لیکن چمپا کا جال بہت مضبوط تھا۔ وہ ہر لحاظ سے میرے لئے بہترین ہوتی اگر اس کے سامنے ایک بھیانک مشن نہ ہوتا۔ میں کسی صورت قاتل نہیں بننا چاہتا تھا۔ اور بس یہی خیال مجھے پریشان کئے جا رہا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو چمپا؟"

"سچ بتاؤں؟"

"ہاں۔"

"دوسرے شکار کی تلاش میں۔"

"کیا مطلب؟"

"دوسری بلی تیار ہے شعبان۔" اس نے کہا اور میں لرز گیا۔

"کون ہے وہ؟"

"تلاش کرنا ہے۔"

"مطلب۔"

"مطلب' مطلب' مطلب۔ میں تم سے تمہارا مطلب پوچھتی ہوں۔ ایک آدمی کی نشاندہی کروں گی تمہیں' تمہیں اس کے اس کے بارے میں پوچھنا ہے۔"

"کیا پوچھنا ہے؟"

"اس سے اس کے حالات زندگی معلوم کرو۔"

"ہوں.......... ٹھیک ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"دیکھو۔ یہ میری مجبوری ہے۔ ورنہ میں، تمہیں یہ سب کچھ کرنے کو نہ کہتی۔ اس کی زندگی بھی پُراسرار حالات میں گزری ہے مجھے اس کی زندگی کے حالات درکار ہیں۔ اس دنیا میں دولت کا کھیل سب سے خطرناک ہے۔ اس کے ساتھ یہی کھیل کھیلا اور اسے دوست بنا کر اس سے اس کے بارے میں معلوم کرو۔"

عامر کو دوست بنانے میں واقعی کوئی مشکل پیش نہیں آئی وہ میرا دوست بن گیا۔ اور جب میں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا.......... "تقدیر کے قائل ہو دوست۔ خیر تم قائل ہو یا نہ ہو میں تمہیں اپنی تقدیر کی کہانی سناتا ہوں۔ میری اس تقدیر کا نام نیا تھا۔ مقامی عیسائی تھی رنگ و روپ انگریزوں کی مانند۔ سنا ہے اس کی ماں چھ سال انگلینڈ میں رہی ایک ہسپتال میں نرس تھی۔ وہاں سے آئی تو نیا اس کے ساتھ تھی اور اس کا سیاہ فام باپ جونی اپنی اس پھول سی بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ لندن سے لائے ہوئے تحفوں میں اسے اپنی بیوی لیلی کا تحفہ سب سے زیادہ پسند آیا تھا۔

بہرحال مجھے نیا کے ماضی یا اس کے خاندان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے تو نیا سے پیار تھا اور وہ دل و جان سے مجھے چاہتی تھی۔ کیوں نہ چاہتی میں اس کے پورے خاندان کی پرورش کر رہا تھا۔ بی اے تک تعلیم میں نے ہی تو مکمل کرائی تھی ورنہ اس کا باپ جونی شراب پینے کے علاوہ اور کوئی کام کرنے کے قابل ہی کہاں تھا۔

"ابتدا میں اپنی ذہانت سے میں نے نیا کو اپنے کاروبار کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہونے دیا لیکن محبوب سے بھی کوئی بات چھپائی جاتی ہے۔ میں نے اسے سب بتا دیا۔ میرا خیال تھا کہ نیا سخت پریشان ہو جائے گی اور رو کر مجھ سے کہے گی کہ میں برائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو چھوڑ دوں۔ کہیں کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤں لیکن نیا ایک روشن خیال لڑکی تھی۔ وہ دقیانوسی اور فرسودہ روایات سے دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے عامر اس دنیا کا دھندا ایسے ہی چلتا ہے۔ تم کوئی انوکھا کام نہیں کر رہے ہو۔"

"تو۔ تو نیا۔ تم۔ تم اس بات پر مجھ سے ناراض نہیں ہوئیں۔" میں نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"میں جاہل نہیں ہوں عامر۔ اس دنیا کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔ ہاں لیکن ایک بات ضرور کہوں گی وہ یہ کہ خود کو محفوظ رکھ کر کام کیا کرو۔"

"اس سلسلے میں تم فکر مت کرو۔"

"میں خود بھی زندگی کے اس رخ سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ اگر تمہیں کبھی کسی ذہین ساتھی کی ضرورت ہو تو میں..........."

"تو گویا نیا.........." میں نے دلچسپی سے کہا۔

"تو میں تمہارے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔" نیا نے جواب دیا۔

"واقعی؟" میں نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

"خلوص دل سے۔"

خوشیاں اور دو دو حسین محبوبہ اور حسین ساتھی۔ میں نے اس حسین ساتھی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور نیا کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ میں نے اس کی حیثیت بالکل محفوظ رکھی۔ میں نے اسے خطرناک کاموں میں استعمال نہیں کیا لیکن ایسے کام لیتا رہا جن میں اس کی ذات براہ راست کبھی ملوث نہ ہو۔ میں نے اسے ایک نمایاں مقام دیا۔ خود اس سے دور رہ کر اسے سوسائٹی کا ایک اعلیٰ مقام دیا اور اس اعلیٰ مقام کو اپنے مفاد میں دوسرے طریقے سے استعمال کیا۔ ایک چھوٹے سے سلسلے میں نیا نے میری ضمانت بھی کرائی لیکن میں ذرا کم ہی پھنسنے والوں میں سے ہوں۔

"تو یہ ہے میرا اور نیا کا تعارف۔ ہر شخص کی زندگی یوں تو واقعات اور حادثات کا مجموعہ ہے اور پھر خاص طور سے ہم جیسے لوگوں کی تو بات ہی اور ہے ہماری زندگی بہت تیز ہوتی ہے۔ عام زندگی گزارنے والے لوگوں کی کہانیاں مختصر ہوتی ہیں۔ سب ایک ڈگر پر چلنا لیکن ہم.........."

"ہاں تو میں اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ سنانے جا رہا ہوں۔ بلاشبہ یہ کہانی میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور نیا کی زندگی کی انوکھی کہانی ہے۔

"ان دنوں کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ نیا کے پاس ایک خوبصورت کا تھی۔ ایک حسین بنگلہ تھا۔ اس کا ایک چھوٹا سا کاروبار تھا۔ یہ ساری چیزیں اسے م نے مہیا کی تھیں لیکن میں خود ایک درمیانہ درجے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ جو کرائے تھا۔ یہاں عام سا فرنیچر تھا اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ لوگ میری طرف مشکوک نہ ہوں۔

"میں اور نیا اکثر لمبی ڈرائیو پر نکل جاتے تھے اس کے والدین کو میرے ا ساتھ پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا کیونکہ میں نے ان کی زندگی بنا دی تھی۔

"تو اس رات ہم کلرنگ پوائنٹ سے واپس آرہے تھے۔ یہ اعلیٰ درجے ریستوران تھا جس میں اعلیٰ درجے کے لوگ ہی جاتے تھے۔ رات کے تقریباً پونے بار بجے تھے۔ سرشام ہی ہم لوگ کلب پہنچ گئے تھے اور وہاں کی تفریحات میں حصہ لے رہے تھے۔ نیا ڈرائیونگ کرتے کرتے ہولے ہولے گنگنا رہی تھی کہ اچانک اس ک گنگناہٹ رک گئی اور اس کے ساتھ ہی کار کی رفتار سُست ہو گئی۔

"کیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"شاید کوئی حادثہ۔"

"کیا مطلب۔" میں نے آنکھیں پھاڑ کر سڑک پر دیکھا کار کچھ اور آگے بڑھ گ اور روشنیاں ایک وجود کو اجاگر کرنے لگیں جو سڑک کے درمیان پڑا ہوا تھا۔

"اوہ۔ شاید کوئی اسے ٹکر مار کر چلا گیا۔"

"ہاں۔ برائیوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔" نیا نے کہا اور کار کنارے کر روک دی۔ پھر دونوں دروازے کھول کر نیچے اتر گئے۔

"اگر کوئی اس وقت ہمیں دیکھ لے تو اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچے گا کہ ہم ہی اسے زخمی کیا ہے۔"

"بلاشبہ لیکن اس خوف کی وجہ سے اسے چھوڑا تو نہیں جاسکتا۔ ممکن ہے یہاں سے گزرنے والے دوسرے لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہو اور یہی سوچ کر آگے بڑھ گئے ہوں کہ کہیں کوئی مصیبت ان کے گلے نہ پڑ جائے۔" نیا نے جواب دیا۔

اس دوران ہم سڑک پر پڑے شخص کے قریب پہنچ گئے تھے اور پھر اس پر جھک گئے لیکن وہ کسی کار یا کسی دوسری سواری کے حادثے کا شکار نہیں تھا کوئی اور ہی بات

تھی۔ یقیناً کوئی اور ہی بات تھی۔ اس کے بدن پر عمدہ تراش کی شرٹ اور پتلون تھی۔ دونوں پاؤں سمٹے ہوئے تھے ایک ہاتھ سینے پر تھا اور دوسرا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ پھیلے ہوئے ہاتھ پر موٹی رسی کا ایک پھندا نظر آرہا تھا پاؤں کے نزدیک سو ڈالر کا ایک نوٹ پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

"زندہ ہے۔" نیا نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہاں لیکن زخمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"ممکن ہے پشت پر زخم ہو۔" نیا نے کہا اور میں نے جیب سے دستانے نکال کر ہاتھوں پر چڑھا لئے۔ پھر میں نے اسے پلٹ کر دیکھا لیکن پشت پر بھی کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا اور نبض بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

"اب؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے یہاں تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ظاہر ہے جب اتنا کیا ہے تو اسے کسی ہسپتال تک پہنچانے کی کوشش بھی کی جائے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ایک بات کہوں عامر۔"

"ہاں کہو۔"

"میرے خیال میں اسے ہسپتال لے جانا حماقت ہے کوئی زخم وغیرہ تو ہے نہیں' سانس بھی نارمل ہے۔ رسی اور نوٹ پُراسرار ہیں۔ ممکن ہے کسی سازش کا شکار ہوا ہو اور صرف بے ہوش ہو۔ ان حالات میں ہم الجھن میں پھنس سکتے ہیں۔"

"پھر؟" میں نے وہاں بھی نیا کی بات سے اختلاف نہیں کیا۔

"کیوں نہ اسے گھر لے چلیں۔ ہوش میں آنے کا انتظار کریں گے ممکن ہے اس سے کچھ معلوم ہو جائے۔" نیا نے تجویز پیش کی۔

"اوکے نیا تم کار کا دروازہ کھولو میں اسے ہاتھوں پر اٹھا کر لاتا ہوں۔" میں نے کہا اور نیا نے گردن ہلا دی اور پھر اس نے جھک کر نوٹ اور رسی کا عجیب و غریب پھندا اٹھایا اور نیا کار کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے نوجوان کو اٹھایا۔ درمیانی جسامت کا ایک اسمارٹ نوجوان تھا۔ مجھے اسے اٹھانے میں دقت نہیں ہوئی۔ نیا نے عقبی دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے احتیاط سے اسے پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور پھر خود اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا تاکہ اسے سنبھال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکوں۔ نیا نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔

"چلوں عامر۔"

"ہاں جلدی چلو کہیں عقب سے کوئی دوسری کار نہ آجائے۔" میں نے کہا اور نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی۔

"تمہیں اس کے جسم پر کسی قسم کے نشان کا احساس نہیں ہوا۔" نیا نے مجھ پوچھا۔

"بظاہر تو بالکل نہیں ہے۔"

"بظاہر سے کیا مراد ہے؟"

"ممکن ہے کوئی اندرونی چوٹ ہو نیا۔" میں نے کہا اور نیا نے ہونٹ سکوڑ ہوئے گردن ہلادی۔

"اوہ۔ ہاں اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے کہا۔

"تمہارے پاس ابتدائی طبی امداد کا سامان تو موجود ہوگا نیا۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"ہم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کریں گے۔"

"ضرور لیکن قصہ کیا ہوسکتا ہے اور عامر اس امکان کا تم جائزہ تو لو کہ کہیں ا کے پھندے سے اس کی گردن تو دبانے کی کوشش نہیں کی گئی۔" نیا نے اچانک کہا او میں بھی چونک پڑا۔ یہ بات قرین قیاس ہوسکتی تھی لیکن اندھیرے میں اس کا اندازہ لگ بھی مشکل تھا۔ گردن کے نشانات تو ہم روشنی میں ہی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے اپنی ناکا کا اعلان کیا۔

"ہاں اس طرح مشکل ہے مجھے فوراً احساس ہوگیا تھا۔" نیا مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیوں؟"

"میرا مطلب ہے تمہارے ممی ڈیڈی۔"

"ڈیڈی تو جیسا کہ تمہیں پتہ ہے نشے میں دھت پڑے رہتے ہیں۔ رہی ممی تو ا ہمارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتی۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن کوئی ایسا موقع کبھی آیا بھی نہیں۔"

"تم اس بات کی فکر کیوں کرتے ہو۔"

"نہیں فکر کی بات نہیں ہے۔ بس ایسے ہی سوچ رہا تھا۔ دراصل فلیٹ ا

معاملے میں بالکل بے کار جگہ ہے۔ وہاں تو کوئی راز' راز رہ ہی نہیں سکتا سب ایک دوسرے کی کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ کون کیا کررہا ہے۔"

"میرے ایک پڑوسی تو تقریباً ہر تیسرے دن میرا انٹرویو لیتے رہتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسا انٹرویو؟" نیا نے پوچھا۔

"یہی کہ میں کیا کرتا ہوں۔ کتنی آمدنی ہے کاروبار کیسا چل رہا ہے۔ والدین کون سے گاؤں میں رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"انہیں تم سے کیا دلچسپی پیدا ہوگئی۔"

"بھتیجی کی وجہ سے۔"

"کیا مطلب؟"

"کوئی بھتیجی ہے ان کی' اور اس کے والد ریکروٹنگ ایجنٹ ہیں۔ آج شادی کرو کل دوبئی چلے جاؤ۔ کئی بار کہہ چکے ہیں۔"

"واہ۔ وہ اپنی بھتیجی کو دوبئی کیوں نہیں بھیج دیتے۔ ویسے ڈارلنگ میں تم سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ فلیٹ چھوڑدو۔"

"اور میں کئی بار تمہیں اس کا جواب دے چکا ہوں تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہاری شخصیت کو مشکوک نہیں کرنا چاہتا بس میں چاہتا ہوں کہ پہلے تم خوب دولت مند بن جاؤ تاکہ ایک دولت مند لڑکی سے شادی کرکے میری زندگی بھی آرام سے گزرے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور نیا بھی ہنسنے لگی۔ اسی وقت میں نے نوجوان کی کراہ سنی اور چونک پڑا۔

"اوہ۔ یہ ہوش میں آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے ہم بھی پہنچ چکے ہیں۔" نیا نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد ہماری کار بنگلے کے پورچ میں رُک گئی۔ میری نگاہیں نوجوان پر تھیں جو اپنی گردن مسلے رہا تھا اور اب پوری طرح ہوش میں معلوم ہوتا تھا۔

کار رکی تو وہ اچھل پڑا۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اٹھنے کی جدوجہد کرنے لگا۔

"اوہ بدحواس نہ ہو تم دشمنوں میں نہیں ہو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تت۔ تم مجھے مجبور نہیں کرسکتے۔ تم مجھے۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں۔" وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوفزدہ لہجے میں بولا اور میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"طاقتور آدمی میں تم سے طاقت آزمائی نہیں کرنا چاہتا۔ میں تمہارا امدد گار ہو ہم نے تمہیں سڑک پر پڑے پایا تھا اور تمہاری امداد کرنے کے خیال سے تمہیں آئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ پھر چونک پڑا۔

"دونوں نے۔" اس نے سراسیمہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ میری منگیتر اور میں۔" میں نے جواب دیا اور اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ تب اس کے چہرے پر بالکل سکون کے آثار پھیل گئے۔ وہ عمدہ قسم کی انگر بول رہا تھا اور اب اس کے خدوخال سے اندازہ ہوا تھا کہ یہ مقامی باشندہ نہیں ہے

"آہ۔ وہ۔ وہ دونوں۔ وہ دونوں۔" اس نے کہا اور پھر دوبارہ گردن مسلنے ل

"ان کی بات کر رہے ہو جنہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھ میں نے پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔

"یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آؤ اندر آؤ۔" نیا نے کہا اور نوجوان سہارا لے کر کار سے نیچے اتر آیا۔ اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی۔ اس لئے میں ا سہارا دے کر اندر لایا۔ نیا اسے اپنے بیڈ روم سے ملحقہ کمرے میں لے گئی۔ یہاں موجود تھا۔

اس نے کمرے کی روشنیاں جلائیں اور نوجوان سے بستر پر لیٹ جانے کو کہا۔

"نہیں شکریہ اب میں بیٹھوں گا۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ٹھہرو میں تمہارے لئے برانڈی لاتی ہوں۔" نیا نے کہا اور مجھے وہاں ر اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ برانڈی کی بوتل اور گلاس لے کر آ اس نے نوجوان کو برانڈی دی اور وہ ایک ہی دفعہ اسے حلق میں اتار گیا۔ پھر پ نگاہوں سے بوتل کو دیکھنے لگا۔

"اور لو گے؟" نیا نے پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔ تب نیا نے اسے ا اور پیگ برانڈی دی۔ اس بار نوجوان نے اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لئے تھے وہ ہونٹ خشک کرتا ہوا بولا۔

"میں تم دونوں کا.........."

"شکر گزار ہوں۔ کیوں یہی کہو گے نا۔"

"ہاں۔ تم لوگوں نے بے لوث میری مدد کی ہے جبکہ اس ملک میں' میں نے بڑی بے حسی پائی ہے۔ کوئی کسی کا ہمدرد نظر نہیں آتا۔"

"تم مقامی تو نہیں ہو۔"

"نہیں میں یورپ کا باشندہ ہوں۔"

"ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ اب تمہاری حالت کیسی ہے۔"

"اب ٹھیک ہوں۔ انہوں نے میری گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر دور سے ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں اور وہ فرار ہو گئے۔"

"شکر ہے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ کیا تمہیں پولیس کی مدد درکار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں ہمدرد انسانو' تمہارا شکریہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ پولیس سے مدد لوں۔"

"اوہ کیوں؟"

"اس لئے کہ۔ کہ میں کوئی اچھا انسان نہیں ہوں؟" نوجوان نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا میں تمہیں اور برانڈی دوں؟" نیا نے ہمدردی سے کہا۔

"نہیں شکریہ۔"

"کیا تم اپنا تعارف کرانا پسند کرو گے۔"

"میرا نام ریکس ہے ریکس جیمس۔"

"خوب' یہ نیا ہے اور میرا نام عامر ہے۔" میں نے کہا اور اس نے احسان مند نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ کر گردن خم کر دی۔

"ریکس۔ میرا خیال ہے کہ اب تم اس بات سے آگاہ ہو گئے ہو کہ ہم نے صرف انسانی رشتے کے تحت تمہاری مدد کی ہے اور اس میں کوئی لالچ پنہاں نہیں ہے۔ ہر انسان جستجو کا مریض ہوتا ہے اور ہم دونوں بھی اس سے الگ نہیں ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں تمہارے بارے میں جاننے کا اشتیاق ہے لیکن اس کے باوجود ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ اگر اپنے بارے میں نہ بتانا چاہو تو نہ بتاؤ۔ تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آہ۔ میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں۔ تم نے واقعی میرے اوپر احسان کیا ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ واپس آتے اور۔ اور.........." ریکس نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔

"لیکن انہوں نے تمہیں رسی سے ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی؟"

"غیر مسلح تھے لیکن ہر قیمت پر مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔"

"تعجب ہے لیکن اس کے پس پردہ کوئی کہانی ہوگی۔"

"ہاں لیکن تم۔ تم لوگ؟"

"ہوں کہو۔ رک کیوں گئے۔"

"دیکھو دوستو میں خلوص دل سے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں اپنی کہانی ضرور سناؤں گا لیکن لیکن۔"

"ہاں ہاں ریکس آگے کہو۔"

"تم مجھے پولیس کے حوالے نہیں کرو گے۔"

"اوہ لیکن کیوں۔ ہم ایسا کیوں کرنے لگے؟"

"کیونکہ مجھے غیر قانونی طور پر یہاں لایا گیا ہے۔"

"لایا گیا ہے؟"

"ہاں۔ میرا پاسپورٹ وغیرہ بھی نہیں ہے۔ پہلے مجھے مڈل ایسٹ لایا گیا اور یہاں اسمگل کردیا گیا۔"

"اوہ لگتا ہے جیسے تم کسی خطرناک گروہ کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو.........."

"ہاں میرے دوست ایسی ہی بات ہے۔" ریکس گہری سانس لے کر بولا۔

"ٹھیک ہے ریکس ہم وعدہ کرتے ہیں تمہیں نہ تو پولیس کے حوالے کریں اور نہ کسی کو تمہارے بارے میں بتائیں گے۔ ہم تمہاری بھرپور مدد کریں گے ا تمہارے ساتھ ہر تعاون کریں گے۔ یہ تعاون غیر مشروط ہے۔" میں نے کہا۔

"تعجب ہے۔ تعجب ہے۔"

"کیوں؟"

"اس ملک میں مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی ہمدرد نہیں ملا۔ میں تمہاری ہمدردی سے بے حد متاثر ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ریکس۔ ہاں تمہارے نزدیک ایک سو ڈالر کا نوٹ بھی

ہے؟"

"اوہ۔ کیا نوٹ تمہارے پاس موجود ہے۔" ریکس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں تمہاری امانت ہے۔ یہ لو۔" میں نے نوٹ اس کی طرف بڑھادیا اور ریکس اس نوٹ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یہی نوٹ میری نحوست کا ذمے دار ہے۔ آہ میں انہی کا شکار ہوں۔"

"وہ کیسے۔"

"تم روشنی میں اس نوٹ کو دیکھو۔" اس نے نوٹ واپس میری طرف بڑھادیا اور میں نوٹ کو بغور دیکھنے لگا۔

"کوئی خاص بات نہیں ایک عام سا نوٹ ہے۔"

"اصلی ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔" میں چونک پڑا۔

"اسے۔ میں نے بنایا ہے۔" اس نے بتایا اور میں اور نیا اچھل پڑے۔ نیا نے نوٹ میرے ہاتھ سے اچک لیا اور اسے روشنی میں بغور دیکھنے لگی۔ پھر اس نے حیرانی سے کہا۔

"میرے خدا۔ کوئی باریک سے باریک نگاہ والا یہ نہیں کہہ سکتا یہ تو بالکل اصلی معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ صرف رنگ اور برش کا کمال ہے۔ یہاں تک کہ وائر لائن جو آپ دیکھ رہے ہیں برش سے بنائی گئی ہے۔"

"کمال کی بات ہے۔ واقعی کمال کی بات ہے۔" میں نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"اب تو تمہارے بارے میں جاننے کا اشتیاق اور شدت اختیار کر گیا ہے۔" نیا مسکراتی ہوئی بولی۔

ریکس گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا یہ بات تمہارے لئے قابل اعتراض نہیں ہے کہ.......... کہ میں جعلی نوٹ بناتا ہوں۔"

"نہیں۔ ہم اخلاقیات کے قائل نہیں ہیں۔ دنیا کا کاروبار انوکھے انداز میں چل رہا ہے۔ چند لوگوں کا تعین ہم کیوں کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے درست کہا۔ میں برطانیہ کی ایک قابل احترام اور معزز فیملی سے رکھتا ہوں۔ میرا خاندان بہت اچھا ہے لیکن۔"

"لیکن کیا۔"

"لیکن میں اس نیک نام خاندان کا بدنصیب فرد ہوں۔"

"اوہ۔ یہ بدنصیبی۔"

"وہی بتانے جارہا ہوں۔ میرے والد مسٹر مارکو لندن کی عدالت کے جج تھے قابل عزت شخص، لیکن ان کے دشمنوں نے مجھے چھ سال کی عمر میں اغوا کرلیا میرے والد سے انتقام لینا چاہتے تھے۔"

"اوہ لیکن اس دشمنی کی بنیاد کیا تھی؟"

"چند افراد نے ان کے ہاتھوں سے سزا پائی تھی اور ان کے دشمن بن تھے۔"

"اوہ۔ یہ بات تھی۔"

"ہاں مجھے اغوا کرلیا گیا اور مجھے جرائم کے راستے پر ڈال دیا گیا۔ مجھے ہر فن طاق کیا گیا۔ میں فطری طور پر مصور تھا لیکن میری فنکارانہ صلاحیتوں کو دوسرا دے دیا گیا اور اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"خوب!" میں نے گردن ہلادی۔

"میں نے ہر طرح کا نوٹ ڈیزائن کیا اور انہوں نے کروڑوں روپے کی کرنسی چھاپی لیکن مجھے اپنے کردار سے نفرت تھی۔ میں ہمیشہ ان کے جال سے نکلنے لئے کوشاں تھا۔" اور وہ خاموش ہوگیا۔

"تم نکل بھاگے۔" میں نے سوال کیا اور اس سوال پر اس نے جن نگاہوں مجھے دیکھا اس وقت ان کا مفہوم میں نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن آج میں اس مفہوم پوری طرح واقف ہوں۔

"ہاں۔ میں نکل بھاگا۔"

"اور انہوں نے تمہارا تعاقب کیا؟"

"ہاں۔" وہ خاموش ہوگیا۔

میرے ذہن میں ہانڈی پک رہی تھی۔ اتفاق سے میرے ہاتھ میں ایسا آدمی گیا تھا جو میرے لئے انتہائی کارآمد ہوسکتا تھا لیکن اس کارآمد انسان سے فائدہ

طرح اٹھایا جائے۔ وہ بیچارہ تو خود مصائب کا شکار تھا۔

تاہم میں نے کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا اور چند ساعت غور کرتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہاری کہانی سن کر واقعی دکھ ہوا ہے مسٹر ریکس لیکن تمہارا فن قابل داد ہے۔"

"مجھے اس فن سے شدید نفرت ہے۔"

میں نے نیا سے اردو میں کہا۔

"طویل کام ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اس کے لئے تیار کس طرح کیا جائے۔"

"ہاں اصل کام یہ سوچنا ہے۔ ہم سوچیں گے۔ ہمارے ذہن اتنے کند نہیں۔ اس لئے ہمیں اس کے ساتھ بہترین سلوک کرنا چاہئے تاکہ اخلاقی طور پر وہ ہمارا گرویدہ ہوجائے۔" نیا نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔

بہرحال اس کے بعد میں دیر تک نیا کے ساتھ رہا ہم دونوں مختلف انداز سے سوچتے رہے اور پھر سارے کام دوسرے دن پر ملتوی کرکے میں اپنے فلیٹ پر چلا آیا دوسری صبح میں نے ناشتہ نیا اور ریکس کے ساتھ ہی کیا تھا۔ ریکس کافی حد تک پُرسکون نظر آرہا تھا۔

"جب کسی کام کی تکمیل ہونی ہوتی ہے تو اس کے راستے خودبخود نکل آتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ریکس۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"طویل عرصے سے میں ان لوگوں کے چنگل سے نکل جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن ہمت ہی نہیں پڑی۔ یہاں آکر میں نے سوچا کہ اب اس پروگرام کو عملی جامہ پہنا ہی دوں گا اور اس کے لئے میں نے کوشش شروع کردی۔ پھر جب میں نے عملی قدم اٹھایا تو مجھے سہارے بھی ملتے چلے گئے۔ تم لوگوں کا تعاون میرے لئے جتنا قیمتی ہے میں بیان نہیں کرسکتا۔"

"بلاشبہ۔ ہم آخری حدود تک تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔" میں نے گفتگو کی اس ابتدا کو غنیمت جانا اور شروع ہوگیا۔

"مجھے یقین ہے اور اس کے لئے میں آپ لوگوں کا بے حد شکرگزار ہوں۔ کاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں بھی آپ کے لئے کچھ کر سکتا۔"

"ہر کام کے لئے صلہ ضروری نہیں ہوتا ریکس! ہم تمہاری بے لوث مدد کر چاہتے ہیں۔ اسے اتفاق کہہ لو کہ ہاتھ تو ہمارے بھی صاف نہیں ہیں۔ چھوٹے مو کام ہم بھی کرلیا کرتے ہیں۔"

"تمہاری مراد مجرمانہ کارروائیوں سے ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں ڈیئر ریکس۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔"

"ہاں۔ میرے دوست یہ تمہاری صاف دلی کی علامت ہے۔ معاشرے نے انسان کو اس قدر مجبور کردیا ہے کہ اچھی فطرت کے باوجود اسے برائیوں کی جان راغب ہونا پڑتا ہے۔ میں اسے تمہاری مجبوری ہی سمجھتا ہوں ورنہ جو لوگ اپنے دلوا میں ہمدردی کا ایسا جذبہ رکھتے ہوں وہ فطری طور پر برے نہیں ہوسکتے۔"

"اب اسے کچھ کہہ بھی لو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر اچانک ہی م نے پوچھا۔ "تم ان نوٹوں کے لئے جو رنگ وغیرہ استعمال کرتے ہو کیا وہ آسانی دستیاب ہوجاتے ہیں۔"

"ہاں۔ زیادہ مشکل پیش نہیں آتی۔"

"ایک نوٹ کی تیاری میں کتنا وقت لگ جاتا ہے۔"

"خاصا' کیونکہ وہ ماسٹر نوٹ ہوتا ہے۔ پھر اس سے دوسرے رنگوں کی چھپاا ہوتی ہے لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا۔"

"اوہ۔ کوئی خاص بات نہیں۔ دولت کے حصول کا جذبہ کس دل میں نہیں ہو اس کے علاوہ ہم مالی طور پر اتنے مضبوط نہیں ہیں۔"

"اس کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چھپے ہوئے نوٹوں کا ایک بڑ ذخیرہ میری تحویل میں ہے تقریباً ایک کروڑ ڈالر کی مالیت کے نوٹ۔ جنہیں میں چالاکی سے ان لوگوں کے قبضے سے نکال کر پوشیدہ کرلیا تھا۔ یہ نوٹ آج بھی میر پاس ہیں۔"

ناشتے پر ہمارے ہاتھ رک گئے۔ نیا کی آنکھوں میں قندیلیں جل اٹھی تھیں لیکن دوسرے لمحے ہم نے خود کو سنبھال لیا اور ناشتے میں مصروف ہوگئے۔

"تم نے یہ نوٹ کہاں چھپائے ہوئے ہیں؟"

"ایک محفوظ جگہ۔ میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں۔"

"عمدہ خبر ہے لیکن اس کے لئے تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

"دولت۔ جیسا کہ تم نے کہا کہ دولت کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے۔ میں بھی اپنی زندگی کے لئے دولت ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ نوٹ میرے لئے بھی بڑی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں ان میں سے آدھی رقم تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ پچاس لاکھ ڈالر کی رقم کم نہیں ہوتی۔ تم ساری زندگی عیش وعشرت سے گزار سکتے ہو۔"

"ہمیں منظور ہے اور اس کے عوض ہم تمہاری ہر طرح کی مدد کے لئے تیار ہیں۔" میں نے اس موقع پر کوئی تکلف مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"میں نوٹ تمہارے حوالے کردوں گا لیکن دوست۔ کیا تم ان نوٹوں کو اس ملک میں استعمال کرسکتے۔" اس نے پوچھا اور میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ واقعی اس موضوع پر نہیں سوچا تھا۔ اگر مقامی کرنسی بھی ہوتی تو یہ کام مشکل تھا۔

"میرا خیال ہے نہیں۔"

"اس کے لئے تمہیں یورپ کا سفر کرنا ہوگا۔"

"ہاں بلاشبہ۔"

"تو پھر کیوں نہ تم میرے ساتھ لندن تک کا سفر کرو۔ وہاں پہنچ کر ہم انہیں پھیلا دیں گے اور میں اس کام میں تمہاری معاونت کروں گا۔"

"لندن کا سفر۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہاں۔ لندن نوٹوں کو تبدیل کرنے کے بعد تم یورپ کے دوسرے ممالک کی سیر کو نکل جانا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے نیا کی صورت دیکھی۔ نیا کی آنکھوں میں خواب رقصاں تھے۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے منظور ہے ریکس' لیکن کیا تمہیں ان نوٹوں پر پورا بھروسہ ہے۔ کیا ہم یہ کام آسانی سے کرسکتے ہیں؟"

"ہر کام محنت طلب ہوتا ہے۔ نوٹوں کو لندن لے جانے کے لئے تمہیں شدید محنت کرنا ہوگی۔ رہی ان کے تبدیل ہونے کی بات تو یہ میری ذمے داری ہے' لیکن ان میں سے کچھ نوٹ تو ہمیں یہیں تبدیل کرانے ہوں گے۔ تمہارے ہاں ڈالر کا خفیہ کاروبار بھی تو ہوتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں چھوٹی موٹی رقم' بڑا کاروبار پھنسادے گا اور پھر اس قدر کھلے پیمانے پر
کرنے والی کوئی پارٹی موجود بھی نہیں ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے تم سفر کے اخراجات اور دوسری ضرورتوں کے
تقریباً دس ہزار ڈالر تبدیل کرالو تاکہ سفر میں ہمیں دقت نہ ہو۔"

"عمدہ خیال ہے لیکن ڈالر کا وہ ذخیرہ کہاں ہے۔"

"تم جس وقت کہو میں تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں۔ اسے اس جگہ سے نکال
محفوظ مقام پر پہنچانا تمہارا کام ہے۔" ریکس نے لاپرواہی سے کہا اور ہم دونوں
اس کے الفاظ کی سچائی کو پوری طرح محسوس کیا۔

ناشتے کی میز سے اٹھنے کے بعد میری اور نیا کی ایک میٹنگ ہوئی۔ میں اندازہ
چکا تھا کہ نیا ضرورت سے زیادہ خوش اور مسرور ہے۔

"یہ تو۔ یہ تو بڑی عمدہ بات ہوئی۔"

"ہے بظاہر۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا تم اس پروگرام میں کوئی۔ کوئی۔"

"یہ بات نہیں ہے نیا بس دوسرے بہت سے خیالات ہیں۔"

"مثلاً؟"

"اس شخص کی سچائی۔"

"کیا وہ مشکوک ہے۔"

"بظاہر تو نہیں ہے۔"

"باطن کی گہرائی میں کیوں جارہے ہو عامر۔ اگر غلط صورت حال پیش آئے گی
دیکھا جائے گا۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔"

"اس کے علاوہ نوٹوں کا معاملہ رہ جاتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ ان نوٹوں کی کیفیت کیا ہے۔ انہیں تبدیل کر
آسان تو نہیں ہوگا۔"

"لیکن یہاں ڈالر کا کاروبار کرنے والے بے شمار لوگ ہیں۔ ان سے رابطہ قائ
کرو جو اس کاروبار کو پردے میں کرتے ہیں۔ کچھ کمیشن ہی تو دینا ہوگا۔"

"ہاں۔ یہ سارے کام ہونے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کن بات کہی جاسکتی ہے۔"

"اور اگر یہ سارے کام پروگرام کے مطابق ہوگئے تو؟"

"تو پھر یورپ کے حسین شہر اور ہم۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نیا میری
گردن میں جھول گئی۔ وہ یورپ کے تصور سے بے حد مسرور نظر آرہی تھی۔ تھوڑی
دیر تک ہم دونوں خوش آئند تصورات میں ڈوبے رہے اور پھر سنبھل گئے۔

"یہ ساری باتیں اپنی جگہ عامر لیکن اب سب سے اہم بات تو سوچو۔" نیا نے
کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"فرض کرو اگر ساری باتیں اپنی جگہ درست نکلتی ہیں اور ریکس کروڑوں ڈالر
کی رقم ہمارے حوالے کردیتا ہے تو کیا انہیں استعمال کرنے کے لئے لندن یا یورپ کے
کسی شہر میں جانا ضروری ہے۔"

"کیوں نہیں نیا یہ بات تو پہلے ہی ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن انہیں لندن لے جانے کے سلسلے میں کیا کیا جائے گا۔"

"ہاں۔ تمہارا یہ سوال خاصا اہم ہے اس کے لئے ہمیں کوئی ایسا پروگرام بنانا
پڑے گا نیا جو ذہانت سے بھرپور ہو اور جس میں ہمارے پھنسنے کا کوئی امکان نہ رہے۔"
میں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے۔ کیا اتنی بڑی رقم منتقل کرنا آسان کام ہوگا۔"

"یقیناً نہیں۔"

"تب پھر..........؟"

"پھر کیا اس کے لئے ہم کوئی ترکیب سوچیں گے اور اگر یہ ہم کام نہ کرسکے تو پھر
ہم میں اور عام لوگوں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے عامر لیکن اس کے لئے خاصی ذمے داری کے ساتھ کچھ کرنا ہوگا۔
کوئی ایسا پروگرام کوئی ایسا کھیل جو انوکھی اہمیت کا حامل ہو۔ نوٹوں کو عام انداز
میں اسمگل کرنا میرے خیال میں خاصا پریشان کن رہے گا۔"

"تم اس سلسلے میں فکر مت کرو نیا۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا
واقعی ریکس کے بنائے ہوئے نوٹ اتنے مکمل ہیں کہ ہم انہیں بآسانی بازار میں لے
جاسکتے ہیں۔ بھئی بات صرف اس ملک کی نہیں ہے یورپ میں تو لوگوں کی نگاہیں اور
زیادہ تیز ہوتی ہیں وہ اصلی اور نقلی کی پہچان کرسکتے ہیں۔ ان حالات میں میرا مطلب تم

سمجھ رہی ہو گی۔"

"ہاں ہاں یقیناً۔"

"تو یہ دوسرا پروگرام تو ہم بعد میں سوچیں گے سب سے پہلے تو یہ اندازہ لگا کہ وہ نوٹ کس کنڈیشن کے ہیں اور جس طرح سے یہ نوٹ ہم نے دیکھا' وہ سب اس سے ملتے جلتے ہیں یا اس سے مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بہرطور ر کی سچائی کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے تو پھر اس سلسلے میں فوری اقدام کیا کر رہے ہو۔" نی پوچھا۔

"بس جیسا کہ ریکس نے بتایا کہ وہ نوٹ ہماری تحویل میں دینے کے لئے تیار تو میں اس کام پر سب سے پہلے عمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ کیا تم نوٹوں کا ذخیرہ لے آؤ گے۔"

"ہاں۔ نیما دراصل میں اس انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں۔ جب تک کوئی اپنی تحویل اپنی گرفت میں نہ ہو۔ میں اس پر بھروسہ نہیں کرتا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تمہاری کامیابی کی یہی دلیل ہے۔" نیما نے مجھ سے اتّ کرتے ہوئے کہا۔

"بس میں ریکس سے بات کروں گا۔ اگر موقع ملا تو آج ہی۔" میں نے کہا او مسکرانے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" نیما نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے اجازت دو دوپہر کے بعد آؤں گا۔ میرا خیال ہے دوپہر کا کھانا ریکس کے ساتھ کھالینا۔ میں کچھ ضروری کاموں میں مصروف رہوں گا۔" میں نے اور نیما نے گردن ہلادی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ بلاشبہ میری مجرمانہ زندگی میں اتنا کام مجھے پہلی بار ملا تھا جو مشکل بھی تھا اور اہم بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے مالی منافع حاصل ہونے والا تھا۔ وہ اتنا تھا کہ آئندہ زندگی کے بیس سالوں میں بھی ا پیسہ نہیں کما سکتا تھا۔ وہاں سے سیدھا اپنے فلیٹ آیا اور اپنے بستر پر دراز ہو کے اا حالات پر غور کرنے لگا۔

میرا ذہن مختلف ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں ہر بات کو ذہن می

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھا تھا۔ ریکس کی سچائی پر شبہ کرنا ذرا احمقانہ سی بات تھی۔ جس انداز میں وہ مجھے ملا تھا اگر میں اس پر توجہ نہ دیتا تو ظاہر ہے کہ وہ مجھ تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا اور یہ سوچنا کہ وہ کسی پروگرام کے تحت باقاعدہ میرے پاس آیا ہے۔ ذرا بھی ممکن نہیں تھا اور اس کے بعد اس کی کہی ہوئی بات لیکن اس کا فیصلہ بھی جلد ہی ہو جاتا اگر وہ نوٹ میرے حوالے کر دیتا۔ گو اب سارا معاملہ صرف اس بات تک رہ گیا تھا کہ نوٹ کب میری تحویل میں آتے ہیں اور اس کے لئے میں نے یہی بہتر سمجھا تھا کہ نوٹوں کو نیما کے مکان پر منتقل کر دوں۔ نیما کا مکان ظاہر ہے میری ملکیت تھا اور میں جانتا تھا کہ کوئی شخص ابھی تک اس سلسلے میں مشکوک نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرف سے اطمینان تھا۔ بہت دیر تک میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میں دوسرے معاملات کے بارے میں سوچنے لگا۔ نہ جانے کب تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر چونک پڑا۔ گھڑی دیکھی تو شدید حیرت ہوئی۔ کئی گھنٹے ہو چکے تھے یہ سب سوچتے ہوئے۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا ایک ریستوران میں کھانا کھایا۔ کافی پینے کے بعد وہیں سے نیما کے گھر فون کیا۔

دوسری جانب نیما نے فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو۔" اس کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو نیما۔"

"ہیلو عامر۔ کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"کہاں ہو؟"

"ایک ریستوران سے بول رہا ہوں۔ ہمارے مہمان کا کیا حال ہے۔"

"وہ بھی ٹھیک ہے۔ کم گو اور کھویا کھویا انسان ہے۔ بہت مختصر گفتگو کرتا ہے۔ میں نے بھی زیادہ الجھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"ٹھیک کیا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میں نیما کے پاس پہنچ گیا اور ہم دونوں ریکس کے پاس۔ ریکس کے چہرے پر الجھن کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ بس ایک غم آلود کیفیت اس نے ہمیں دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔ بڑی پھیکی مسکراہٹ تھی۔

"ہیلو ریکس۔"

"جناب۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیسی گزر رہی ہے۔"

"زندگی کی بات کر رہے ہو شاید۔"

"ہاں۔" میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر افسردگی سے بولا۔

"کچھ لوگ زندگی کا بوجھ ہوتے ہیں مسٹر عامر۔ زمین انہیں کسی طور قبول نہیں کرتی.......... اور.......... اور۔"

"تم اتنی مایوسی کی گفتگو کیوں کر رہے ہو ریکس۔"

"نہیں جناب۔ میں جو کچھ سوچتا ہوں وہ ٹھیک ہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میری ذات کیوں میرے لئے سکون کا باعث نہیں رہی۔ میں ہمیشہ تشنہ رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ یہ سوچا ہے کہ کیا میں کسی کی توجہ کا مرکز رہا ہوں۔ کیا کوئی مجھ سے دلچسپی رکھتا ہے ایسے لوگ بھی نہیں ملے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی کی نگاہوں میں اپنے لئے ہمدردی نہیں دیکھی۔"

"اوہ۔ مجھے افسوس ہے ریکس۔"

"نہیں جناب۔ براہ کرم افسوس نہ کریں۔ میں نہیں جانتا قصور کس کا ہے۔ میرے باپ کا' اس پیشے کا یا میری تقدیر کا۔"

"لیکن اب تو تم حالات کی زنجیر توڑ چکے ہو۔ اب تو تم ان لوگوں کے چنگل سے نکل آئے ہو۔" میں نے کہا۔

"شاید۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔

"کافی پلاؤں آپ دونوں کو۔" نینا نے اس گفتگو میں دخل دیا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں مسٹر ریکس۔" میں نے ریکس کو دیکھ کر کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔ نینا اٹھ کر چلی گئی۔

"آپ لوگ بے حد ہمدرد ہیں۔" ریکس نینا کے جانے کے بعد بولا۔

"شکریہ ریکس۔ ویسے زندگی کے اس رخ میں بھی تم عورت سے دور رہے؟"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب ہے تمہاری زندگی میں کچھ دلچسپیاں تو شامل ہوں گی۔"

"نہیں جناب۔ میں ہمیشہ کچھ لوگوں کا قیدی رہا ہوں۔ مجھے کبھی اتنی آزادی نہیں

دی گئی کہ میں اپنے طور پر کچھ سوچ سکتا۔"

"اوہ لیکن کیوں؟ کیا تم نے انہیں ہمیشہ مشکوک رکھا۔"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی لیکن انہوں نے ہمیشہ میرے اوپر دباؤ رکھا۔ دراصل ان کے ذہنوں میں ایک انتقامی جذبہ کام کر رہا تھا۔ وہ مجھے خوش دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ جہاں میری کوئی دلچسپی پاتے مجھے وہاں سے دور کر دیتے۔"

"انوکھا انتقام تھا۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"ہاں۔ قصور میرے پاپا کا تھا۔ انہوں نے اپنے فرائض سے مجبور ہو کر انہیں سزائیں دیں تھیں لیکن شکار میں بنا۔"

"بہرحال مجھے افسوس ہے۔ اس کے بعد تم اپنے والدین سے کبھی نہیں ملے۔"

"کبھی نہیں۔"

"ان کے بارے میں معلومات بھی حاصل نہیں کیں۔"

"نہیں۔ میں ان سے بے خبر نہیں رہا۔ وہ لوگ تو اب مجھے بھول چکے ہوں گے۔"

"اوہ۔ ریکس لیکن اب تو تم ان حالات سے نکل چکے ہو۔"

"جی ہاں۔ میں نکل چکا ہوں۔" اس کی مجبور مسکراہٹ پھر ابھر آئی۔

"تو اب تمہیں خوش ہونا چاہئے۔"

"ہاں۔ اب میں خوش ہوں۔" اس نے مصنوعی انداز میں کہا اور میں نے محسوس کیا کہ نینا درست کہتی ہے۔ وہ انوکھی فطرت کا انسان ہے۔

"میں اب تمہاری فوری مدد کرنا چاہتا ہوں ریکس۔ میں خود کو پارسا ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ دراصل میرے ذہن میں معقول دولت حاصل کرنے کا تصور موجود ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے تم سے ہمدردی بھی ہے۔"

"میں تمہاری صاف گوئی کی قدر کرتا ہوں عامر۔"

"تب پھر تم وہ نوٹ میرے حوالے کب کر رہے ہو۔"

"جب تم پسند کرو۔"

"آج ہی رات۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ریکس نے بدستور لاپرواہی سے کہا۔

"لیکن ریکس۔ وہ نوٹ تمہارے کسی شناسا کے پاس ہیں کیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شناسا۔ ہاں ویرانے ہی میرے شناسا ہو سکتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ ایک عمارت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغل شہنشاہوں نے وہ عمارت بنوائی تھی۔ اب تو وہ کھنڈرات میں بدل چکی ہے۔ میں نے وہ نوٹ اس عمارت میں چھپائے تھے۔"

"اور کیا اس کے نزدیک کوئی خشک تالاب بھی ہے۔"

"ہاں۔ میں اسی بات کر رہا ہوں۔"

"خوب اسے لال بارہ دری کہتے ہیں۔ مغلوں کی عمارت ہی تھی۔ محفوظ ترین جگہ ہے شہر سے تقریباً تیس میل دور۔"

"ہاں۔ اتنی ہی ہوگی۔"

"نوٹ کسی بیگ میں ہیں۔"

"چمڑے کے محفوظ تھیلے میں جنہیں وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔"

"کتنے تھیلے ہیں۔"

"دس۔"

"یہ سارے سوالات میں نے اس لئے کئے ہیں ریکس کہ انہیں لانے کے لئے پروگرام طے کرلوں۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں اس کے لئے آپ کو کسی بند گاڑی کا بندوبست کرنا چاہئے مسٹر عامر۔"

"ٹھیک ہے۔ بندوبست ہو جائے گا۔ تقریباً دس بجے ہم یہاں سے چلیں گے۔ میں پونے دس بجے پہنچ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔ اسی وقت نیا کافی کے برتن اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اس نے مسکرا کر ہم دونوں کی جانب دیکھا اور پھر کافی بنا کر سرو کرنے لگی۔ اس کے بعد خاموشی سے کافی پی گئی اور پھر میں نے نیا کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے میں نے نیا کو اس سلسلہ کی تفصیل بتا دی تھی۔

لال بارہ دری کے وسیع کھنڈرات رات کی تاریکی میں بے حد مہیب لگ رہے تھے ریکس باہر کا آدمی تھا اور مشرقی روایات کے بارے میں اسے کچھ معلومات نہیں تھیں اس لئے اس کے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں ہوگی لیکن میں نے لال بارہ دری

ے بارے میں انوکھی کہانیاں سنی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگوں کے چشم دید واقعات اور کچھ وایتیں ان کھنڈرات کو بے حد خوفناک بنا کر پیش کرتی تھیں۔ انہیں آسیب زدہ ار دے دیا گیا تھا اور رات کی تاریکی میں اس سڑک پر آمد و رفت بے حد کم ہوا کرتی ی لیکن دولت کی کشش انسانی حواس پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ میں نے ان اری روایات کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ یوں بھی میں ان فرسودہ روایات سے بہت یادہ متاثر نہیں تھا لیکن اس وقت تو میں بھی ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حالانکہ ں جوں میرے قدم آگے بڑھ رہے تھے میرے ذہن میں انوکھے تاثرات جاگ رہے ے۔ پھر ہم لال بارہ دری کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ گاڑی سڑک سے اتار کر کچے پر ڑی کردی گئی۔ یہ وین میں نے کرائے پر حاصل کی تھی اور میرے خیال میں میرے ے بے حد کارآمد تھی۔ بارہ دری کے ٹوٹے دروازے سے اندر داخل ہو کر ہم بائیں ت مڑ گئے۔ اس جگہ کو ہاتھی خانہ کہا جاتا تھا۔

ہاتھی خانے تک جانے کے لئے تقریباً بارہ سیڑھیاں اترنی پڑتی تھیں۔ اس کے نوں جانب تین تین فٹ کی چوڑی جگہ تھی۔ جس سے گزر کر دوسری طرف جایا سکتا تھا۔ ذرا سی بھی لغزش ہو جائے تو پندرہ سولہ فٹ کی گہرائی میں جا پڑو۔ چنانچہ یکس ہاتھی خانے میں جانے والی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ ہم دونوں کے ہاتھوں میں لمبی ٹارچیں تھیں۔ جن سے ہم اس حصے کو منور کر رہے تھے۔

میں نے اس دوران ریکس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ہاتھی خانے کا بھیانک ول رگ و پے میں سرد لہریں دوڑا رہا تھا لیکن بہرحال ریکس بھی تو موجود تھا۔ ہاتھی نے کی اس کوٹھری میں جہاں ہاتھیوں کی خوراک بھری ہوتی تھی داخل ہو کر ہم رک ے۔ تب ریکس نے ایک طرف روشنی ڈالی اور میں نے چمڑے کے دو بے رنگ تھیلے ھ لئے۔ جو اوپر نیچے چنے ہوئے تھے۔

ایک ایک لمحہ بدن سرد کرتا اور ایک انوکھا احساس ذہن میں جاگ رہا تھا۔ حال ہم نے تھیلے لئے اور سنبھل کر چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔ میں نے نیا کو اس لے میں تفصیل بتا دی تھی۔

"چلیں ریکس۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے بھاری آواز میں کہا اور میں نے وین اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا ا۔ ریکس پر اب مجھے اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جھوٹا انسان نہیں تھا۔ بس اب آخری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات رہ گئی تھی یعنی نوٹ کیسے ہیں؟

اور دوسرے دن یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا۔ نوٹوں کے حصول کے بعد ر حماقت تھی چنانچہ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ نوٹ ہم نے احتیاط سے ایک پوشیدہ کر دیئے تھے اور ریکس ہمارا پورا مددگار تھا۔

دوسرے دن میں نے خفیہ طور پر ڈالر کا کاروبار کرنے والے ایک ایجنٹ ایک ہزار ڈالر کے نوٹ بدلوائے اور کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوسکا۔ نوٹ بالکل تسل تھے پھر تیسرے دن میں نے پانچ ہزار ڈالر کے نوٹ بدلوائے اور ایک بڑی رقم پاس جمع ہوگئی۔ "نوٹوں کے اصلی ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکا چنانچہ یہ خیا دل سے نکال دو۔" ریکس نے کہا۔

"ہاں ریکس۔ اس بات کا یقین مجھے ہوگیا ہے کہ یہ نوٹ انتہائی شاندار چنانچہ یہ مرحلہ طے ہوگیا ہے۔ تقریباً سات ہزار ڈالر میں بدلوا چکا ہوں اور تقریباً اتنی ہے کہ ہم آسانی سے ساری ضروریات پوری کر سکتے ہیں لیکن سوال یہ پید ہے ریکس کہ ہم یہ نوٹ کیا برطانیہ میں آسانی سے بدلوا سکیں گے۔"

"یہ ذمہ داری تم میرے اوپر چھوڑ دو۔ اگر تمہیں ان کے چلانے میں ذ دقت اور پریشانی کا شکار ہونا پڑا تو اس کا ذمے دار میں ہوں گا۔ تم چاہو تو ان ڈا بنکوں میں بھی بدلوا کر دیکھ سکتے ہو۔"

"مجھے یقین ہے ریکس۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا تب ریکس نے صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ان کو لے جانے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرو گے اور کس طر جاؤ گے؟"

"طریقہ کار؟" میں نے ریکس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہ ذہن میں کوئی ترکیب ہے تو مجھے بتاؤ۔ ورنہ میں اپنے طور پر تو سوچ رہا ہوں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔" ریکس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں تمہیں اس کے بارے میں مکمل تفصیلات بتاؤں گا۔ تمہیں جو کچھ کر غور کر لینا کہ کیا تم مطمئن انداز میں یہ سب کچھ کر سکتے ہو۔ کچھ عرصے قبل میرے میں تقریباً چھ ماہ یا پانچ ماہ قبل ایک معزز جوڑا یہاں آیا تھا۔ عورت کا نام لائیکا

مرد پیٹر۔ ان دونوں کا تعلق بھی برطانیہ کے ایک اچھے خاندان سے تھا لیکن دونوں بدعنوانیوں کا شکار ہوگئے تھے اور ان کی مجبوریاں انہیں اس گروہ میں گھسیٹ لائیں۔ انہوں نے روپیہ کمانے کے لئے گروہ میں شمولیت اختیار کر لی لیکن پیٹر تیز مزاج نوجوان تھا۔ اپنی لائیکا کی بے عزتی پر ایک دن وہ گروہ کے ارکان سے لڑ پڑا اور دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ ان کی لاشیں ضائع کر دی گئیں اور پھر کبھی کوئی بات ان کے بارے میں سننے کو نہیں ملی۔ اتفاق سے ان کے کاغذات اور پاسپورٹ اور دوسری چیزیں میرے پاس رہ گئیں۔"

"تمہارے پاس؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کہاں ہیں؟"

"انہی تھیلیوں میں سے ایک میں موجود ہیں۔"

"اچھا پھر؟"

"ان دونوں کا تعلق بھی لندن کے ایک اچھے گھرانے سے تھا اور تمہاری حکومت کو ابھی ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"خوب۔"

"اگر پیٹر یہاں کسی ٹریفک کے حادثے کا شکار ہو جائے تو اس کی لاش لندن لے جانے کے لئے لائیکا کوشش کر سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میری مراد نیا سے تھی۔ لائیکا کی حیثیت سے وہ پیٹر کی لاش برطانیہ لے جا سکتی ہے۔ یہ لاش سرکاری تابوت میں ہوگی اور مس لائیکا اس تابوت کے ساتھ ہوں گی۔ کام صرف یہ کرنا ہوگا کہ بالکل ایسا ہی تابوت اور ہوگا جسے اس وقت تبدیل کر دیا جائے گا۔ جب لاش کا تابوت جہاز پر لے جایا جائے گا۔"

"اوہ۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ ریکس کی ترکیب لاجواب تھی۔ میں اس کا مقصد سمجھ رہا تھا۔

"اور اس دوسرے تابوت میں۔" میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"نوٹ ہوں گے۔"

"لندن ایئرپورٹ پر کیا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہاں حالات میں سنبھال لوں گا یہ ذمے داری میری ہے اس کے لئے کوئی بہتر طریقہ اختیار کیا جائے گا۔"

"ہاں لیکن ڈیئر ریکس کام بے حد مشکل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد میں نوٹ لے جانے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اس کے چند مشکلات بھی پیش آ سکتی ہیں۔"

"مثلاً؟" اس نے پوچھا۔

"چلو ہم نے نیا کو میک اپ کر کے لائیکا بنا دیا لیکن پیٹر؟"

"وہ کردار میں ادا کروں گا۔"

"تم............؟"

"ہاں میں۔ تم میرے لئے بھی پاسپورٹ وغیرہ کا بندوبست کر دینا۔ تمہا روانہ ہونے کے فوراً بعد میں کسی اور طیارے سے لندن پہنچ جاؤں گا اور ایئر پو پر تمہاری مدد کروں گا۔"

"یعنی لاش کی حیثیت سے تم خود کو پیش کرو گے؟"

"ہاں۔"

"تمہیں دقت نہیں ہو گی؟"

بالکل نہیں کیونکہ میں حبس دم کر لیتا ہوں۔ وہ لوگ سو فیصدی مجھے لاش ہی گے۔" ریکس نے جواب دیا۔

ریکس کی گفتگو میں مجھے جگہ جگہ سقم نظر آ رہے تھے۔ کچھ بے ربط سی بات مشکل ترین مرحلوں کے لئے وہ ایسے انوکھے حل پیش کر رہا تھا کہ حیرت ہوتی لیکن اس کی شخصیت میں ایک انوکھا پن تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نہ جانے وہ بیچارہ احساس کا شکار تھا۔

بہرحال یہ معاملات ہمارے درمیان طے ہو گئے اور میں سخت محنت میں مصر ہو گیا۔ میں نے اپنے تمام تر تعلقات اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے ضروری مس حل کئے چند ایسے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے تیار کر لیا جو اہمیت رکھتے تھے۔ انہیں ا معقول معاوضہ پیش کیا۔ بہرحال یہ سارے مسائل حل کرانے میں مجھے تقریباً پندر لگ گئے' اور اب ہم اپنی کارروائی پر پوری طرح عمل کرنے کے لئے تیار تھے۔

یہاں تک کہ وہ آخری رات آ گئی جب ہمیں اپنے ڈرامے کو اسٹیج کرنا تھا۔

ی ایک بھری سڑک کا انتخاب کیا گیا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ مجھے اس ڈرامے میں صرف یک تماشائی کا کردار ادا کرنا تھا۔ نیا کے چہرے پر لائیکا کا میک اپ تھا اور ریکس پیٹر کے وپ میں اس کے ساتھ تھا۔ نیا اپنے ڈرامے کی پوری پوری ریہرسل کر چکی تھی۔ انچہ ایک سڑک کراس کرتے ہوئے اچانک پیٹر زمین پر گر پڑا۔ اس نے دو چار مرتبہ تھ پاؤں رگڑے اور پھر سرد ہو گیا۔

نیا کی چیخ پر بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ پولیس کے ذمے دار افراد بھی پہنچ گئے۔ ر چونکہ معاملہ ایک غیر ملکی کا تھا اس لئے خاص توجہ دی گئی۔ میں بھی تماشائیوں میں ریک تھا۔

فوجی پولیس کی ایک گاڑی میں پیٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ نیا بھی روتی سسکتی ساتھ ی۔ پوری توجہ سے مسٹر پیٹر کی نگرانی کی جا رہی تھی لیکن ڈاکٹروں کی پوری ٹیم نے یں مردہ قرار دیا۔

خاصی ہنگامی کیفیت تھی پولیس کے بڑے بڑے افسران جمع ہو گئے تھے۔ موت ، بارے میں پوری رپورٹ حاصل کر لی گئی۔ برطانوی سفارت خانے کو بھی اطلاع ے دی گئی۔ پاسپورٹ وغیرہ موجود تھا۔ نیا نے سسکتے ہوئے بتایا کہ وہ اور اس کا منگیتر ل سیر کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ اس کا منگیتر پیٹر کچھ بیمار تھا اور اس سے پہلے ا اسے اس قسم کا دورہ پڑ چکا تھا۔

تعجب کن رپورٹ ڈاکٹر کی تھی۔ کوئی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اس شخص نے حبس کیا ہوا ہے۔ بہرحال نیا کی درخواست پر لاش کو لندن پہنچانے کا بندوبست کیا گیا۔ یہ وبست سفارت خانے نے ہی کیا تھا اور نیا کو ہر طرح کی سہولت فراہم کی گئی اس قع پر میں نیا اور پیٹر کے مقامی دوست کی حیثیت سے سامنے آیا اور میں نے بھی ان وں کے ساتھ جانے کی پیشکش کر دی۔

سارے کام انتہائی تسلی بخش طور پر انجام پا گئے تھے۔ آخری کام یہ تھا کہ میں ۓ مخصوص لوگوں کو جن کو میں نے اپنے کام کے لئے تیار کیا تھا۔ وہ تابوت فراہم ووں جو ہمیں بدلنا تھا۔ چنانچہ یہ آخری کام بھی میں نے دھڑکتے دل سے پایہ تکمیل ۓ پہنچا دیا۔ نوٹوں سے بھرا تابوت ان کے حوالے کر کے میں نیا کے پاس آ گیا جس نے الباس پہنا ہوا تھا اور جس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

اب ہماری نگاہیں لاش کے تابوت پر تھیں لیکن پھر ہمیں اسے نگاہوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

او جھل کرنا پڑا۔ تابوت جہاز میں پہنچا دیا گیا تھا اور پھر انتہائی عجلت میں ہمارا کار
ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"کام ہوشیاری سے کر دیا گیا ہے جناب۔" اس نے ہمیں اطلاع دی۔

"شکریہ۔ تمہارا معاوضہ۔" میں نے نوٹوں کا ایک بنڈل اس کی طرف بڑھا
جسے اس نے پھرتی سے لباس میں چھپا لیا۔

"دوسرے تابوت کا کیا کروں؟"

"بس اسے کسی مناسب جگہ چھوڑ دو۔ فی الحال وہ کہاں ہے۔"

"ایک بڑی بس میں رکھا ہوا ہے۔"

"تم نے پروگرام کے مطابق اس کا تالا کھول دیا؟"

"ڈھکن بھی کھول دیا ہے۔"

"بس تمہارا کام ختم۔ اب تم اسے ضائع بھی کر سکتے ہو لیکن دیکھ لینا کہ وہ
بھی ہے یا نہیں۔"

"بہتر جناب۔" کارندے نے کہا اور چلا گیا۔ میں اور مس لائیکا یا نیا جہاز
آئے۔ ہم دونوں اطمینان سے ایک ہی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نیا تو بہترین اداکاری کر
تھی لیکن گھبرائی ہوئی تھی۔

طیارے نے پرواز شروع کر دی۔ نیا گم صم تھی۔ پھر جب میں نے محسوس کیا
کوئی ہماری جانب متوجہ نہیں ہے تو میں نے نیا کو مخاطب کیا۔

"تم تو ضرورت سے زیادہ خاموش ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے........"

"اوہ........ عامر میں واقعی خوفزدہ ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس بے شمار خیالات ہیں۔ جن میں ایک سب سے زیادہ خوفناک ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ریکس کس طرح لندن پہنچے گا۔ اگر وہ نہ پہنچ سکا اور تابوت چیک کر لیا گیا تو"
نیا نے کہا۔

"اتنا خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا نیا۔ اس کے بعد ہم کروڑ پتی بن جائیں
بہر حال ریکس چالاک آدمی ہے۔ ممکن ہے اس نے پہلے ہی انتظامات کر لئے ہوں"

"کیا تمہاری نگاہوں میں اس کی شخصیت صاف ہے۔" نیا نے سوال کیا اور

پُر خیال انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے نیا۔"

"میں نے ہمیشہ اس کے اندر ایک مظلومیت سی محسوس کی ہے۔ خود میں گم۔
کھویا کھویا جیسے کوئی بات سوچ رہا ہو۔"

"اس کے علاوہ؟"

"بس عامر کیا کہوں میں۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے ہمیشہ پُر اسرار سا لگا ہے۔"

"یہاں تک میں تم سے متفق ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"بعض کردار آپ الجھے ہوتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی گہرائی نہیں ہوتی لیکن
بس ایک انوکھا پن ہوتا ہے ان میں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ باقی باتیں سب ٹھیک تھیں جیسے یہ نوٹ اور
اس کی دوسری باتیں۔"

"بہر حال اس وقت تک پریشان نہ ہونا جب تک کہ کوئی الجھن نہ پیش آئے۔
ورنہ سفر کا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔"

"مزہ؟" نیا ہنسنے لگی۔

"کیوں۔ تمہیں اختلاف ہے۔"

"سو فیصدی۔ یہ سفر سولی کے راستے کا سفر ہے جب تک ہم اپنا کام مکمل نہ کر لیں
پُرسکون کیسے رہ سکتے ہیں۔" نیا نے کہا۔ میں خاموش ہو گیا۔ نیا کافی حد تک درست کہہ
رہی تھی۔ واقعی جب تک ہم لندن کسٹم سے نہ نکل جائیں یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں
کہ ہم خطرات سے دور ہو گئے۔

نیا سے گفتگو کے بعد تو بہت سے وسوسے میرے ذہن میں بھی جاگ اٹھے تھے۔
واقعی اگر ریکس بروقت لندن ایئرپورٹ نہ پہنچ سکا تو میں آنے والے حالات پر غور
کرنے لگا۔ ریکس ایک تابوت میں بند ہے کوئی بھی دقت ہو سکتی ہے۔ تابوت پولیس
کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ یا کوئی بھی ایسی بات ممکن ہے اسے دوسرے طیارے تک پہنچنے
میں دیر ہو جائے۔ ہر طرح سے ایک ہی خطرہ سامنے آ جاتا ہے۔ لندن ایئرپورٹ پر
کسٹم چیکنگ کے دوران کیا ہو گا۔ ساری ذمے داری نیا پر آ پڑی تھی۔ کیونکہ وہی
بیرک کی بیوہ کی حیثیت سے سفر کر رہی تھی۔

بہرحال اس سفر میں گھٹن تھی خوف تھا اور نیا کی پریشانی بھی برحق تھی کا تک ہم دونوں خاموش رہے تب نیا مسکرا کر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"میرا خیال ہے اب تم پریشانی کا شکار ہو گئے۔"

"اس قدر تو نہیں نیا لیکن بہرحال تمہاری سوچ وزن رکھتی ہے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے عامر۔ بہرحال بہترین مستقبل کے لئے اگر خطرات سے گز رہا ہے تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں۔ یہ بھی درست ہے۔"

لندن تک کا سفر جن خیالات اور تصورات میں گزرا وہ سوہان روح تھا طیارہ لندن ایئرپورٹ پر پہنچ گیا۔ اب ہم کسی حد تک نڈر ہو گئے تھے۔ نیا نے تجویز پیش کی۔ اس نے کہا کہ میں الگ رہ کر حالات سنبھال لوں گی لیکن میں نے کر دیا۔

"لیکن عامر سوچو تو سہی۔"

"نہیں نیا۔ میں ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔" میں نے کن لہجے میں کہا۔

"ہم دونوں پھنسیں گے تو بے دست وپا ہو کر رہ جائیں گے۔ بہتر ہے کہ ت رہ کر نگاہ رکھو۔"

"نہیں نیا میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا۔ براہ کرم تم اس کے لئے مجھے نہ کرو۔ جو کچھ ہو گا ساتھ ہی بھگتیں گے۔"

"اوہ! تم ضد کر رہے ہو۔ ریکس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ کسی آفاقی ذ سے تو یہاں نہیں پہنچے گا۔"

"ممکن ہے اس نے کوئی اور۔" میں اچانک خاموش ہو گیا۔ دو کسٹمز والے جانب آئے تھے۔ خشک چہرے والے افسر تھے۔ جن کی آنکھوں میں ذہانت کی تھی۔ نہ جانے کیوں دل میں ایک خوف ابھر آیا۔

"مس لائیکا؟" ان میں سے ایک افسر نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک ک دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی میں ہوں۔"

"مسٹر پیٹر کی لاش آپ ہی لائی ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ وہ میرے منگیتر تھے۔" نیا نے سسکی لے کر کہا۔

"براہ کرم ہمارے ساتھ تشریف لائیں۔" افسر نے کہا اور نیا کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میرا نام عامر ہے۔"

"جی۔" کسٹم آفیسر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"مسٹر پیٹر اور لائیکا ایشیا میں میرے مہمان تھے۔ میں لائیکا کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ آپ بھی تشریف لائیے۔" افسر نے مجھے اجازت دے دی اور ہم دونوں ان کے ساتھ چل پڑے۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے' ہمارا دل کہہ رہا تھا سامنے تابوت پڑا تھا جو دراصل ہمارا تابوت تھا اور جس کا منہ کھل جانے کے بعد ہماری اصلیت واضح ہونے والی تھی۔ چند دوسرے افراد بھی اس کے نزدیک کھڑے ہوئے تھے۔

"مس لائیکا۔" ہمیں ساتھ لانے والے ایک افسر نے تعارف کرایا۔ "اور ان کے ایشیائی دوست عامر۔"

"ہیلو۔" افسر نے خوش اخلاقی سے کہا اور ہمیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ "میں آپ کے غم میں شریک ہوں مس لائیکا لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم غمزدہ مسافروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کر سکتے جو ہمیں کرنا چاہئے اور اس کی وجہ سماج دشمن عناصر ہیں۔ جو نت نئے طریقوں سے حکومت کو دھوکا دینے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ ابھی چند روز قبل ایسے ہی ایک تابوت کے اندر موجود لاش کے مردہ بدن میں افیون کی بھاری مقدار موجود پائی گئی۔ بتائیے ہم کیا کریں۔ لوگ موت کے بعد بھی مذاق جاری رکھتے ہیں چنانچہ مس لائیکا ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کی اجازت سے اس تابوت کو کھول کر لاش کا ایک مشینی جائزہ لے لیں۔ کیا آپ ایک اچھے شہری کی طرح ہم سے تعاون کریں گی۔"

"اوہ۔ اوہ۔" نیا رو پڑی۔ شاید خوف سے لیکن میں نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔

"قانون سے تعاون فرض ہے مس لائیکا" لیکن جناب کیا کوئی ایسی صورت ممکن نہیں ہے کہ آپ اس تابوت کو نہ کھولیں ہم آپ کے اطمینان کے لئے..........."

"ہرگز نہیں جناب ہم اخلاقی قدروں کو بھی اہمیت دیتے ہیں لیکن اس سے زیادہ

"اہم ہمارے فرائض ہیں۔ براہ کرم آپ اس کاغذ پر دستخط کر دیں۔" افسر نے
فارم نیا کی طرف بڑھا دیا۔

ہم دونوں ہی کو احساس ہو گیا کہ ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔ میرا ذہن سو
لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے کس طرح ہم اپنے اوپر سے یہ الزام دور کریں گے۔ اس
لئے ایک ہی ترکیب کارگر تھی یعنی جو حقیقت تھی۔ یعنی تابوت بدل دیا گیا ہے حالا
یہ ایک معمولی سی کوشش تھی لیکن بہرحال ہاتھ پاؤں مارنے کے لئے ایک راستہ تو تھ
وہ برا وقت آگیا تھا جس کا خوف ہمیں تھا۔ ہماری آنکھوں میں تاریکی چھائی ہوئی تھ
بہرحال نیا نے لرزتے ہاتھوں سے فارم پر دستخط کر دیئے۔ دوسری طرف تابوت
مشین پر لے جانے کی کارروائی مکمل ہو گئی تھی ہمیں بھی ساتھ آنے کی دعوت دی
لیکن میں نے معذرت کر لی۔

"آپ لوگ اپنا فرض پورا کریں۔ میرا خیال ہے کہ مس لائیکا کو کسی ا
آزمائش میں نہ ڈالیں۔" میں نے کہا اور افسروں نے گردن ہلا دی۔ تابوت کو مش
ذریعے سے کھولا جانے لگا۔ میں اور نیا پتھر کے بتوں کی مانند ساکت بیٹھے ہوئے تھے
آنے والا ہر لمحہ ہماری موت تھا۔ میری نگاہیں افسروں پر جمی ہوئی تھیں نہ جانے وہ
کارروائی کر رہے تھے۔

میری ہمت نہ ہوئی کہ میں ان کے پاس جاؤں لیکن میں نے ان کے چہر
پُرسکون دیکھے تھے۔ تقریباً بیس منٹ تک وہ مصروف رہے اور پھر تابوت کا ڈھکنا بند
دیا گیا۔

یہ بیس منٹ۔ اُف یہ بیس منٹ ہمارے اوپر کس قدر بھاری تھے۔ بیان نہیں
جا سکتا۔ ایک ایک لمحہ ہتھوڑوں کی طرح ذہن پر ضرب لگا رہا تھا۔ تب ایک آفیس
ہماری طرف بڑھا اور ہماری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ آفیسر ہمیں موت کا فرش
محسوس ہو رہا تھا جو ہماری روح قبض کرنے آ رہا تھا تب آفیسر لائیکا کے سامنے جھکا۔

"تابوت کو ابھی باہر پہنچا دیا جائے گا ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں او
آپ کے تعاون کے شکر گزار بھی۔"

کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے آفیسر طنز کر رہا ہو۔ میں نے عجیب
سی نگاہوں سے اسے دیکھا آفیسر نے کاغذات ہمارے حوالے کر دیئے تھے لیکن وہی ہو
جو اس نے کہا تھا اور یہ ناقابل یقین بات تھی۔ آفیسر نے تابوت میں نہ جانے کیا دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تابوت باہر لے جایا گیا تو ہم بھی ساتھ تھے۔ نیا کے حواس ساتھ نہ دے رہے
تھے۔ نیا نے میرے بازوؤں کا سہارا لیا تھا۔

"عامر.......... عامر یہ کیا ہوا۔"

"خدا جانے۔" میں نے بھی گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تجزیہ نہ کر سکے۔"

"کیا تجزیہ کروں۔"

"وہ میرے ذہن میں ایک خیال ہے۔"

"کیا؟"

"شاید ان لوگوں نے دھوکا کیا۔"

"کس نے۔"

"جن سے تم نے تابوت بدلنے کی بات کی تھی۔ انہوں نے اپنا فرض پورا نہیں
کیا اور رقم اینٹھ لی۔"

"ممکن ہے لیکن لیکن ریکس کہاں مر گیا۔ اس نے تو ہمیں مروا ہی دیا تھا۔"

"یہ بھی اب پوچھنے کی بات ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اتنی دیر تابوت میں رہنے کے بعد وہ اب سچ مچ مر گیا ہو گا اوہ' خدا کی پناہ۔"

"تم سچ ہی کہہ رہی ہو لیکن' لیکن اس طرح تو۔ تو اوہ نیا۔ میرے خیال میں ان
فرض شناس لوگوں نے ہماری مدد کی ہے۔ ہمارے اوپر احسان کیا ہے۔"

"لیکن نوٹوں کا تابوت۔" نیا ایک سسکی لے کر بولی۔

"جہنم میں جائے۔ اب لندن تو آ ہی گئے ہیں۔ یہاں تقدیر آزمائی کریں گے۔ کوئی
مشکل کام نہیں ہے۔"

نیا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ تابوت کو باہر پہنچا دیا گیا اور جونہی
ہم اس کے قریب پہنچے ایک سیاہ رنگ کی وین ہمارے پاس پہنچ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ
سے جو شخص نیچے اترا اسے دیکھ کر ہمارے حواس بالکل ہی ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ ریکس
تھا۔

نیا بھی پاگلوں کی طرح مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایئرپورٹ کے خلاصیوں کی
مدد سے تابوت وین میں رکھوایا اور پھر دوسری طرف کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آئیے۔ آپ لوگ بھی آئیے۔"

"آؤ نیما۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور نیما بادل نخواستہ وین میں بیٹھ گئی۔ اس کے نزدیک میں بھی بیٹھ گیا تھا ریکس نے وین اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ہم دونوں کے ذہن میں جو الا مکھی کھول رہی تھی۔ وین آگے بڑھتے ہی میں نے کہا۔

"ریکس اگر تم نہیں چاہتے کہ دماغ کی رگیں پھٹنے سے ہماری موت واقع ہو جائے تو۔"

"تو؟" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو ہمیں حقیقت حال بتا دو۔"

"میں اپنے محسنوں کا برا کب چاہوں گا۔" ریکس نے جواب دیا۔

"تو بتاؤ۔ تابوت میں کیا تھا۔"

"وہی جو ہم لائے تھے۔"

"گویا کسی مسٹر پیٹر کی لاش۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ یہ کیسے ممکن ہے تابوت تو بدل دیا گیا تھا۔"

"بدل دیا گیا تھا۔"

"ہاں۔"

"لیکن دوسرے تابوت میں کیا تھا۔"

"نوٹ۔"

"کیا یہ ماننے کی بات ہے ریکس۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کسٹم حکام آنکھوں سے معذور نہیں تھے نہ ہی ان لوگوں سے ہمارے تعلقات تھے کہ وہ ہمارے ساتھ رعایت کر گئے۔"

"لیکن میں نے آپ سے وعدہ بھی تو کیا تھا کہ مسٹر عامر کہ کسٹم کے معاملات میں سنبھال لوں گا۔"

"بے شک لیکن تم کسٹم ہاؤس میں موجود نہیں تھے۔"

"میں اپنے کام میں مصروف تھا۔ اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو میں نے کسی تکلیف سے دوچار تو نہیں ہونے دیا۔" اس نے کہا اور اس کی بات معقول تھی لیکن ظاہر ہے میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ میں کسٹم حکام میں الجھا ہوا تھا۔

وہ لوگ مطمئن کیسے ہوئے انہوں نے تابوت میں کیا دیکھا۔

میں نے نیما کی طرف دیکھا اس کا چہرہ الجھنوں کا شکار تھا۔ پھر ہم دونوں چونک پڑے۔

"لیکن اب تم کہاں جا رہے ہو ریکس۔"

"اپنی رہائش گاہ پر۔ کیوں؟"

"بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

"میں طویل عرصے تک آپ کا مہمان رہا ہوں۔ کیا اب آپ لوگ میرے مہمان نہیں ہوں گے۔"

"کیوں نہیں تمہارا شکریہ۔"

"میں آپ کو لندن اور اس کے نواح کی سیر کرواؤں گا اور اس کے بعد آپ یورپ کی سیر کا آغاز کریں اور جہاں جی چاہے جائیں۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وین برق رفتاری سے ایک سنسان علاقے سے گزر رہی تھی لندن دیکھنے کا بے حد شوق تھا لیکن ذہنی کیفیت کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دے رہی تھی۔

ہم ایک چھوٹے سے خوشنما بنگلے میں داخل ہو گئے اور ریکس نے وین روک دی۔ پھر نیچے اتر کر بولا۔

"ایشیائی مہمانوں کو میں اپنی اس چھوٹی سی رہائش گاہ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"کیا تابوت نہیں اتارو گے ریکس۔" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔"

"میری خواہش ہے کہ تم اسے ابھی اتار لو اور کھول کر مجھے دکھا دو۔"

"اوہ ضرور۔ اس خواہش کا احترام مجھ پر فرض ہے لیکن براہ کرم کیا آپ بتانا پسند کریں گے مسٹر عامر کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"جو میں سوچ رہا ہوں ریکس اسے سن کر تم خوش نہ ہو گے۔"

"میں ناخوش بھی نہ ہوؤں گا میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"تب میرا خیال ہے ہم کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں کوئی ایسا منصوبہ جو تمہارے ذہن میں پہلے سے ہو۔ ممکن ہے کہ تابوت میں سچ مچ کسی مسٹر پیٹر کی لاش موجود ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ.......... حالات کے تحت یہ کیسے ممکن ہے۔ جو کچھ ہوا ہے تمہارے عل میں ہے۔ مسٹر پیٹر کے بارے میں' میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا ہے۔"

"تابوت میں لاش موجود نہیں ہے۔"

"آؤ تابوت اتار لیں۔" اس نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ ہم دونو نے مل کر تابوت اتارا اور اندر لے آئے۔ نیما ساتھ تھی۔

"کیا اس عمارت میں اور کوئی نہیں ہے۔" میں نے اندر پہنچ کر پوچھا۔

"نہیں میرے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔"

"تعجب ہے لیکن یہ اندر سے صاف ستھری ہے۔"

"ہاں۔ ہر چیز پر تعجب نہ کریں۔ اب آپ اس تابوت کو کھول لیں۔" ریکس نے کہا اور میں نے بے قراری سے تابوت کا دروازہ کھول لیا۔ اندر نوٹ چنے ہو تھے اور ان نوٹوں کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔

نیما بھی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حسب وعدہ۔ ان میں سے آدھے نوٹ آپ کے ہیں آپ ان میں سے کوئ گڈی لے کر باہر نکال جائیں انہیں چلانے میں آپ کو کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اب آیئے میں آپ لوگوں کو آپ کی رہائش گاہ دکھا دوں۔"

عمارت کا ایک خوبصورت بیڈ روم اس نے ہمارے لئے مخصوص کردیا۔ نوٹوں ایک بڑا حصہ اس نے ہمارے حوالے کردیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک کار بھی مہیا کرد تھی۔ نہ جانے کیوں یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا بے حد عجیب۔

اس عمارت میں پہلی رات گزارتے ہوئے نیما نے بھی یہی بات کی۔

"عامر۔ عامر کیا یہ سب کوئی خواب نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یقین نہیں آرہا۔ کیا واقعی۔ اور۔.......... اور۔"

"صرف ایک بات ذہن میں الجھی ہوئی ہے نیما۔" میں نے پریشانی سے کہا۔

"کیا؟"

"کشم حکام کو کیا ہوا تھا۔"

"خدا بہتر جانے۔" نیما نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے دیانت داری سے ہماری رقم ہمارے حوالے کردی۔ میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے نہ جانے کیا معاملہ ہے۔ اس سے پہلے کہ کس

معیت میں پھنس جائیں ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"یوں بھی اب مہمان نوازی کا جواز نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن کیا اس کا تذکرہ کرو گے ریکس سے۔"

"وہ انکار کردے گا۔"

"لیکن کیا اس سے معذرت کرلیں گے۔"

"کیوں نہ خاموشی سے نکل جایا جائے۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کے بعد؟"

"اس کے بعد کیا؟"

"میرا مطلب ہے نقد رقم لے کر لندن سے نکلنا بھی تو مشکل ہے۔"

"ریکس سے خوفزدہ ہو؟"

"نہیں لیکن سوچ لو۔ وہ ہمیں تلاش کرلے گا۔"

"ہوں۔" میں نے پُر خیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر ایک تجویز کے تحت کہا۔

"تب پھر نیما۔ ہم دو تین دن یہاں گزاریں گے اور اس دوران ہم یہ نوٹ بینکوں میں پہنچا دیں گے اور ان کے ٹریولر چیک بنوا لیں گے۔ کچھ رقم ہم بینکوں میں رہنے دیں گے۔ کہیں سے بھی یہ رقم نکلوائی جاسکتی ہے۔ اس کام کے مکمل کرنے کے بعد ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ہم دونوں اس تجویز پر متفق ہوگئے اور میں نے دوسرے دن ہی اپنی کارروائی شروع کردی۔ ریکس نے ہمارے لئے بہترین سہولتیں مہیا کردی تھیں۔ وہ خود بہت کم گھر میں رہتا تھا۔ میں جس بینک میں نوٹ لے کر گیا کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ کسی کو نوٹوں کے نقلی ہونے کا شبہ نہیں ہوا تھا۔

بہرحال تین چار دن کے اندر یہ کام بھی مکمل ہوگیا۔ اس شام ریکس گھر میں موجود تھا۔ میں نے اس سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اور شام کو ہم اس کے قریب پہنچ گئے۔

ریکس نے ہمارا پُرجوش استقبال کیا اور پھر خلوص سے مسکرایا۔

"ہیلو مسٹر عامر۔"

"ہیلو ریکس۔ بھئی اب تو تمہارا مہمان بنے کئی دن ہوگئے اب ہمیں اجازت دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے علم تھا۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"کیا علم تھا۔"

"یہی کہ اب آپ لوگ جانا چاہتے ہیں۔"

"او' تم ہم پر نگاہ رکھ رہے تھے۔"

"نہیں میرے دوست! کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ دوستوں پر کوئی نگاہ رکھتا ہے۔" اس نے ممنون لہجے میں کہا۔

"پھر تمہیں کیسے معلوم۔"

"بہت سی باتیں ہم پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ آیئے میرے ساتھ آیئے۔" اس نے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں ریکس۔"

"بس میرے کمرے تک۔" اس نے کہا اور ہم دونوں اٹھ گئے۔ ریکس کے ساتھ میں اور نیا اس کے کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں تابوت پڑا ہوا تھا وہی تابوت جس میں نوٹ لائے تھے۔ اس کے قریب کرسیوں پر اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم بیٹھ گئے۔

"میں آپ دونوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ مسٹر عامر اور مس نیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو اپنی مختصر کہانی سناؤں گا۔ میں دنیا کا بدترین انسان ہوں دوستو۔ میں نے پہلے بھی اپنی کہانی کا مختصر حصہ سنایا تھا جو سو فیصدی سچ تھا میرا خاندان برطانیہ کا مشہور خاندان ہے لیکن مجھے اس خاندان کا سرمایہ نہیں مل سکا۔ کیونکہ میرے باپ کے دشمنوں نے مجھے اغوا کر لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے میرے باپ کو اطلاع بھی دے دی کہ وہ مجھے ہلاک کرنے کے بجائے جرائم کے راستے پر ڈالیں گے۔

"اس واقعے کو کافی شہرت ملی تھی۔ پولیس نے مجھے تلاش کرنے کی کافی کوشش کی لیکن اس میں ناکام رہی اور ایک طویل عرصہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ گزارا۔ میں ان کی سازش سے لاعلم تھا اور جب مجھ پر ان کی سازش منکشف ہوئی تو میں اپنے اہل خاندان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

"میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور میرا باپ کچھ اور عزت اور شہرت حاصل کر چکا تھا۔ میں نے جب اس سے اپنا تعارف کرایا تو وہ بھونچکا رہ گیا لیکن مجھے اس خاندان میں قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ میں اس خاندان میں

کسی ایسے انسان کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی بے گناہی کا رونا رویا لیکن میری ایک بات نہ سنی گئی۔ میں اپنے باپ کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

"تب میں مایوس ہو گیا اور اسی مایوسی نے میرے اندر انتقام کا جذبہ پیدا کیا۔ میں نے اس گروہ سے بغاوت کر دی اور اس کے کئی ممبر میرے ہاتھوں مارے گئے۔ میں ان لوگوں کا تعاقب کرتا ہوا ہی تمہارے پاس پہنچا تھا۔ وہاں میں ان کا شکار ہو گیا۔"

"تم؟" میں تعجب سے چونک پڑا۔

"ہاں۔ اس رات گروہ کے کچھ افراد مجھ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور رسی کے پھندے کے ذریعے مجھے ہلاک کر دیا گیا۔"

"ہلاک کر دیا گیا؟" نیا چونک پڑی۔

"ہاں۔ مس نیا اس وقت میں مردہ تھا جب آپ نے مجھے پایا۔"

"لیکن لیکن۔"

"لیکن میری روح نے یہ موت قبول نہیں کی اور میں۔ میں نے آپ کے سامنے آنکھیں کھول دیں۔ زندگی میں مجھے اپنے خاندان میں جگہ نہیں ملی لیکن موت کے بعد میں اس خاندان میں رہنا چاہتا ہوں۔"

"تو تم زندہ نہیں ہو۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ افسردگی سے بولا۔ "میری آخری خواہش یہ ہے کہ مجھے میرے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے اور اس کے لئے میں نے آپ لوگوں کا سہارا لیا ہے۔"

"لیکن لیکن۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"روح پر کچھ پابندیاں ہوتی ہیں۔ میں ہر ایک کو اپنا حال نہیں سنا سکتا تھا۔ یہ بے پناہ دولت میں نے ان لوگوں کے درمیان رہ کر حاصل کی ہے۔ یہ ڈالر اصلی ہیں اور ان میں کوئی نوٹ جعلی نہیں ہے۔ میں آپ کے کام آیا ہوں اس لئے آپ لوگ میرے کام آئیں۔"

"اوہ لیکن ریکس۔"

"تابوت میں میری لاش ہی تھی۔ اصلی لاش دیکھ کر کسٹم حکام مطمئن ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد میں نے تابوت خالی کر دیا۔"

"اور یہ نوٹ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے عرض کیا ناں۔ یہ میری ملکیت ہیں آپ کو زندگی کے کسی حصے میں نوٹوں کی وجہ سے تکلیف نہیں ہوگی۔ مجھے یقین ہے میرے دوست کہ آپ میری خواہش ضرور پوری کریں گے۔ میرا خاندان بہت مشہور ہے۔ اب یہ آپ کا کام کہ آپ مجھے خاموشی سے وہاں دفن کردیں۔ میرا کام ختم ہوچکا ہے اور اب یہ آپ اخلاقی فرض ہے کہ آپ ایک حرماں نصیب کی آخری خواہش پوری کردیں۔"

"اس کے بعد.........؟" میں نے عامر سے سوال کیا۔

اسی وقت مجھے اپنے کان میں چمپا کی سرگوشی سنائی دی۔ "نہیں شعبان' یہ نہیں ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔"

"تو پھر.........؟"

"اسے چھوڑ دو۔ میں کسی ایسے شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی جس۔ میرا کوئی واسطہ نہ ہو۔ عامر ایک اچھا دوست تھا لیکن میں چمپا کے زیر اثر تھا۔ میں عامر کو چھوڑ دیا اور چمپا کے اشارے پر مجھے ایک اور شخص سے پینگیں بڑھانی پڑیں سچی بات ہے میرا دل چاہتا تھا کہ خدارا اب ایسا کوئی نہ ملے جو چمپا کے مقصد کی تکمیل کرتا ہو' لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں تھی' بہرحال میں نے اس دوسرے شخص بھی کسی نہ کسی طرح اپنے بارے میں بتانے پر راضی کرلیا اور اس کی داستان انوکھی تھی بڑی عجیب' بڑی سنسنی خیز۔

☆======☆======☆

امی کے انتقال کے بعد اپنے ماں باپ کا اکلوتا لڑکا ہونے کے باعث ساری آبا جائیداد کا وارث مجھے قرار دیا گیا اور اس طرح میں اس قابل ہوگیا کہ وہ علم حاصل کرسکوں جس کے اب تک خواب دیکھتا رہا تھا۔ میں دہلی کے نواح میں اس دیہات میں چلا گیا جہاں صدیوں سے میرے آباؤ اجداد کی ایک عظیم الشان حویلی موجود تھی اس حویلی میں میرے آباؤ اجداد اکثر موسم گرما گزارنے آتے تھے۔ اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال تھی۔

اس حویلی میں سب سے پہلے میری خالہ مجھ سے ملنے کے لئے آئیں وہ بیوہ تھیں ایک بچی کے علاوہ ان کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ امی جب تک زندہ رہیں انہیں ما امداد کے طور پر ماہانہ رقم ادا کرتی رہیں۔ میں ان کی آمد کا مقصد سمجھ گیا اور انہیں یقین دلایا کہ انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ امی کی جانب سے جو رقم انہیں

بھیجی جاتی تھی وہ حسب معمول ملتی رہے گی۔

"میرے بچے!" انہوں نے میری بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "تم کتنے اچھے ہو آج آپا مرحومہ زندہ ہوتیں تو کتنا فخر کرتیں تم پر۔ مجھے یقین ہے کہ تم نہ صرف اپنے باپ کے نام کو زندہ رکھو گے۔ بلکہ ان کے نام میں چار چاند بھی لگاؤ گے۔"

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ انہوں نے اشارے سے اپنی بیٹی ثمینہ کو بلایا جو دروازے کی آڑ میں سفید چادر میں لپٹی لپٹائی کھڑی تھی۔

"بیٹی اپنے بھائی کو سلام کرو اور شکریہ ادا کرو کہ انہوں نے ہمیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچالیا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ خالہ جان۔" میں نے کہا۔ "یہ تو میرا فرض تھا۔"

ثمینہ اندر تو آچکی تھی اور اس نے اپنے گدرائے ہوئے جسم سے چادر بھی اتار دی تھی۔ پھر بھی اسے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے منہ سے سلام اور شکریہ کا ایک بھی لفظ نہیں ادا ہو پا رہا تھا۔

"بیٹا آصف۔" خالہ نے مجھ سے کہا۔ "ثمینہ بڑی اچھی بچی ہے۔ بڑی سعادت مند اور بے حد فرمانبردار۔" پھر وہ اس سے مخاطب ہو کر بولیں۔ "تم نے ابھی تک سلام نہیں کیا بھائی کو۔"

ثمینہ کا پورا چہرہ شرم کی وجہ سے سرخ ہوگیا اس نے اپنا مرمریں ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتھے پر رکھا اور بہت ہی آہستہ سے بولی۔ "آداب۔"

خالہ اور ثمینہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی پہلے چلی گئیں ان کی بگھی تیار تھی اور کوچوان شور مچا رہا تھا کہ اگر رات ہوگئی تو راستہ بھٹک جانے کا امکان ہے۔ مجھے ان دونوں کے جانے کی خوشی ہوئی کیونکہ میں تنہائی اور یکسوئی چاہتا تھا۔ البتہ چند لمحے یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ خالہ جیسی بھدی جھریوں دار چہرے اور تھل تھل کرتے ہوئے جسم والی عورت نے ثمینہ جیسی خوبصورت اور نرم و نازک لڑکی کی تخلیق کیسے کرلی؟

ان لوگوں کو گئے ہوئے بمشکل تمام ایک گھنٹہ ہوا ہوگا کہ کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ ابھی تک میں مکمل طور پر اپنی اس حویلی کے ملازمین سے پوری واقفیت حاصل نہیں کرسکا تھا میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک ملازمہ جس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زائد نہ ہوگی۔ دروازے پر کھڑی تھی اس کی آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرمگیں تھیں اور ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ۔ اسے دیکھ کر میں ہچکچایا لیک سے قبل کہ میں اسے کچھ کہتا۔ میں نے ایک نوجوان شخص کو دیکھا جو سیڑھیوں کھڑا ہوا کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ گھما کر میری طرف مخاطب سلام کرتا ہوا بولا۔

"میرا نام محمد علی ہے اور میں آصف صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل آیا ہوں۔" پھر اس نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا۔ "اگر میں غلطی نہیں آصف صاحب آپ ہی ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کو ایک ایسے استاد کی ض ہے جو جدید علوم سے واقفیت رکھتا ہو۔ مناسب سمجھیں تو کچھ دنوں تک مج خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔"

میں اسے اندر لے گیا۔ اس کی تیر جیسی تیز نگاہوں 'گفتگو کرنے کے اند عجلت کے ساتھ نتیجہ برآمد کر لینے کے طریقے کو میں نے دل ہی دل میں سراہا۔ ا بھی کھلے دل کے ساتھ میرے حصول علم کے جذبہ کی تعریف کی اور بتایا کہ جدید میری گہری نظر ہے۔ اسے اگر موقع دیا جائے تو قلیل ترین عرصے میں وہ مج دولت سے مالا مال کر دے گا۔ میں نے کہا۔

"اپنی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ میں آپ کے پاس پڑھنے نہیں آسکوں میرے استاد اور اتالیق کی حیثیت سے آپ کو یہیں قیام کرنا پڑے گا۔ فی الحال آ پانچ ہزار روپے تنخواہ کے طور پر ادا کئے جائیں گے۔ روٹی کپڑے اور دیگر ضرو کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ اگر آپ اس پر راضی ہوں تو کل ہی سے سلسلہ تعلیم کر دیا جائے۔"

پانچ ہزار روپوں کا نام سن کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ہونٹ کانپنے لگے وہ بمشکل تمام یہ کہہ سکا کہ اسے میری تمام شرائط منظور ہیں۔

جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں اگر وہ آپ کے ذہن میں ہے تو آپ میرے نئے استاد کی حیرت کا سبب سمجھ سکتے ہیں۔ ایک سو کی دس کلو گندم مل ر اور گھی پچاس روپے کا ایک کلو آتا ہو اور بڑے بڑے عہدے دار کو ایک ہزا لے کر پانچ ہزار ماہانہ کی پیشکش اور وہ بھی ایک معمولی استاد کے لئے جسے نہ معا میں پہلے کوئی مقام حاصل تھا اور نہ آج حاصل ہے۔ یقیناً حیرت اور تعجب کا تھی۔

اگلے روز سے میری پڑھائی شروع ہو گئی۔ کبھی کبھی میں بے چین ہو جاتا کہ کسی رات کی رات میں سارا علم حاصل کر لوں۔ میرا استاد محمد علی بلاشک و شبہ انتہائی اور قابل شخص تھا اور دو سال کے قلیل ترین عرصے میں اس نے مجھے وہ سب کچھ ڑھا دیا جو اسے آتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مجھے ہر حال میں صابر و شاکر رہنے یم دی۔

"جلد بازی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔" استاد محمد علی مجھے اکثر کہا کرتا۔ "عجلت ام بگڑتے ہیں بنتے نہیں۔ خاص طور پر تم نے جن علوم کی تعلیم حاصل کی ہے وہ س بات کے متقاضی ہیں کہ بے حد ٹھنڈے دل' اطمینان اور سکون کے ساتھ ئے جائیں۔ اس طرح تحقیق و تجسس کے نئے نئے راستے کھلیں گے ان حقائق چلے گا جو آج تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم کوئی ایسی رنے میں یا کسی ایسی چیز کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤ جو اس دنیا کو بالکل ہی بدل ڈالے۔"

چنانچہ اس کے کہنے کے مطابق ہم دونوں مختلف تجربات کرتے۔ نئی نئی باتوں کی اور جستجو میں رہتے اور کوئی ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دینے کی فکر میں رہتے جس رے میں کسی نے خواب میں بھی نہ سوچا ہو۔ ہماری مسلسل کوششوں اور پیہم د کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ہمارے وسیع تجربات کا دائرہ محدود ہوتا چلا گیا اور دن وہ آیا جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ بس اب ہمیں اسی ایک سمت میں اپنے ت اور مشاہدات کو انجام دینا ہے۔

ہم نے اپنی تمام صلاحیتیں اسی سمت کے لئے وقف کر دیں۔ علم حیوانات اور علم ء کا سہارا لیا۔ علم کیمیا کی مدد سے ہر چیز کے اجزاء الگ الگ کئے اور جوڑے۔ ن کی طاقت اور قوت کو پرکھا اور اس کے عمل اور ردعمل پر گہری نظر سے جائزہ ۔ ان سارے کاموں کو انجام دینے اور کسی نتیجے پر پہنچنے میں ہم دونوں کو کئی سال لگے۔ اس دوران میں محمد علی میری حویلی میں ہی مقیم رہا۔ سال میں ایک دو بار وہ کی بوڑھے چچا سے ملنے کے لئے جاتا لیکن کوشش کرتا کہ جلد سے جلد میرے پہنچ جائے۔ اس کی تنخواہ پانچ ہزار ماہانہ کے بجائے دس ہزار ماہانہ ہو چکی تھی اور ن کی حیثیت استاد کے بجائے مشیر جیسی تھی۔ کبھی کبھی تو میں اپنے تجربات سے ی حیران کر دیا کرتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنی داستان کے آغاز میں' میں نے ایک دس گیارہ سالہ ملازمہ کا ذکر کیا تھا وہ جوان ہو چکی تھی اس کا نام نادیہ تھا۔ جب میں مسلسل کئی کئی روز کے تجربات باعث تھک جاتا تو اسے اپنے پاس بلا لیتا وہ میرے ہاتھ پاؤں دباتی اور میرے لیٹ جاتی۔ اس وقت مجھ پر شیطان سوار ہو جاتا اور میں اس کے جسم سے کھیلتے ہو اسے بتایا کرتا کہ وہی میری سب کچھ ہے۔ اسے میری ناتجربہ کاری کہہ لیجئے کہ بعد مجھے اس سے اس قسم کی باتیں کرنے کے باعث پچھتانا پڑا۔

نادیہ کو میرے اور محمد علی کے تجربات و مشاہدات کے بارے میں کوئی علم تھا۔ ہم لوگ اپنے تجربات لوگوں کی نگاہوں سے دور حویلی کے ایک گوشے کے کمرے میں جسے ہم نے لیبارٹری کا نام دیا تھا کیا کرتے تھے۔ کسی ملازم کو ادھر آ اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ وہاں کی صفائی ستھرائی بھی ہم دونوں ہی کرتے اور بہت سی ایسی چیزوں کو جن کا ملازمین کی نظروں سے دور رہنا ضروری تھا طریقوں سے ضائع کر دیا کرتے۔

بالآخر مسلسل محنت بار آور ہوئی۔

ہم دونوں ایک کتے پر تجربہ کرتے رہے تھے جسے محمد علی گاؤں سے پکڑ لایا تھا۔ نے اسے ایک خاص طریقے سے مار کر اپنے تجرباتی تالاب میں ڈال دیا تھا وہ دو تک اس تالاب کے محلول میں بہتا رہا۔ دو روز کے بعد ہم نے اس پر مقناطیس کے اور رد عمل والے تجربات کئے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس مردہ کتے کے بے جان وجود کو دھڑکانے اور حرکت دینے میں کامیاب ہو جا مقناطیسی تجربات کے فوراً بعد میں نے اسٹیتھو سکوپ کے ذریعے اس کی دل کی دھ سننے کی کوشش کی اور اگلے ہی لمحے حیرت و خوشی کے ساتھ چلا اٹھا۔

"ہم لوگ کامیاب ہو گئے۔ اس کے دل نے دھڑکنا شروع کر دیا ہے۔"

محمد علی نے مجھ سے اسٹیتھو سکوپ تقریباً چھین کر کتے کے دل کی دھڑکن کوشش کی۔

"ہاں ہاں ہاں۔" اس نے بے حد خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اور اسٹیتھو سکوپ کو برابر کے کمرے میں لے گیا۔ کمرے کو باہر سے بند کر کے وہ پاس آ کر بیٹھ گیا اور مجھے رائے دی کہ میں خون کی مناسب گردش کے لئے تھوڑ کے لئے کتے کو یونہی چھوڑ دوں۔

ہم لوگ سیاہ کافی کی ایک ایک پیالی پینے لگے۔ "دل کی دھڑکن کا مطلب یہ ہے چند لمحوں میں خون گردش میں آ جائے گا۔" محمد علی نے ایک بڑا سا گھونٹ لے کر ا۔ "سوچو ہمارے اس تجربے کی کامیابی سے بنی نوع انسان کی کتنی خدمت کی جا سکے سینکڑوں جانوں کو بچایا جا سکے گا اختلاج کی بیماریوں کا تو بالکل ہی قلع قمع ہو جائے ا۔ اگلے مہینے لاہور میں ملک کے بڑے بڑے سائنسدانوں کا اجتماع ہونے والا ہے رے ہندوستان کے بڑے بڑے سائنسدان آ رہے ہیں۔ کیا اس وقت تک اس ے کے متعلق ہم تفصیلی رپورٹ تیار کر لیں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرے خیال میں رپورٹ تو تیار ہو جائے گی لیکن ہم لوگ اجتماع میں شرکت ں کریں گے۔"

"کیوں نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔ "اس پیمانے کا اجتماع اگلے دو سال تک ا مشکل ہے اتنے طویل عرصے تک انتظار کیوں کیا جائے۔"

اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے میرا ہاتھ پکڑا اور اس کمرے میں لے گیا ں فرش پر مردہ کتا پڑا ہوا تھا۔ یہاں پر میں نے کچھ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ حقیقت ہے کہ اس کمرے میں ہم نے ایک مردہ کتے کو رکھا تھا جو زندہ ہو چکا تھا اور اب اپنا اٹھائے ہوئے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ ایک ایسی دریافت ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کتے کی طرف اشارہ کرتے ئے کہا۔ "جس میں کسی کی فوری شرکت مناسب نہیں۔ اگر ہم نے طبی اجتماع میں نے تجربات اور مشاہدات کی رپورٹ پیش کر دی تو ہمارے بہت سے خواب شرمندہ ر ہونے سے رہ جائیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ کتے نے اب اپنی دُم ہلانی شروع کر دی تھی۔ "اب ہمیں چاہئے کہ کسی انسان کی تخلیق کریں۔"

"کیا؟"

"ایک ایسے انسان کی تخلیق کریں جو کسی حالت میں بھی کم تر درجے کا نہ ہو' ا ترین ذہین.......... جس کا ایک ایک عضو مکمل اور خوبصورت اور پورا کا پورا ان ہمارے لئے اپنے ہاتھوں کا تیار کردہ۔ ہم لوگ یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔ ے تجربات کی کامیابی نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی تخلیق کرنا ناممکن نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

محمد علی سے ملاقات سے آج تک میں نے اسے ایک ایسا شخص پایا تھا جس ۔ زندگی کو نت نئے تجربات اور زیادہ سے زیادہ حصول علم کے لئے وقف کر رکھا تھا اب اس کا لہجہ بالکل بدل چکا تھا اور زبان سے ایسے شکوک و شبہات کا اظہار ہو کہ اس میں اور ایک عام جاہل مطلق شخص میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ محض پاگل پن ہے۔" اس نے میری تجویز کے با میں کہا۔ "قانون قدرت کے خلاف کھلی بغاوت ہے اس قسم کی تخلیق خرابیوں برائیوں کا دروازہ کھول دے گی۔"

"جہاں تک قانون قدرت کے خلاف بغاوت کرنے کا تعلق ہے ہم لوگ پ اس جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں اور کامیاب ہو چکے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ۔ قدیم رسم و رواج کے مطابق مرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردہ تصور کر لیا جا جبکہ ہم اسے دوبارہ زندگی عطا کر سکتے ہیں۔"

کتے نے میری بات کی تصدیق اس طرح کی کہ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے پو جسم کو اس طرح ہلاتے ہوئے جیسے وہ اپنی گردن جھٹک رہا ہو۔ آہستہ آواز میں بھ لگا۔ محمد علی نے مشینی انداز میں اپنا سر ہلایا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہ

"ہمارے ہاتھ کی مٹھیوں میں ایسے راز پوشیدہ ہیں جن کے متعلق خواب و میں بھی نہیں سوچا گیا۔ قدرت نے انسان کی قوت کو محدود کرنے کے لئے مذہب رسم و رواج کی ایسی دیواریں بنا دی ہیں جن کو توڑنا آسان نہیں مگر ہم ساری حد پھلانگ کر قدرت کو شکست فاش دے چکے ہیں اب کوئی دیوار ہماری ترقی کے ر میں حائل نہیں ہو سکتی۔"

ایسی طنزیہ مسکراہٹ سے جس کا یہ مطلب تھا کہ وہ مجھے بیوقوف سمجھ رہا ہے نے پوچھا۔ "تم کسی انسان کی تخلیق کس طرح کر سکو گے؟ قانون قدرت کے م ایک مرد اور عورت کا ملاپ............"

میں نے اس کی بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "سب سے پہلے میں ایک ذ انتظام کروں گا۔ تم چاہو تو اسے جسم بھی کہہ سکتے ہو۔ میرے نزدیک یہ بنیادی چیز فریم کے حصول کے بعد ہم بآسانی عملی قدم اٹھا سکیں گے۔ کل شام ہمارے د میں ایک ڈاکو مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا ہے اس کی لاش معتبر اطلاعات کے مطابق

گڑھے میں ڈال دی گئی ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی دعویدار پیدا نہیں ہوا۔ یہ لاش گڑھے میں اس وقت تک پڑی رہے گی جب تک سڑ نہ جائے یا اس کا کوئی عزیز چپکے سے اسے اٹھا کر نہ لے جائے۔"

میرا خیال تھا کہ محمد علی میرا مفہوم سمجھنے کے بعد ایک بار پھر احتجاج کرے گا۔ مگر خلاف توقع اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا پھر اچانک قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ ہم دونوں دوبارہ دوست بن گئے۔

اگلے روز کتا ہر لحاظ سے ٹھیک تھا اور ہم دونوں کے لئے مشکل پیش آ رہی تھی کہ اسے دوسروں کی نظروں سے کس طرح مخفی رکھا جائے۔ چنانچہ یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہم لوگ اسے آزاد چھوڑ دیں اور وہ دیہات میں اپنے حیران و پریشان مالکان کے پاس جا کر ان کی مزید حیرانی و پریشانی کا باعث بن جائے۔

سہ پہر کو جب میں لیبارٹری سے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ ایک طرف سے نادیہ نے آ کر میرا راستہ روک لیا اور مجھ سے چمٹنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔

"کیا آج رات تمہارے ہاتھ پیر دبانے کے لئے آؤں؟" اس نے خمار آلود نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں نادیہ آج رات میں بہت زیادہ مصروف ہوں گا۔"

"یہ کیسی مصروفیت ہے کہ تمہیں راتوں کو بھی چین نہیں۔" اس نے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اور تمہارے دوست گاؤں کی لڑکیوں کو لے کر آتے ہوں۔"

"ارے نہیں نادیہ! تم جیسی خوبصورت سی کبوتری کے ہوتے ہوئے ایسا ہونا ناممکن ہے۔" میں نے مصنوعی پیار سے اس کے گال کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک بہت ہی ضروری کام انجام دینا تھا۔ اس سے فارغ ہوتے ہی مجھے اپنے ہاتھ پاؤں دبوانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ آج کی رات تم مجھے معاف کر دو۔"

اگرچہ میرا لہجہ خوشامدانہ تھا تاہم وہ میری ملازمہ تھی اور اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ میرے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ خاموشی سے میرے راستے سے ہٹ گئی۔ اس کی خوبصورتی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اگر میں مصروف نہ ہوتا تو یقیناً تھوڑا سا وقت اس سے کھیل کر گزارتا لیکن اس وقت تو میرے ذہن پر وہ لاش چھائی ہوئی تھی جو گاؤں کے باہر ایک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی اور میرے نزدیک وہ یقیناً نادیہ سے کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدر پُرکشش اور خوبصورت تھی۔

رات گئے محمد علی کی معیت میں' میں نے گھوڑا گاڑی نکالی اور خاموشی سے گڑھے کی جانب روانہ ہوگیا۔ وہاں سے ہم نے لاش کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھا۔ محمد علی نے اسے بوریوں سے ڈھک دیا اور جس خاموشی سے ہم لوگ وہاں گئے تھے۔ اسی ہی خاموشی سے حویلی میں واپس آگئے۔

لیبارٹری کی روشنی میں ڈاکو کی شکل بہت بھیانک معلوم ہو رہی تھی۔ مجھے اسے پاکر بہت خوشی ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ دہشت بھی ہو رہی تھی کیونکہ چیلوں اور گدھوں نے اس کی آنکھوں اور چہرے کے دائیں حصے کو کھا لیا تھا۔

اس کا سر کسی کام کا نہیں تھا۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ میں ہر لحاظ سے مکمل انسان کی تخلیق کروں گا اور کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ اپنے کام کی تکمیل کے لئے مجھے ایک تباہ شدہ اور بغیر دماغ والی کھوپڑی دستیاب ہوگی۔ میں آپریشن کی بڑی چھری اٹھالا اور لاش کو بڑی میز پر لٹا دیا۔

"کیا کر رہے ہو.........؟" محمد علی نے مجھ سے پوچھا۔

"دیکھتے جاؤ۔" میں نے کہا۔

ہمارے تازہ ترین تجربات نے مجھے چیر پھاڑ کرنے میں ماہر کر دیا تھا اور میرے لئے لاش کا سر کاٹ لینا قطعی مشکل نہیں تھا۔ بس میں نے ایک بار نظر اٹھا کر دیکھا کہ محمد علی کو میرے کارنامے پر حیرت ہو رہی ہے یا نہیں۔ اسی چاقو سے میں نے بوری کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اس میں کٹے ہوئے سر کو لپیٹ دیا اور تب لیبارٹری کے آخری کونے پر واقع تیزاب کے تالاب میں اسے ڈال دیا۔ میں جانتا تھا کہ چند ہی لمحوں کے بعد پورا سر مع ہڈیوں کے اس طرح غائب ہو جائے گا کہ اس کا پتہ بھی نہیں چل سکے گا۔

میں باقی جسم کی حالت دیکھنے کے لئے بے چین تھا اور معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سر کے علاوہ کسی دوسرے حصے کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا میرے لئے یہ لاش اب بھی انتہائی بیش قیمت تھی۔ بلکہ نہایت خصوصیات واہمیت کی حامل ہونے کی وجہ سے۔

ہم دونوں نے لاش کے پورے جسم کو دھو دھلا کر صاف کیا اور سر سے پاؤں تک......... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ گردن سے پاؤں تک۔ اسے پٹیوں سے لپیٹا اور اسے اسپرٹ کے تالاب میں ڈال دیا تاکہ وہ گلنے اور سڑنے نہ پائے۔ جب ہم دونوں اس سربریدہ لاش کو اسپرٹ میں ڈال رہے تھے تو ہمارے جسموں پر لرزا طاری تھا۔ محمد

علی غالباً جذباتی ہونے کے باعث کانپ رہا تھا جبکہ میری لرزش کا باعث لاش کے ریچھ جیسے ہاتھ تھے۔ میں نے آج تک اتنے خراب ہاتھ کسی انسان کے نہیں دیکھے۔ ایسے گندے اور بدصورت ہاتھ یقیناً کسی ڈاکو ہی کو زیب دیتے ہیں یا پھر کسی ریچھ یا گوریلے کو' انسانوں کا ایسے ہاتھ سے کیا تعلق۔ محمد علی نے مجھ سے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ کٹی ہوئی لاش ہمارے کس کام کی ہے؟" میں نے کہا۔

"ہاتھ........... تم نے ہاتھ دیکھے اس جنگلی انسان کے۔ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ہمیں مناسب ہاتھ آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جائیں۔"

"میری بات تو سنو۔"

لیکن میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا تھا اور ہر قسم کی بحث سے دور رہنا چاہتا تھا اتنی تکالیف' پریشانیوں اور جدوجہد کے بعد کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی تو محمد علی اس پر پانی پھیر دینا چاہتا تھا۔ صرف ایک بزدل ہی پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں جاکر آرام اور سکون کے ساتھ ان مشکلات کے سدباب کے بارے میں سوچے جو ہمیں ایسی ناکارہ لاش کے حصول کے بعد پیش آرہی تھی۔ میں نے اسے ہنسانے کی بھی کوشش کی لیکن اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک لہر بھی نہیں آئی۔

صبح کی ڈاک سے مجھے دو اہم خطوط موصول ہوئے۔ ایک خط غازی آباد سے آیا تھا جس میں مشہور و معروف مصور مرزا آفتاب بیگ کی وفات کی اطلاع تھی اور دوسرا خط میری خالہ زاد بہن ثمینہ نے اپنے گاؤں سے بھیجا تھا۔ جس میں مجھے خالہ کی موت سے مطلع کیا گیا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر تک یہ سوچا کہ مجھے کس کے جنازے میں شرکت کرنی چاہئے۔ اس کے بعد روانہ ہونے سے قبل ایک خط ثمینہ کے نام تحریر کیا۔

"مجھے خالہ جان کے انتقال پُرملال پر دلی صدمہ ہے۔ یہی کہہ سکتا ہوں کہ صبر کرو اور ان کے سوئم سے فارغ ہو کر میرے پاس آجاؤ......... کاش!......... اس وقت میں تمہارے ساتھ ہوتا اور رنج و غم میں تمہارا ہاتھ بٹاتا لیکن انتہائی مجبور ہوں۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری پر مجھے معاف کردو گی اور ویسا ہی کرو گی جیسا میں نے تمہیں مشورہ دیا ہے کیونکہ بہرحال تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ہمارے بچپن میں امی اور خالہ نے ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا تھا.........

اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان کے فیصلے کو عملی جامہ پہنا کران کی روحوں کو خوش کریں۔ اگر میری غیر موجودگی میں تم یہاں آؤ تو کسی سے پردہ مت کرنا۔ یہاں سب اپنے ہیں اور ان سب کی حیثیت میرے اور تمہارے ملازمین کی ہے۔"

غازی آباد پہنچ کر مجھے مرزا آفتاب بیگ کے ہاتھ حاصل کرنے میں بڑی مصیبتو اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا کچھ لوگوں نے مذاق سمجھا اور کچھ نے مجھے جان سے ڈالنے کی دھمکی دی۔ بالآخر گورکن بمشکل تمام پانچ سو میں اس کے ہاتھ کاٹنے پر تیار ہوا۔ ہاتھ حاصل کرتے ہی میں نے انہیں ایک بڑے ٹرنک میں پارسل کے طور پر پیک کر رکھا اور راتوں رات تیز رفتار بگھی کرائے پر لے کر اپنے محل کے لئے روانہ ہوگیا۔

صبح سویرے میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ ٹرنک ملازموں کے حوالے کر میں نے ہاتھوں کا پارسل اپنی بغلوں میں دبالیا اور خوش ہوتا ہوا ہال میں پہنچا میں خو کے جذبات سے اتنا معمور ہوا کہ پارسل کو کھول کر خوشی سے دونوں ہاتھ محمد علی سامنے ڈال کر داد تحسین حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ مگر شکر ہے پار کھولنے سے پہلے میں نے ایک نظر کمرے میں ڈال لی۔ ایک حسین و جمیل لڑکی جس روئیں روئیں سے حسن و جمال آشکار تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی محمد علی کو بتار تھی۔

"جی ہاں! میں یہاں رہنے آئی ہوں۔ یہ میری حویلی ہے۔"

"آپ کی حویلی ہے۔ رہنے آئی ہیں یہاں۔"

اور تب وہ دونوں میری آہٹ پر چونک کر میری طرف متوجہ ہوئے۔ ثمینہ ہنستی ہوئی میری طرف بڑھی۔ وہ میری توقعات سے کہیں زیادہ بڑھ کر خوبصورت تھی اس کے سفید سفید خوبصورت دانت ستاروں کی طرح چمک رہے تھے اور اس کا پورا جسم ایک سنگ مرمر کے مجسمے کی مانند ڈھلا ہوا تھا۔ اتنا فرق ضرور تھا کہ مجسمہ کہیں نصب ہوتا ہے اور بالکل بے حس و حرکت ہوتا ہے۔ جبکہ ثمینہ میں بھرپور زندگی تھی۔

"خیریت سے آئیں۔" میں نے پوچھا۔ "راستے میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔"

وہ اپنی مترنم آواز میں سفر کے متعلق بتانے لگی لیکن اس وقت میں ثمینہ سے زیادہ اس چیز میں کھویا ہوا تھا جو میری بغل میں موجود تھی۔ چنانچہ اس نے جیسے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبان روکی۔ میں نے محمد علی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"میں خزانہ لے آیا ہوں' بہت بڑا خزانہ میرے ساتھ لیبارٹری تک چلو۔"

اچانک میں نے محسوس کیا کہ ثمینہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ اداس ہوگیا ہے۔ فوراً میں اس کی طرف گھوما اور اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ثمینہ تم یہاں کی مالکہ ہو تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے بے رخی برت رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ایک انتہائی اہم کام میں گھرا ہوا ہوں۔"

اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر میں نے محمد علی کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا لیبارٹری میں لے گیا۔ وہاں جا کر میں نے پہلے دروازہ اندر سے بند کیا اور اس کے بعد پارسل کھول کر بولا۔

"کیا خیال ہے تمہارا۔ کیا تم نے دنیا میں اس سے بہتر کوئی چیز دیکھی ہے۔" وہ دیر تک ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ "یہ ہاتھ کس کے ہیں اور تمہیں کہاں سے ملے ہیں۔"

میں نے اسے پوری داستان سنائی اور جب میں اسے سارا واقعہ سنا چکا تو اس نے کہا۔ "آصف علی! کیا تمہیں اس کا اندازہ ہے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

"ہاں۔ اس کا نتیجہ برآمد ہوگا کہ اسپرٹ کے تالاب میں پڑا ہوا ہمارا دوست ایک بار پھر ایسے شاندار ہاتھ لے کر پیدا ہوگا کہ دنیا میں گنے چنے چند لوگوں ہی کو ملے ہوں گے۔"

"اونہہ۔" اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں تمہاری بہن کی آمد کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ کیا ہمارے معاشرے میں ایک نوجوان لڑکی اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ رہ سکتی ہے اور میرا خیال یہ بھی ہے کہ اب ہمیں اپنا تجربہ ختم کر دینا چاہئے۔ کم از کم یہاں تو ہرگز مناسب نہیں۔"

"پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ثمینہ میری منگیتر ہے اس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ آج نہیں تو کل اسے میری بیوی بننا ہے۔ اگر معاشرے میں کسی کو اعتراض ہے تو ہوا کرے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ تجربہ ہرگز ختم نہیں ہوگا۔ اگر ثمینہ کو اس کے بارے میں معلوم ہو جائے تو میرے خیال میں نامناسب نہیں۔ یہ بلکہ اس کے لئے اطمینان کا باعث ہوگی کہ اس حویلی میں وہ کبھی ہمیشہ کے لئے نہیں مر سکے گی۔"

"وہ نوجوان ہے۔ اس کا ننھا سا دل دہشت انگیز نظارہ کی تاب نہ لا سکے گا۔ پہلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلی تو خود میری اپنی آنکھوں کے سامنے دہشت کے باعث تاریکی چھا گئی تھی۔"

"اور اب کیا حال ہے۔"

"میں طے کر چکا ہوں کہ تمہارے تجربے میں شرکت نہیں کروں گا اور بہت ممکن ہے کہ میں تمہیں بھی اس سے باز رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔"

میں نے اسے تصویر کا روشن پہلو دیکھنے کی جانب راغب کیا۔ "چھ ماہ کے اندر اندر پوری دنیا ہم دونوں کی اہلیت سے واقف ہو جائے گی اور میرے ساتھ ساتھ تم بھی اتنے مشہور ہو جاؤ گے کہ لوگ تمہیں دیکھ کر فخر کیا کریں گے۔"

"نہیں مشہور نہیں بلکہ بدنام ہو جاؤں گا لوگ میرے چہرے پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ اب بھی وقت ہے۔ اپنے تجربے سے باز آجاؤ۔ اگر تمہیں اپنا خیال نہیں تو اس لڑکی کا خیال تو کرو جس کا مستقبل تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔"

"چھوڑو ان فضول باتوں کو۔" میں نے کہا۔ "ان ہاتھوں کو اپنے دوست کے جسم سے جوڑنے میں میری مدد کرو دیکھو اس کے اصل ہاتھ کاٹ کر نئے ہاتھ جوڑنے میں کیا مزہ آتا ہے۔" اس نے صاف طور سے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔

"نہیں اب میں تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتا اور اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں ثمینہ سے کہوں گا کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ اس حویلی میں انسان کی حیثیت کھلونے جیسی ہے۔"

محمد علی بے وقوف تھا۔ اپنے دقیانوسی ماحول کے باعث اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ہمارے خاندان کا طور طریقہ کیا ہے؟ ثمینہ اس کی بات ماننے کے بجائے میری بات مانے گی اور وہ کسی قیمت پر حویلی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی۔ تاہم میں نے وضاحت کرنے کے بجائے اس سے صرف اتنا کہنا مناسب سمجھا۔

"اگر تم واقعی میرا ہاتھ بٹانا نہیں چاہتے تو بہتر یہ ہے کہ تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن دروازے کے پاس جا کر رک گیا۔

"آصف علی!"

"مجھے تنہا کام کرنا ہے۔" میں نے اس کے کچھ کہنے سے پیشتر کہا۔ "اس لئے میں رات کے کھانے کے لئے وقت نہیں نکال سکوں گا۔ ہر وہ گھنٹہ جو ضائع جا رہا ہے وہ ان دونوں ہاتھوں کی خوبصورتی کو مٹانے کا باعث بن رہا ہے۔ ثمینہ سے میری طرف سے معذرت چاہ لینا۔"

وہ باہر چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زیادہ عرصے تک غائب نہیں رہ سکے گا اور تجربے کی کشش اسے کشاں کشاں لیبارٹری میں کھینچ لائے گی لیکن وہ واپس نہ آیا۔

مجھے اپنے کام کا ایک معتد حصہ انجام دینے میں دو گھنٹے سے زیادہ کا عرصہ لگ گیا۔ اس کے بعد تجربہ گاہ میں آرام کرسی پر بیٹھ کر آرام کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میں ضرورت سے زیادہ تھک گیا ہوں۔ اگر اس وقت مجھے یہاں کافی کی ایک پیالی پینے کے لئے مل جائے تو میں باآسانی اپنے کام کو دو تین گھنٹے میں پایہ تکمیل تک پہنچا لوں گا۔

تجربہ گاہ کو باہر سے بند کر کے میں کھانے کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے محمد علی اور ثمینہ کی باتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس حویلی کو چھوڑ دو۔" محمد علی کہہ رہا تھا۔ "یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے۔"

"محفوظ جگہ نہیں ہے۔" ثمینہ پوچھ رہی تھی۔ "لیکن آصف علی تو یہیں رہتے ہیں۔"

"میں آصف علی ہی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ وہ ایسے تجربات کر رہا ہے جو انتہائی خطرناک ہیں اور جن کا انجام پشیمانی اور ندامت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔"

میں چاہتا تھا کہ تیزی سے اندر پہنچ کر ان دونوں کی گفتگو میں مخل ہو جاؤں مگر اسی وقت ثمینہ کی مترنم آواز گونجی۔

"اگر آصف علی یہ سوچتے کہ یہاں کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے تو وہ ہرگز مجھے مدعو نہ کرتے۔"

"وہ نہیں جانتا کہ کن خطرات میں گھرا ہوا ہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ انہیں کس قسم کے خطرات درپیش ہیں۔"

"تم سمجھ نہیں سکو گی۔"

"میں سمجھ جاؤں گی کم از کم سمجھنے کی کوشش تو ضرور ہی کروں گی۔ ازراہ کرم مجھے ان خطرات سے آگاہ کیجئے۔"

"افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تب پھر مجھے بھی افسوس ہے کہ میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔"

ثمینہ کی باتیں سن کر مجھے اطمینان ہوا اور خوشی بھی۔ اب میں زیادہ وقت بر
نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اپنے کمرے میں جا کر اپنے تھرماس سے میں نے سیاہ کافی
اور ایک پیالی پی کر دوبارہ تجربہ گاہ میں چلا گیا۔ وہاں میں صبح تک کام میں مصروف
اور سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد گہری نیند سو گیا۔ دوپہر کو میری آنکھ کھ
اور میں تجربہ گاہ سے باہر نکلا تو ثمینہ کو اپنا منتظر پایا۔

"کیا آپ کا یہ کام کچھ زیادہ غیر معمولی نوعیت کا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بہت ہی زیادہ غیر معمولی نوعیت کا۔"

"آپ کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں۔" میں نے کہا۔ "جونہی کام ختم ہوا تم پہلی شخصیت ہو گی جو میر
خوشیوں میں حصہ بٹاؤ گی۔"

اس نے مسکراتے ہوئے میری بات کو تسلیم کر لیا۔

مگر نادیہ کوئی بات بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ایک رات جب میں اپ
تجربہ گاہ سے باہر نکل کر کمرے کی جانب جا رہا تھا۔ وہ ایک گوشے کے سائے سے ابھر ک
میرے سامنے آئی اور اپنے دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دیئے۔ اس کے باز
مضبوط اور خود سپردگی لئے ہوئے تھے۔

"میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" اس نے کہا۔ "تمہارے تجربات کب
تک جاری رہیں گے؟"

"ختم ہو ہی جائیں گے کسی نہ کسی دن۔"

"کب تک ہم لوگ چھپ چھپ کر اسی طرح تاریکیوں میں ملتے رہیں گے۔ چھپ
چھپے محبت کرتے رہیں گے۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں محض تمہاری ملازمہ ہوں۔ آخر
تم مجھ سے کب تک شادی کرو گے۔"

یہ سوال ایسا تھا کہ میرے منہ سے نفرت انگیز ہنسی نکل جاتی لیکن میں ضبط کر گیا۔
نادیہ نے مجھے مسرت کے بے شمار لمحات بخشے تھے۔ تنہائی میں میری ساتھی رہی تھی۔
میں نے محض اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔

کیا تم اپنے وعدوں کو بھول گئے۔ کیا ثمینہ نے یہاں آ کر تمہاری محبت کو ختم
کر دیا۔"

"تمہیں جلن ہو رہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں۔" مگر اس نے فوراً تردید بھی کر دی۔ "مجھے جلن ہو رہی ہے میں
برداشت نہیں کر سکتی کہ یہ لڑکی مجھ پر حکم چلائے۔"

اس سے چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں اسے اپنے کمرے میں لے
جاؤں اور ایک بار پھر اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر مطمئن کر دوں۔ چنانچہ میرے گلے سے
اپنی بانہیں نکالے بغیر وہ میرے ساتھ ساتھ کمرے میں گئی اور کمرے میں پہنچ کر مجھ پر
اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ میں اتنا تھکا ہوا نہیں تھا جتنا محسوس کر رہا تھا۔

ثمینہ کو اس بارے میں کوئی شبہ تک نہیں تھا اسے صرف اتنی شکایت تھی کہ میں
اس کے پاس زیادہ وقت نہیں گزارتا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا لیکن میں اپنے
تجربات میں ایسا گھرا ہوا تھا کہ نہ اس کے لئے وقت نکال سکتا تھا اور نہ ثمینہ کو اپنے
تجربات میں شریک کر سکتا تھا۔ ہاں جب میری تخلیق کردہ مخلوق مکمل ہو جائے اور اسے
ایک مسلمہ حقیقت کا مقام مل جائے۔ اس وقت میں ثمینہ کو سارے رازوں سے آگاہ
کر دوں گا۔

ہاتھ لگائے جا چکے تھے اور اب وہ ڈاکو کے جسم کا ایک حصہ بن چکے تھے لیکن ابھی
بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ میں ایک تازہ قبر سے ایک کھوپڑی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا
لیکن گھر آ کر معلوم ہوا کہ اس کی آنکھیں ختم ہو چکی ہیں اور دماغ بھی جگہ جگہ سے قبر
کے کیڑے مکوڑوں نے کھا لیا ہے۔ چند دنوں میں ایک گورکن کی مدد سے پانچ سو روپے
فی آنکھ کے بدلے دو آنکھیں بھی حاصل کر لیں۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ دماغ کہاں سے
حاصل کیا جائے۔ میں چاہتا تھا کہ میری مخلوق کو بہترین قسم کا دماغ میسر آئے۔ محمد علی کا
کردار اس دوران میں عجیب و غریب سا ہو گیا تھا۔ کبھی وہ مجھے گالیاں دینے لگتا اور
تجربات سے باز رکھنے کی کوشش کرتا اور کبھی خود بھی میرے تجربات میں شریک
ہو جاتا۔

انہی دنوں مجھے اپنے والد کے ایک کرم فرما حکیم شبیر کا پشاور سے خط موصول
ہوا۔ وہ آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے میرے پاس کچھ دنوں کے لئے آ رہے تھے۔
میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا ان کا دماغ حاصل کروں گا۔ وہ نہ
صرف مانے ہوئے حکیم تھے بلکہ ایک اچھے شاعر فلاسفر اور نجومی بھی تھے۔ ان کا دماغ
میری مخلوق کے لئے انتہائی موزوں تھا۔

ان کی آمد کے تیسرے روز میں انہیں اپنی تجربہ گاہ دکھانے کے لئے لے گیا لیکن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راستے ہی میں' میں نے انہیں سیڑھیوں سے نیچے دھکا دے دیا۔ وہ قلابازیاں کھا
ہوئے نیچے گرے۔ پیچھے پیچھے میں بھی دوڑا ان کا سر پھٹ گیا تھا اور وہ آخری ہچکیا
لے رہے تھے۔ میں نے اس بات کا خصوصی خیال رکھتے ہوئے کہ دماغ کو کوئی نقصا
نہ پہنچے وہیں آپریشن کرکے دماغ نکال لیا اور احتیاط کے ساتھ ایک جار میں رکھ کر
چیخ کر محل میں موجود سارے لوگوں کو اکٹھا کرلیا کسی کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ میں
صرف دماغ حاصل کرنے کے لئے ملک کی ایک اہم ہستی کو ختم کردیا ہے۔

رات کو کفن دفن سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب میں دماغ کو جار م
رکھ کر اپنی تجربہ گاہ میں لے جارہا تھا کہ محمد علی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس نے جار کی طرف
گھور کر دیکھا۔ "تم نے اس عظیم انسان کو مار ڈالا اور اس کے بعد اس کی لاش کی ب
حرمتی کی۔"

"میں نے کوئی بے حرمتی نہیں کی۔ محض دماغ حاصل کیا ہے۔"

"میں شاید یہ تو ثابت نہ کرسکوں کہ تم قاتل ہو۔" اس نے میری طرف بڑھ
ہوئے کہا۔ "البتہ میں تمہیں اس دماغ کو استعمال کرنے سے روک سکتا ہوں۔"

"کیوں؟ مرنے والے کو اپنے دماغ کی ضرورت نہیں' اس کے علاوہ یہ بات ا
کے لئے قابل فخر ہے کہ..........."

اس نے اچھل کر میرے ہاتھوں سے جار چھیننے کی کوشش کی میں ایک طرف
ہٹ گیا اور چیخ کر بولا۔ "اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو میں تمہیں قتل کردو
گا۔"

لیکن اس پر تو جیسے بھوت سوار تھا وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اس چھینا جھپٹی میں شی
کا مرتبان میرے ہاتھ سے چھوٹ کر چکنا چور ہوگیا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیک
کہ دماغ میں شیشے کی کچھ کرچیں چبھ گئی ہیں اور اس میں سے پانی جیسی کوئی رقیق چ
نکلنا شروع ہوگئی۔

"نکل جاؤ یہاں سے ابھی ابھی خالی کردو میری حویلی آج سے تمہاری ملازم
ختم۔ جاؤ۔ فوراً چلے جاؤ۔"

وہ چلا گیا تو میں نے احتیاط سے حکیم صاحب کا دماغ اٹھایا اور تھکے تھکے قدمو
سے اپنی لیبارٹری کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دماغ کا جائزہ لیا۔ اس میں
زخم آئے تھے پھر بھی گہرے زخم نہیں تھے۔ بہرصورت مجھے اسی ٹوٹے پھوٹے دما

کام چلاتا تھا۔ تقریباً تین بجے رات تک کام کرتا رہا اور اس کے بعد چند گھنٹوں تک
ے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صبح کے وقت میری آنکھ ان آوازوں سے کھل
جو میرے کمرے کی کھڑکی کے باہر آرہی تھیں۔ ان میں سے ایک آواز ثمینہ کی تھی
دوسری محمد علی کی۔

"میں تم سے آخری بار یہ کہنے آیا ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ۔"

"کیوں؟"

"بس ابھی ابھی اسی لمحہ اس محل کو چھوڑ دو' ایسا نہ ہو کہ تیر کمان سے نکل
ے۔"

"تم یہ مشورہ مجھے پہلے بھی دے چکے ہو اور تمہیں اس کا جواب معلوم ہے۔"

"میری بات مانو ثمینہ تم خطرے میں ہو۔ آصف علی جو کچھ کررہا ہے وہ اس حویلی
ہنے والے ہر شخص کے لئے خطرناک ہے' نہ صرف حویلی والوں کے لئے بلکہ
ے دیہات کے لئے۔"

"پھر تم یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔ اگر سبھی خطرے میں ہیں تو تم بھی خطرے
۔ تم اس دیہات کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

"چھوڑوں گا۔ شاید آج ہی دوپہر سے پہلے پہلے یہاں سے چلا جاؤں۔" اس نے
"افسوس تمہیں نہیں معلوم کہ اس حویلی میں کیا ہورہا ہے۔ کیا تم کبھی تجربہ گاہ
ا ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیسی ہولناک مخلوق تیار کررہا ہے۔"

"کیا تم مجھ سے یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ کوئی خراب اور بدمعاش شخص ہیں۔ چلے
ال سے۔ میں ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔"

محمد علی کو ایک بار پھر منہ کی کھانی پڑی اور میرے دل میں ثمینہ کی محبت اور قدر و
کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ وہ حقیقت میں اس قابل تھی کہ اسے چاہا جائے اور اس پر
ور بھروسہ کیا جائے۔

میں اپنی مخلوق کی تخلیق کرچکا تھا۔ اب پورا جسم' جس کی ہر چیز مانے ہوئے
لوگوں کی تھی۔ بڑی میز پر پڑا ہوا تھا اور مجھے چند انجکشن لگا کر مقناطیسی عمل کرنا
لیکن مقناطیسی عمل کرنے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت تھی۔ مجبوراً مجھے
میں جاکر محمد علی کو تلاش کرنا پڑا۔

"اگر اس وقت تم میری تھوڑی سی مدد کردو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی

تھیوری کو ثابت کر چکنے کے بعد اس جسم کو ضائع کر دوں گا۔"

"کتنے دنوں میں؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک مہینے کے اندر اور آئندہ پھر کبھی ایسا تجربہ نہیں کر گا۔"

وہ میرے ساتھ آنے پر راضی ہو گیا۔ غالباً وہ اوپری دل سے انکار کر رہا تھا اندر ہی اندر میرے تجربے کا نتیجہ دیکھنے کے لئے بے چین بھی ہو رہا تھا۔

ہم دونوں نے مل کر اس جسم پر مقناطیسی عمل کیا اور جلد ہی اس کے سینے میں نے دھڑکنا شروع کر دیا کتے والے تجربے کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم لوگ برابر کے کم میں چلے گئے تاکہ دل کی پمپنگ سے خون کی گردش بحال ہو جائے اس سے قبل ہم اس جسم میں خون کی بہت سی بوتلیں چڑھا دی تھیں تاکہ عین وقت پر دل کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے.......... تجربے کی غیر معمولی کامیابی کے باعث خوشی میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے سیاہ کا ایک پیالی لی اور تقریباً پندرہ منٹ بعد محمد علی کا سہارا لے کر دوبارہ تجربہ گاہ میں دا ہوا۔ تجربہ گاہ کے درمیان میری تخلیق کی ہوئی مخلوق کھڑی تھی اور پلکیں جھپک جھ کر چاروں طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

میں مسرت کے باعث تقریباً نیم پاگل ہو گیا اور دوڑ کر اس سے چمٹ گیا۔ می اس طرح چمٹ جانے پر وہ جسم پیچھے ہٹا اور اس نے میز سے ہتھوڑا اٹھا کر میرے بجانا شروع کر دیا۔

میں تکلیف اور درد کے باعث دوہرا ہو گیا اور کوشش کی کہ وہاں سے جاؤں مگر اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور میرے سینے اور منہ پر گھونسے مار لگا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں نے اسے اس لئے تخلیق کیا ہے کہ وہ مجھے مار ڈا لیکن اسی لمحے جبکہ میں بالکل بے دم ہو چکا تھا۔ محمد علی تجربہ گاہ کا ایک اسٹول اٹھا کر کی طرف لپکا اور پوری قوت سے اس نے اس جسم پر دے مارا۔

اس کی گرفت نرم ہو گئی وہ چکرا کر نیچے گر پڑا۔ محمد علی نے مجھے سنبھالا اور ہوا ایک طرف لے گیا۔

اگرچہ مجھے بولتے ہوئے تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم میں برابر بی جا رہا تھا۔ "میں کامیاب ہو گیا۔ کامیاب ہو گیا۔ کامیاب ہو گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محمد علی نے مجھے تجربہ گاہ کے آخری سرے پر لٹا دیا اور خود اس مخلوق کی طرف ...... اسے کھینچ کر میز پر ڈالا اور رسیوں سے اس کے جسم کو جکڑ دیا۔ پھر وہ ے پاس آیا۔ "تم نے تو اسے مار ہی دیا تھا۔"

مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔ کیا محمد علی کو میری مخلوق سے اتنی ہمدردی کتی ہے۔

"تم نے سنا نہیں۔" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا؟"

"تم اس چیز کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔" اس نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ شعوری ر اس میں بیداری آتی۔"

"نہیں میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے ختم کیا جائے۔ دراصل جوش کے میں اپنے اوپر قابو نہیں پا سکا۔" میں نے وضاحت کی۔ "اب تمہیں یہ تو ماننا ہی گا کہ میں نے کتنی عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے۔"

محمد علی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ میری تخلیق ہے۔" میں نے اس طرح فخر سے کہا جیسے اس کو اپنی کوکھ سے یا ہو۔"

"مجرمانہ ذہنیت ہے اس کی۔" محمد علی نے کہا۔ "اس نے تم کو مار ڈالنے کی ش کی تھی۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ دماغ زخمی ہو گیا ہے اور اسے زخمی کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پھر بھی آج کی کامیابی ایسی ہے کہ میں سب کو معاف کرنے کے تیار ہوں۔"

"تم نے وعدہ کیا ہے کہ اسے ضائع کر دو گے۔"

"کب؟"

"جب تم میرے پاس مدد کے لئے آئے تھے۔" اس نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ بار تم اپنی تھیوری کو ثابت کرنے کے بعد تم اسے ضائع کر دو گے۔"

یوقوف محمد علی اس حقیقت سے بے خبر معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا ہے یہ محض آغاز ہے۔ میں نے کہا۔ "ہاں۔ میں آج بھی اپنے وعدے پر قائم لیکن پہلے اپنی تحقیق کو مکمل کر لوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ تم نے ایک وحشی اور مہیب انسان کو جنم دیا ہے۔"

"کل میں اس کے دماغ کا آپریشن کروں گا۔" میں نے کہا اور جلد ہی اسے مہذب اور متمدن انسان بنادوں گا۔ اصل پریشانیاں تو ابتدا میں تھیں۔ اب تو مزید چھوٹی خامیاں دور کرنا ہیں۔" محمد علی نے اپنی نظریں میری مخلوق کی طرف اٹھائیں۔

"تم میری بات نہیں مانو گے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"جب ہم دونوں ساتھ ساتھ کام کیا کرتے تھے۔ مجھے تمہاری یہ باتیں مان کر خوشی ہوتی تھی۔" میں نے کہا۔ "تم نے موجودہ مخلوق کی دریافت میں میرا ہاتھ بٹایا ہے اور اگر اب بھی تم میرا ساتھ دو تو۔"

"نہیں۔ تم میری بات کبھی نہیں مان سکتے اور تم اتنے طاقتور ہو کہ اس علاقہ میں کوئی شخص تمہاری مخالفت بھی نہیں کرسکتا۔"

"کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ میری مخالفت کرے۔"

"تمہاری اپنی بہتری کے لئے اور انسانیت کی بھلائی کے لئے۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگ گیا اور باہر جانے سے پہلے بولا۔ "میں روزانہ یہاں سے جانے کا پروگرام بناتا ہوں لیکن ناکام ہوجاتا ہوں لیکن آج میں لازمی طور پر یہ گاؤں چھوڑ دوں گا۔ غالباً تمہیں بھی میری مدد کی مزید ضرورت نہیں ہے۔"

مجھے تھوڑا سا افسوس ہوا کہ ہم دونوں اس طرح جدا ہو رہے ہیں مگر میں یہ کیسے گوارا کرسکتا تھا کہ اپنے عزم و ارادہ کو متزلزل ہوجانے دوں۔ دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ سائنس اور فلسفہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ ہر عظیم منصوبہ بے شمار مخالفتوں کے طوفان میں گھر کر پایہ تکمیل تک پہنچا ہے۔ یہاں تک کہ کام کا آغاز کرنے والے بھی جیسا کہ محمد علی نے کیا بسا اوقات ہمت ہار بیٹھے۔

لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

رات کو آرام کرنے کے بعد جب میں تجربہ گاہ میں گیا تو وہاں میری تخلیق کردہ مخلوق نہیں تھی۔ جن رسیوں سے اسے جکڑا اور باندھا گیا تھا وہ میز کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔ فرش پر تجربہ گاہ کی مختلف دوائیں الٹ دی گئی تھیں کھڑکی کے شیشے توڑ کر اسے کھولا جاچکا تھا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے اور مخلوق کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا وہ آزادی حاصل کرکے میری حویلی سے جاچکا تھا۔

میں ایک بار پھر محمد علی کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ "وہ چلی گئی۔" میں نے بتایا۔ "میں نے ہر جگہ اسے تلاش کرلیا نہ محل میں اس کا کوئی پتہ ہے اور نہ قرب و جوار میں۔"

اس کے چہرے سے عجیب سے اطمینان اور بے اطمینانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہمیں چاہیئے کہ دیہات کے لوگوں کو آگاہ کرکے اس کی خوب اچھی طرح تلاش کرائی جائے۔"

"نہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو میری اس دریافت کے بارے میں کانوں کان خبر ہوسکے۔ بس ہم دونوں مل جل کر اسے آسانی کے ساتھ تلاش کریں گے۔ ہم دیہاتیوں سے زیادہ اپنی مخلوق سے واقف ہیں اور اس کے کہیں دور جانے سے قبل ہمیں اسے تلاش کرلینا چاہیئے۔ اگر وہ گھنے جنگلات میں چلی گئی تو ہم اسے کبھی نہیں پاسکیں گے۔"

اس نے مجھ سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ہم دونوں فوراً اس کی تلاش میں نکل گئے۔ تقریباً نصف گھنٹہ گزر گیا اور ہمیں کوئی پتہ نشان نہ مل سکا۔ اگر ہم لوگ اسے تلاش نہ کرسکے تو دوسرے لوگ اسے پائیں گے اور یہ راز زیادہ عرصہ تک راز نہ رہ سکے گا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ میری مخلوق لوگوں کے لئے نقصان کا باعث بن جائے اور اپنے زخمی دماغ کی وجہ سے سوچے سمجھے بغیر لوگوں کو نقصان پہنچانا شروع کردے۔

چشمے کے پاس ایک گرے ہوئے تنے سے ٹیک لگائے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ محمد علی دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ "کون.......... کون ہو تم.......... کیوں پریشان کر رہے ہو ایک اندھے کو۔" محمد علی نے کہا۔

"ڈرو نہیں مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

"میرا پوتا کہاں ہے؟" اس کی لرزتی ہوئی انگلیوں نے محمد علی کو پکڑ لیا۔

"تمہارا پوتا؟"

"ہاں.......... وہ مجھے یہاں دھوپ میں بٹھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ راستہ بھول گیا ہے.......... کئی گھنٹوں سے اس کا کوئی پتہ نہیں.......... میں یہاں پریشان بیٹھا ہوں۔"

"تم یہیں بڑے میاں کے پاس ٹھہرو۔" محمد علی نے مجھے حکم دیا حالانکہ اسے حکم دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ چلا گیا تو بوڑھے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بتایا کہ اس کا پوتا اسے چہل قدمی کرانے کے لئے لاتا ہے۔ بہت ہی پیارا اور سعادت مند بچہ ہے عمر زیادہ سے زیادہ سال ہوگی آج بھی وہ اسے سیر کرانے لایا تھا لیکن ہم دونوں کی پشت پر بھاری بھاری قدموں کی آواز بھی آرہی تھی۔ بچے نے بتایا کہ اسے کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا وہ اسے یہاں بٹھا کر یہ پتہ کرنے چلا گیا کہ کس کی آواز آرہی ہے۔ بوڑھے نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے پوتے کے جاتے ہی اس کے قریب کوئی چیز آکر کھڑی ہوگئی ہے اور لمبے لمبے سانس لے رہی ہے۔ یہ محسوس کرتے ہی اس نے اپنی لاٹھی ہوا میں چاروں طرف لہرائی اور اچانک کسی نے اس کی لاٹھی چھین لی اور دور پھینک دی اور پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔ بوڑھے کے خیال میں وہ کسی ملاح یا مسافر کی بھٹکی ہوئی بے چین روح تھی۔

"لیکن میرا پوتا کہاں ہے کہیں وہ اس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔"

اچانک محمد علی کی رائفل کی آواز گونجی بوڑھا لرز کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور اسے دلاسہ دے کر اس طرف بھاگا جدھر سے فائر کی آواز آئی تھی۔

محمد علی اپنی رائفل تانے ہوئے کھڑا تھا۔ "میں نے اسے ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"کیا اس پر گولی چلانا ضروری تھا۔"

"بے حد ضروری۔ اب میں زیادہ دیر اسے برداشت نہیں کرسکتا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم لوگ اسے نقصان پہنچائے بغیر حویلی تک لے چلیں۔"

"گاؤں میں لوگ اِدھر اُدھر اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہوں گے۔ اگر انہوں نے پوچھا تو تم کیا بتاؤ گے اس کے متعلق؟" میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا سوال پریشان کن تھا اور میں پہلے ہی پریشان ہونے کے باعث اپنی پریشانیوں میں اور زیادہ اضافہ کرنا نہیں چاہتا تھا اور تب ہی اچانک وہ مخلوق ہمیں نظر آگئی۔

ایک چھوٹا سا بچہ جس کے ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکری تھی چشمہ کے کنارے اگے ہوئے جنگلی بیر اکٹھے کر رہا تھا اور اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے پیچھے ایک خوفناک مخلوق موجود ہے۔

محمد علی نے اپنی رائفل تان لی میں نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا

کہ میں اپنی مخلوق کو اپنے سامنے تباہ ہوتا ہوا دیکھوں۔

عین اس وقت وہ مخلوق بچے کی طرف لپکی اور اس نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ بچہ چلایا۔ "دادا۔ دادا" اس کے پھلوں کی ٹوکری دور جا گری اور ہمارے دیکھتے دیکھتے۔ مخلوق نے بچے کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اسے اس طرح چیر کر دو حصوں میں تقسیم کردیا جیسے وہ کاغذ کا کوئی معمولی سا پرزہ ہو۔

میں بچے کو بچانے کے لئے دوڑا لیکن میرا دوڑنا فضول تھا۔ میں پہلے ہی بچے کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا اور اس وقت محمد علی کی رائفل سے گولی نکلی۔ وہ بڑا نشانہ باز تھا اس کی گولی سیدھی مخلوق کے ماتھے میں لگی اور مخلوق لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑی اور اس نے دم توڑ دیا۔ میں نے غصے کے ساتھ محمد علی کی طرف دیکھا۔

"ظالم یہ تُونے کیا کیا؟" جواب میں اس نے مجھے گھورا اور بچے کی لاش کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا تم اتنے سنگدل ہوگئے ہو کہ معصوم بچے کی موت سے زیادہ ایک پاگل شخص کی موت پر رنج کررہے ہو۔ چلو ہم ان دونوں لاشوں کو یہاں دبا دیں اور خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں کم از کم مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ بوڑھے کو یہ بتا سکوں کہ اس کا معصوم پوتا..........."

اس کی آواز بھرا گئی جس کے باعث وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کرسکا۔

ہم نے دو گڑھے کھود کر ان میں دونوں لاشوں کو دبا دیا اور گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

میری زندگی ایک دوراہے پر پہنچ گئی تھی۔ بہت سے لوگ ان حالات میں اپنی تحقیقات اور اپنے تجربات کو چھوڑ دیتے لیکن میں ابھی تک اس بات کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ اتنی کامیابی حاصل کرلینے کے بعد میں پیچھے ہٹ جاؤں۔ چنانچہ اسی روز میں اس جگہ کی تلاش میں گیا جہاں ہم لوگوں نے اپنی مخلوق کو دفن کردیا تھا۔ اندھیرے کے باعث وہ جگہ تلاش کرنے میں تھوڑی سی پریشانی ہوئی لیکن بالآخر میں نے اسے پا ہی لیا۔

تجربہ گاہ میں میز پر اس کی لاش کو لٹاتے ہوئے میں نے کہا۔ "میں تمہیں ایک بار پھر زندہ کرلوں گا۔"

اس زمانے میں، میں نے یہ طے کیا کہ اب مجھے ثمینہ سے شادی کرلینی چاہئے۔ یہ

اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنے ہی گھر میں اجنبیوں جیسی زندگی گزارے اس کے، مجھے اپنے تجربات کی تکمیل کے لئے ایک معاون کی بھی ضرورت تھی۔ محمد علی ـ توقع کرنا فضول تھا کہ وہ میری کچھ مدد کر سکے گا۔

ایک رات کو میں اپنی مخلوق کے دماغ کا آپریشن کرکے لیبارٹری سے باہر نکا تھا کہ نادیہ کو اپنا منتظر پایا۔

"کیا یہ بات درست ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کون سی بات؟"

"تمہاری شادی ہو رہی ہے.......... ثمینہ کے ساتھ۔" اس کی بے ہودگ سے برداشت نہ کی جاسکی۔

"اپنی حیثیت کو مت بھولو نادیہ۔"

"میں ابھی تک نہیں بھول سکی ہوں کہ تم نے شادی کا وعدہ مجھ سے کر ہے۔"

"فضول بکواس کرتی ہو۔ میں نے آج تک ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا۔"

"کیا تم ان راتوں کو بھول گئے جب تم مجھ سے اپنے ہاتھ دبواتے تھے او کرتے تھے کہ میں تمہاری سب کچھ ہوں۔"

"بیوقوف لڑکی!" میں نے کہا۔ "تم یہ سمجھ بیٹھیں کہ مجھ جیسی عزت و تو مالک تم جیسی معمولی اور ناچیز ملازمہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"میں نے غلط سمجھا ہو یا صحیح مگر اب تمہیں مجھ سے شادی کرنا پڑے کیونکہ....... کیونکہ میں ماں بننے والی ہوں۔ تمہارے بچے کی ماں۔"

"مجھے باپ کی حیثیت سے کیوں منتخب کرتی ہو۔" میں نے کہا۔ "گاؤں کے دوسرے شخص کو کیوں نہیں چن لیتیں۔ تم جیسی آوارہ لڑکی کے بے شمار ایسے عا ہوں گے جن کے ساتھ تم نے اپنی راتیں گزاری ہیں۔" اس کی آنکھوں سے نفرت چنگاریاں نکلنے لگیں اور غصے سے پورا چہرہ تمتما اٹھا۔

"ثمینہ یہ تسلیم نہیں کرے گی کہ میری کوکھ میں کسی دیہاتی کا بچہ ہے۔" وہ بو "خصوصاً اس وقت جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ ہم دونوں کے تعلقات کیسے تھے۔ اسے تمہاری دوسری حرکتیں بھی بتاؤں گی۔ تم اپنی تجربہ گاہ میں لوگوں کو قتل کر رہتے ہو۔ اس وقت بھی وہاں ایک لاش موجود ہے۔ ثمینہ کو یہ سب معلومات ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ تمہاری شکل پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گی۔" وہ جانے کے لئے مڑی تو میں نے ے پکار کر کہا۔

"نادیہ! تم کل صبح تک یہ حویلی خالی کردو۔ تمہاری ملازمت ختم کی جاتی ہے سنا تم نے۔"

اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور حقارت کے ساتھ گھومتی ہوئی چل گئی۔

کھانے کے بعد میں نے ثمینہ کو بتایا کہ چند وجوہات کی بنا پر میں نے نادیہ کو لازمت سے علیحدہ کردیا ہے تو وہ خوش اور مطمئن نظر آنے لگی۔ نادیہ کا برتاؤ اس ے شروع ہی سے تحقیر آمیز تھا لیکن وہ اس کی بیہودگی کو برداشت کرنے کے لئے مجبور قی۔ تاوقتیکہ پوری حویلی کا انتظام اس کے اپنے ہاتھ میں نہ آجائے۔

اگلے روز سے میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں نے ایسے انتظامات کرلئے تھے کہ بغیر کسی معاونت کے سارے کام تن تنہا انجام دے سکتا تھا اور کئی مرتبہ پنی مشینوں کو چلا کر اطمینان کرچکا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس مرتبہ اپنی مخلوق کو بہت ہی آہستہ آہستہ زندہ کروں گا اور اگر ضروری ہوا تو اسے سدھا بھی لوں گا۔

میں نے اسے اسپرٹ کے تالاب سے نکال کر ایک کرسی پر بٹھا دیا اور چمڑے سے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مضبوطی کے ساتھ کرسی سے باندھ دیئے۔ احتیاط کے طور پر میں نے چاندی کی موٹھ کی ایک چھڑی بھی قریب ہی رکھ لی۔

سہ پہر تک میں مقناطیسی عمل سے فارغ ہوچکا تھا اور اب انتظار کر رہا تھا کہ وہ کوئی حرکت کرے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مزید انتظار کرنے کے بعد اس کے ہونٹ حرکت میں آگئے۔ وہ مڑے 'گھومے' اوپر نیچے ہوئے اور تب منہ سے ایک طویل بے معنی آواز نکلی۔ میں نے کہا۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر تم سمجھ رہے ہو تو اپنا سر ہلا دو۔" آہستہ سے اس نے اپنا سر ہلایا اس طرح جیسے کوئی شیر خوار بچہ ہو اور اس نے ابھی تک اپنے سر پر قابو نہ پایا ہو۔"

"تمہیں علم ہے کہ تم کہاں ہو؟"

ایک وقفے کے بعد اس نے زور زور سے سر ہلایا۔

"کیا تم آرام سے ہو؟"

اس مرتبہ اس نے نفی میں اپنا سر ہلانے کی کوشش کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کا سر گردن سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑے گا میں سمجھ گیا کہ وہ آرام سے نہیں ہے۔ چمڑے کی پٹیوں سے اسے تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے سوچا کہ اسے آزاد کرنے کا تھوڑا سا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔ ہوشیاری کے ساتھ چھڑی اپنے ہاتھ میں سنبھال کر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے چند لمحوں تک وہ کرسی پر بیٹھا ہوا جھومتا رہا۔ پھر شرابیوں کی طرح لہراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ باری باری اس طرح اوپر اٹھ رہے تھے جیسے سرکس کا کوئی مسخرہ رسی پر چلنے کی مشق کرتے ہوئے توازن درست رکھنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن وہ خوش تھا اور لڑکھڑاتا ہوا پورے کمرے میں چکر لگا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اسے ٹھہراؤں۔ چھڑی لے کر میں اس کے پاس پہنچا اور اسے ٹھہر جانے کا حکم دیا اس نے فوراً میرا کہنا مانا اور دیوار سے اپنی پیٹھ ٹکا کر ہانپنے لگا۔ اس نے کچھ کہنے کی بھی کوشش کی لیکن وہی بے معنی اور فضول سی آواز اس کے منہ سے نکلی۔ اگر دماغ کو دو مرتبہ مجروح نہ کیا گیا ہوتا تو آج یہ مخلوق میری سب سے عزیز ساتھی ہوتی بہرحال میں اسے سدھا سکتا تھا۔ شیر اور ہاتھی کو سدھایا جا سکتا ہے تو میں اسے کیوں نہیں سدھا سکتا۔

"میرے پاس آؤ لیکن آہستہ آہستہ۔" میں نے کہا۔

اس نے آگے ہاتھ بڑھا کر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنا شروع کیا قریب آ کر اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ پہلے پہل اس کی گرفت ایک بچے جیسی تھی پھر وہ مضبوط ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے بازو کو فولادی شکنجے سے کس دیا گیا ہو۔

"میرا بازو چھوڑ دو۔" میں نے اسے حکم دیا۔

ایک لمحے کے لئے وہ بالکل بے حس و حرکت ہو گیا پھر اس کی گرفت نرم ہوتی چلی گئی۔

یہ مناسب نہیں تھا کہ اس مخلوق کو اتنی آزادی کے ساتھ اس لیبارٹری میں نقل و حرکت کی اجازت دی جائے۔ میں نیچے سے بھینسوں کو باندھنے والی زنجیر لے آیا اور اس کا ایک سرا چھت کے کنڈے میں باندھ کر دوسرا اس کے پیر میں ڈال دیا اور ساتھ ہی ساتھ میں نے پیر کے سرے پر ایک مضبوط تالا بھی لگا دیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔

"ہاتھ نیچے کر لو۔"

"میرا حکم مانا گیا۔

"تھوڑا سا چل کر دکھاؤ۔"

وہ چلا جہاں تک زنجیر نے اسے چلنے کی اجازت دی۔

کافی وقت گزر چکا تھا۔ میں نے سوچا ثمینہ کھانے پر میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں نے مخلوق سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے جا رہا ہوں۔ خاموش بیٹھے رہنا۔ شور مت مچانا۔ کسی چیز کو توڑنے یا چھیڑنے کی کوشش نہ کرنا۔" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے مجھے ایک بات اور یاد آ گئی۔ "تم وہی کرو گے جس کا حکم تمہیں میری طرف سے ملے گا کسی دوسرے کا کہنا نہیں مانو گے سمجھے۔"

اس نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

"کوئی شخص یہاں نہیں آ سکتا۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اور جب تک میں یہاں واپس نہ آ جاؤں گا تم اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرو گے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص میری غیر موجودگی میں یہاں آ جائے تو تم اسے سزا دے سکتے ہو۔"

باہر نکل کر میں نے تالا لگا دیا۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ میں نے محسوس کیا کوئی شخص لیبارٹری کے آس پاس چھپا ہوا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ مجھے کسی کی موجودگی کا علم نہیں میں نے پوری حویلی کا ایک طویل چکر لگایا اور گھوم کر لیبارٹری کے دروازے کے پاس پہنچا تو اس کا تالا کھلا ہوا تھا۔

دبے دبے قدموں میں اندر چلا گیا اور ایک میز کی آڑ لے کر دیکھنے لگا۔ نادیہ لیبارٹری میں موجود تھی اور مخلوق کی بجائے اس پنجرے کو دیکھ رہی تھی جس میں چوہے تھے اور جن پر میں وقتاً فوقتاً مختلف تجربات کرتا رہتا تھا۔

ایک ہاتھ کا سایہ اس کی طرف بڑھتا معلوم ہوا۔

ٹھیک ہے نادیہ نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی ہے ملازمت سے علیحدگی کے بعد اسے میری حویلی میں ٹھہرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کے علاوہ میری تجربہ گاہ میں اس کا کیا کام؟ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

اچانک کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ میں سمجھ گیا کہ مخلوق کی غلطی سے اس کا ہاتھ نادیہ کی گردن کے بجائے کسی دوسری چیز پر پڑ گیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نادیہ تیزی سے پیچھے کی طرف گھوم گئی۔

ہلکی ہلکی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ خوف و دہشت سے لرز اٹھا ہے۔ اس نے اپنے منہ میں اپنا پنجہ ٹھونس لیا تاکہ چیخ نہ نکل سکے۔ دہشت کے عالم میں بھی اس نے احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔

مخلوق نے اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ پیر میں پڑی ہوئی زنجیر سے چھن چھناہٹ کی آواز نکلی۔ نادیہ سنبھل کر پیچھے کو ہٹ گئی اور دروازے کی طرف دوڑ پڑی لیکن میں اس سے پہلے دروازے کی طرف پہنچ گیا اور اندر سے زنجیر لگا کر میں نے اس میں فوراً تالا ڈال دیا۔

اب اس کی باقاعدہ چیخیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ میں وہاں موجود ہوں۔ اس لئے محتاط رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ پاگل ہو چکی تھی یہ تک نہ سمجھ سکی کہ زنجیر کے باعث مخلوق ایک مخصوص دائرے سے آگے نہیں جا سکتی۔ وہ اس طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی جیسے کوئی چوہا پنجرے میں پھنسنے کے بعد بھاگتا ہے.......... اچانک اس کی چیخیں تھم گئیں۔ میں نے ذرا سامنے آ کر دیکھا۔ بڑا حسین منظر تھا۔ مخلوق نے دونوں ہاتھوں سے اسے اپنے کندھے سے اوپر اٹھا رکھا تھا۔ پھر ایک چیخ اور بلند ہوئی۔ یہ آخری چیخ تھی کیونکہ مخلوق نے اچھال کر تالاب میں پھینک دیا تھا.......... یہ تالاب.......... میری خوش قسمتی اور نادیہ کی بد قسمتی سے گندھک کے تیزاب کا تالاب تھا۔

☆------☆------☆

مجھے ثمینہ کی ایک حرکت پر بڑا تعجب ہوا اس نے محمد علی کو اپنی شادی میں شریک ہونے کے لئے خط تحریر کیا تھا۔ محمد علی کا نیا پتہ اسے کیسے معلوم ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکا۔ البتہ محمد علی کا خط پڑھ کر اطمینان ہوا کہ اس نے شادی میں شرکت کرنے سے انکار کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ اگر کبھی ثمینہ کو اس کی مدد کی ضرورت پڑی تو وہ اس کی ہر ممکن مدد کرنا اپنا فرض سمجھے گا۔ آخر میں اس نے ہم دونوں کو مبارکباد دیتے ہوئے دعا دی تھی کہ یہ شادی صحیح معنوں میں خانہ آبادی ثابت ہو۔

"تم نے اسے خط کیوں لکھا؟" میں نے ثمینہ سے پوچھا۔

"وہ آپ کا بہترین دوست تھا۔"

"لیکن اب وہ میرا جانی دشمن ہے۔"

"مجھے علم نہیں تھا۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "میں اپنی غلطی کے لئے آپ سے معافی چاہتی ہوں۔"

میں اس بات کا قائل ہوں کہ کسی بات کا بتنگڑ بنانے سے معمولی سی چیز اہمیت حاصل کر لیتی ہے چنانچہ میں نے اس موضوع کو یہیں پر ختم کر دیا اور شادی کے دیگر انتظامات کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنی پسند کے زیورات بتائے تاکہ اس کا انتظام کیا جا سکے لیکن اس نے یہ کہہ کر میرا منہ بند کر دیا۔

"آپ کے اور آپ کی محبت کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ آپ مل گئے مجھے سب کچھ مل گیا۔"

اور اس طرح میرے ذہن میں اس کے خلاف جو شبہ از خود بیدار ہو گیا تھا وہ بھی از خود ختم ہو گیا۔ جب میں تجربہ گاہ کی طرف جانے لگا تو اس نے پوچھا۔

"کیا میں بھی آپ کے ساتھ جا سکتی ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی تمہیں وہاں لے چلوں گا اور کوئی بات بھی تم سے مخفی نہیں رہے گی۔ تم میری معاون کی حیثیت سے کام کرو گی اور ہم دونوں اپنے کارناموں سے تمام دنیا کو متحیر کر دیں گے۔"

"یہ وعدہ تو آپ پہلے بھی کر چکے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ پچھلے دنوں آپ نے جو اہم کام انجام دیا ہے وہ مجھے ضرور دکھائیں گے۔"

"افسوس کہ میں مکمل طور پر اپنے کام کو سرانجام نہیں دے سکا جونہی اس کام کی تکمیل ہو جائے گی میں تمہیں ضرور اس سے آگاہ کروں گا۔"

"اگر محمد علی یہاں ہوتا کیا آپ اسے اپنا موجودہ کام دکھا دیتے۔"

"ہاں۔" میں نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا۔ "کیونکہ وہ اس کام کے تکنیکی پس منظر کو سمجھتا ہے اور ابتداء سے وہ میرے ساتھ اس کام میں شریک رہا ہے۔"

"پھر کیا وجہ ہے کہ اس نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔"

وہ بات کو ایسا موڑ دے رہی تھی جس کے لئے میں تیار نہیں تھا۔ "تمہیں ہر بات معلوم ہو جائے گی تھوڑا سا انتظار کر لو۔ بس تھوڑا سا انتظار۔"

"لیکن شادی سے پہلے میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مجھے ڈرایا گیا ہے اور ایک عورت کی حیثیت سے میں یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں کہ آپ کے کام میں میرے یا آپ کے لئے کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔"

میں کوئی مناسب جواب دے کر اسے مطمئن کرنا چاہتا تھا کہ سامنے سے محمد علی ہوا دکھائی دیا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کا خط موصول ہوا تھا کہ وہ ہ شادی میں شرکت کرنے سے قاصر ہے۔

"میں نے سوچا کہ زبانی مبارک باد دے آؤں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔" ثمینہ نے مسر اظہار کرتے ہوئے اسے بتایا۔ "یہ کہہ رہے تھے کہ آپ سے ملنے کے لئے بہت چین ہیں کیونکہ انہوں نے کوئی نیا تجربہ کیا ہے اور اسے آپ کو دکھانا چاہتے ہیں اس کی تکنیکی پس منظر کی روشنی میں آپ مدد کر سکیں گے۔" محمد علی نے میری ط سنجیدہ لیکن چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کیوں آصف علی؟"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ "تجربہ گاہ میں چلو اور خود دیکھ لو ثمینہ نے احتجاج کیا۔

"یہ کیا بات ہوئی کہ آتے ہی چل دیئے۔"

"ہم لوگوں کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "بس چند لمح میں ہی واپس آجائیں گے۔"

لیبارٹری میں پہنچ کر میں نے اندر سے تالا لگا دیا۔

"ابھی تک تالا لگاتے ہو۔" محمد علی نے پوچھا۔ "کیا تالا لگانا ضروری ہے۔"

"تم خود ہی دیکھ لو۔"

اور واقعی اس نے مخلوق کی طرف دیکھا جو کونے میں بیٹھی فرش کی طرف رہی تھی۔ جب اسے ہماری آمد کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے اپنا چہرہ ہما طرف گھمایا۔

محمد علی بے وقوفوں کی طرح اپنی جگہ پر ساکت و جامد کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ " تبصرہ نہیں کرو گے۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میری گولی سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"نہ صرف نقصان پہنچا بلکہ اس نے ہمارے ہی سامنے دم توڑ دیا تھا کیا بھول کہ ہم دونوں اسے گڑھے میں دبا کر آئے تھے لیکن میں نے اسے دوبارہ زندہ کر لیا اسے پھر مار ڈالو میں اسے پھر زندہ کر لوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محمد علی مڑا اور دروازے کی طرف جانے لگا۔

"ٹھہرو۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں کچھ اور بھی دکھانے والا ہوں۔"

"نہیں۔ میں بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔"

"میں کہتا ہوں ٹھہر جاؤ۔" میں نے غصے سے کہا۔

میرے لہجے میں کرختگی کو محسوس کر کے وہ ٹھہر گیا۔ اس کے چہرے سے وحشت ف عیاں تھی۔ میں اپنی مخلوق کے پاس گیا۔

"اٹھ جاؤ۔" تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب ادھر آؤ۔" وہ میری طرف آئی اور مجھ سے چند انچ کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے کچھ دیر سوچا اور تب اچانک اپنے گھٹنے موڑے بغیر زمین پر پ سے بیٹھ گئی۔

"کیا تمہاری یہ مخلوق مافوق الفطرت ذہانت کی مالک ہے۔" محمد علی نے پوچھا۔ ب وہ اس کی حرکات میں دلچسپی لے رہا تھا۔ "تم جس مکمل ترین انسان کی تخلیق نے کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ یہی ہے۔ یہ جانور' ذرا اس سے طبیعات کے ارتقاء کے ے میں کچھ معلوم کر کے بتاؤ اس کے پاس ملک کے مشہور حکیم اور سائنسدان کا غ ہے۔ یہ یقیناً ہمیں اس کے متعلق تفصیل سے بتا سکے گی۔"

میں نے اس کے طنزیہ جملے کی چبھن محسوس کی۔ جملے تھے یا زہر میں بجھے ہوئے تیر براہ راست میرے سینے میں اترتے چلے گئے۔

"تمہیں علم ہے کہ یہ اس طرح کیوں ہے۔ اس کی حرکات بچوں جیسی کیوں ہیں۔ ں اس کی ہر حرکت میں اپنی کارگزاری نظر آئے گی محمد علی............ اس کی ائش میں ہم دونوں نے اپنا اپنا حق ادا کیا ہے............ میں نے اسے نئے نئے اعضا یئے۔ اس کے سر میں دنیا کا مانا ہوا دماغ رکھا............ لیکن تم نے اسے تباہ کر دیا۔ ۔ بار زمین پر گرا کر اور دوسری بار اپنی گولی کے ذریعے............ یہ تمہاری غلطی ،............ سمجھ رہے ہو............ تم نے اپنی بیوقوفی اور نادانی سے ایک اچھے دماغ ضائع کر دیا ہے۔"

"ہاں میں سب سمجھ رہا ہوں۔"

"لیکن اب تم مجھے روک نہیں سکتے۔ تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے کہ میں اپنے کام ، باز آجاؤں۔ میں اپنی مخلوق کے لئے کسی دوسرے دماغ کا انتظام کروں گا اور اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناکام ہو گیا تو کسی اور دماغ کا۔"

"نہیں آصف علی نہیں۔" وہ تقریباً چیخ اٹھا۔

"اور ضرورت پڑی تو ایک اور دماغ.......... پھر ایک اور دماغ.......... پھر ایک.........."

"نہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف لپکا۔

میں نے تالا کھول کر باہر نکلنے میں اس کی مدد کی۔ باہر نکل کر اس نے مجھے دھکا دے کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن میں نے اسے پوری طاقت سے پکڑ لیا۔

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔

"اب تک تمہاری اور ثمینہ کی خاطر میں نے اپنی زبان بند رکھی ہے لیکن اب میں پولیس کے پاس جاؤں گا ان لوگوں کو بتاؤں گا کہ ایک مردہ مخلوق پر تم ملک کے اچھے اچھے دماغ ضائع کر دینا چاہتے ہو۔ ہاں اب وقت آ گیا ہے کہ تمہارے کارناموں کا انعام پھانسی کی صورت میں تمہیں ملے۔"

اس نے ایک بار پھر مجھے دھکا دیا میں سامنے پڑی ہوئی بنچ سے ٹکرا گیا اور کولہے میں تھوڑی سی چوٹ آ گئی۔ مگر میں نے اسے مہلت نہیں دی۔ لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ وہ آگے آگے تھا اور میں پیچھے پیچھے۔

کہاں جا رہے ہو تم دونوں۔" ثمینہ نے ہال سے باہر آ کر ہم سے دریافت کیا۔

"کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔"

مگر اس کا سوال ہوا ہی میں ڈوب کر رہ گیا ہم دونوں میں سے کسی کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اسے مطمئن کر سکیں۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر میں نے اسے دبوچ ہی لیا۔

"آخر تمہیں پولیس کے پاس جانے سے کیا فائدہ ہو گا۔ میرے تجربات میں تمہارا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا میرا۔"

"مہینوں سے میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔"

"لیکن شروع شروع کی ذمے داری سے تم ہرگز بری الذمہ نہیں ہو سکتے اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ مجھے تباہ کر کے تم ثمینہ کو حاصل کر لو گے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم غلطی پر ہو۔ ہم دونوں بیک وقت پھانسی کے تختے پر چڑھیں گے۔"

شام کی تاریکی میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگانا بے حد مشکل

تھا۔ تاہم اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں ثمینہ کو بچانے کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔ میں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ اسے تم سے چھین لوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری طرح میں بھی کمینہ خصلت۔"

"تم ثمینہ کو بچانا چاہتے ہو۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "مگر تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے۔ ہم دونوں کو پولیس کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ مت سمجھو کہ میں ساری ذمے داری اپنے کاندھوں پر لے لوں گا اور تمہیں ثمینہ کو حاصل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دوں گا۔ ہمارے بعد ذرا سوچو کہ ثمینہ کا کیا حشر ہو گا۔ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ جا سکے کوئی ایسا شخص نہیں جو اسے سہارا دے سکے۔ دنیا والے اس پر الزام دھریں گے۔ بہت سے لوگ ہمارے جرائم میں اسے بھی شریک کار ٹھہرائے بغیر نہیں مانیں گے۔"

"تم مجھے دھوکا دے کر روکنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"نہیں۔ پولیس آئے گی تو اس کی نظروں سے کوئی خبر چھپی نہ رہ سکے گی۔ وہ لوگ ہر چیز کا جائزہ لیں گے گھر کے ایک ایک کونے میں جائیں گے اور خاص طور پر ہماری تجربہ گاہ.........."

تجربہ گاہ کا نام آتے ہی ہم دونوں کو کچھ یاد آ گیا۔

"باہر آتے وقت۔"

"ہم لوگ تجربہ گاہ کو تو کھلا ہوا ہی چھوڑ آئے ہیں۔"

"مگر ثمینہ وہاں نہیں جائے گی۔"

"کیوں نہیں جائے گی۔" اس نے پوچھا۔ "اس کا تجسس اسے وہاں لے جائے گا۔"

ثمینہ نے ہم لوگوں کا پیچھا نہیں کیا دروازہ کھلا ہوا تھا' کوئی اسے روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں تھا۔ ہم دونوں تیزی سے اندر داخل ہوئے ایک سایہ ہاتھ میں لالٹین لئے ہوئے ہماری لیبارٹری میں داخل ہو رہا تھا۔

"ثمینہ.......... ثمینہ.........." میں نے آواز دی۔ محمد علی چلایا۔

"رک جاؤ ثمینہ.......... خدا کے لئے رک جاؤ۔"

لیکن سایہ تجربہ گاہ میں داخل ہو گیا۔ ہماری آوازیں اس تک یا تو پہنچی نہیں یا اس نے خود ہی ان پر دھیان دینا مناسب نہیں سمجھا۔ ہم دونوں بھاگتے ہوئے تجربہ گاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں داخل ہوئے۔

لیکن دیر ہو چکی تھی ثمینہ میری مخلوق کے پاس بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مخلوق کے ہاتھ میں لالٹین تھی جسے وہ جھلا رہی تھی۔

"لالٹین کو نیچے پھینک دو۔" میں نے چلا کر کہا۔

مخلوق نے میرے حکم پر فوراً عمل کیا اور جھولتی ہوئی لالٹین کو ایک دم سے چھوڑ دیا۔ وہ اڑتی ہوئی تالاب میں گری۔ اسپرٹ کے تالاب میں۔ اگلے ہی لمحے ہر طرف آگ پھیل گئی۔

میں محمد علی کا ہاتھ پکڑ کر باہر دوڑا۔

جانے کو تو وہ میرے ساتھ باہر چلا گیا۔ مگر باہر پہنچ کر اس نے اپنا بازو میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔

"میں آ رہا ہوں۔ ثمینہ میں آ رہا ہوں۔" وہ پاگلوں کی طرح چیختا چلاتا ہوا دوبارہ تجربہ گاہ میں گھس گیا۔ میرے لئے وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ آگ تیزی کے ساتھ پوری حویلی میں پھیل رہی تھی اس لئے میں حویلی سے باہر نکل گیا۔

"پورے گاؤں والوں نے مسلسل چوبیس گھنٹے کی جدوجہد کے بعد آگ بجھائی حویلی سے کچھ بھی دستیاب نہ ہوا لوگ آتے ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے میرا سب کچھ لٹ گیا۔ ختم ہو گیا۔ جل بھن گیا۔

"میرا خیال ہے کہ ان کا کہنا درست ہے کیونکہ میری لیبارٹری اور اس لیبارٹری میں موجود میری تخلیق کی ہوئی مخلوق کا ختم ہو جانا میرا سب سے بڑا نقصان ہے کون جانے یہ نقصان کبھی پورا ہو سکے گا یا نہیں۔ آہ شاید کبھی نہیں۔"

"یہ بھی نہیں ہے۔" چمپا کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ "میرے ساتھ۔" چمپا پھر بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ایک عجیب سی بات تھی ایک انوکھا عمل تھا۔ چمپا نے دوبارہ دھوکا کھایا تھا۔ ایک پُراسرار روح بھی دھوکا کھاتی ہے آخر کیوں۔

چمپا مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک اجنبی جگہ پہنچ گئی۔ یہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے، تاحد نگاہ ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں نے کہا۔ "چمپا یہ کون سی جگہ ہے؟"

"شانتی بھون۔"

"یعنی سکون گاہ۔"

"یہ تو بھگوان ہی جانے، منش کے لئے کہیں شانتی ہے یا نہیں کیا کہا جا سکتا ہے۔" چمپا نے مایوس لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا چمپا کہ میں تمہیں جانتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہتا ہوں تم نے حقیقتاً مجھ پر بہت احسانات کئے ہیں لیکن ہم اب بھی ایک دوسرے سے اجنبی ہیں۔"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو یہ بتاؤ؟"

"بس ایک پُراسرار وجود۔"

"زندہ، یا مردہ۔"

"یہ میں نہیں کہہ سکتا۔"

"تو میں تمہیں اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ میں مردہ نہیں ہوں لیکن مجھے زندہ بھی نہ سمجھو، بس ایک زندہ لاش کہہ سکتے ہو مجھے۔ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہوں میں۔ ایک مختصر مدت میں، اگر میں سات کالے چراغ روغن نہ کر سکی تو........... تو جیتی نہ رہوں گی تم یقین کرو شعبان میں کسی اور مقصد سے تمہارے سامنے نہیں آئی تھی۔ میرا یہ کام تمہیں ہی کرنا تھا اور تم ہی مجھے میری منزل تک پہنچا سکتے ہو۔

"تعجب ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"میں خود کو ایک ناکارہ وجود سمجھتا ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ میں بھی کسی کے کام آ سکتا ہوں۔ میری اس بات پر چمپا دیر تک کچھ نہ بولی تو میں نے کہا۔ "ویسے مجھے ایک بات پر حیرت ہے چمپا!"

"کون سی۔"

"یہ دو افراد جنہوں نے ہمیں اپنی کہانی سنائی، غلط لوگ کیسے نکل آئے؟" چمپا نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"شعبان میں کچھ دن کے لئے تم سے دور ہو رہی ہوں۔ میرے پیچھے اپنا خیال رکھنا۔"

"کہاں جا رہی ہو؟"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں؟"

"مجبوری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اپنا خیال رکھو گے نا۔"

"کیوں نہیں۔"

"زیادہ عرصہ نہیں لگے گا مجھے واپس آنے میں اور سنو' مجھ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش مت کرنا تم اس میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

"ٹھیک ہے چمپا کون اپنی زندگی میں بہتری کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے مجھے زندگی کی بہت سی آسائشوں سے روشناس کرایا ہے لیکن نہ جانے کیوں چمپا میری روح میں ایک تشنگی سی باقی رہ گئی ہے۔ میں کیا چاہتا ہوں یہ میں نہیں جانتا۔"

"سمے اپنے اندر سنسار کا ہر راز چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور جب ہم کسی راز کی کھوج میں ناکام رہتے ہیں تو پھر سمے کا انتظار کرتے ہیں۔ تم بھی ایسا ہی کرو شعبان! وقت تمہیں ضرور یہ موقع دے گا کہ تم اپنے من کی آشا جان سکو۔" اس نے کہا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر وہ چلی گئی میں یہ سوچنے لگا کہ ظاہر ہے وہ ایک پُراسرار وجود ہے اور ضروری نہیں ہے کہ میں صرف چمپا کے سہارے زندہ رہوں لیکن ابھی یہ سب کچھ بہت ضروری تھا ابھی مجھے اس پر بھروسہ کرنا تھا کیا عجیب و غریب زندگی تھی میری۔ بستی علی جاہ کا ایک سرپھرا لڑکا جس کی زندگی میں کھیل کود کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور پھر اس کے بعد زندگی کے وہ راستے حاصل کرنے کی کوشش جو آسان ہوں۔ اس کوشش میں طرح طرح کے تجربات اس کے بعد اس بھیانک شخص کا مجھ تک پہنچنا بھی۔ وہ بدقماش سادھو جس کے بارے میں آج بھی سوچتا تھا تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کیا بات تھی اس کی بات مان لیتا تو زندگی میں عیش و عشرت کے دروازے کھل جاتے لیکن شاید خون اپنی حفاظت خود کرتا ہے۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں تھا لیکن میرے والد ایک نیک انسان تھے اور غالباً قدرت کی عنایات مجھ پر اسی لئے تھیں کہ میں ایک نیک انسان کا خون تھا۔ آج بھی اس بات پر خوش تھا کہ میں نے اس کمینے سادھو کی وہ مکروہ بات نہیں مانی لیکن فائدہ کیا ہوا۔ چمپا کے ہاتھوں شکار ہو کر ایک انسان کی زندگی لینے کا باعث بن گیا اور اس کے بعد ایک گھناؤنے عمل کا شکار۔ آہ یہ تو مناسب نہیں تھا یہ تو کسی طور مناسب نہیں تھا۔ وہ کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہو گیا تھا اور بہت ہی دردناک انداز میں ہوا تھا۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ میں ان سارے جھگڑوں میں پڑتا۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور میں بڑی پریشانی کی کیفیت کا شکار تھا کیا کرنا چاہئے مجھے صحیح بات یہ ہے کہ چمپا سے بھاگنا چاہتا تھا۔ اس کا جو موقف تھا وہ بڑا بھیانک تھا۔ وہ کم بخت جب اتنی قوتیں رکھتی ہے تو خود ہی اپنا عمل کیوں نہیں کر ڈالتی۔ اس نے مجھے اپنا آلہ کار کیوں بنایا ہوا ہے۔ پھر مجھے کالی چرن کا خیال آیا۔ قوتیں تو کالی چرن بھی رکھتا تھا اور اس کی پُراسرار قوتوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لیکن وہ بھی میرا سہارا لینے کے لئے مجبور تھا۔ اس نے مجھے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا۔ پتہ نہیں یہ سب کیا گورکھ دھندا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ ایک بار پھر فرار ہونے کی کوشش کروں لیکن ماضی کے واقعات سامنے آ گئے اور میں نے یہ مسئلہ ملتوی کر دیا۔ ہو سکتا ہے چمپا اب بھی میرے آس پاس ہی کہیں موجود ہو اور مجھ پر نگاہ رکھ رہی ہو۔ بہرحال میں اس کے لئے ایک اہم حیثیت کا حامل تھا اور وہ مجھے آزما سکتی تھی۔ تین دن اپنی اس قیام گاہ میں گزر گئے جو میں نے منتخب کی تھی۔ تیسری رات جب میں گہری نیند سو رہا تھا اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے قریب آ کر لیٹ گیا ہو لیکن یہ احساس بھی نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا ہوش و حواس نہ جانے کہاں رخصت ہو گئے تھے۔ میں نے کروٹ بدلی اور پھر میرے احساس نے ایک راز محسوس کیا۔ میں نے اپنے ہاتھ کے نیچے ایک نرم و گداز جسم کی گدگداہٹیں پائیں میرے حواس میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ ذہن سوئی ہوئی حالت میں تھا لیکن سارے وجود میں انگارے بھر گئے تھے۔ یہ نرم و گداز جسم میرے لئے ایک عجیب و غریب کیفیت کا حامل بن گیا اور وہ سارے احساسات جنہوں نے بعض اوقات مجھے نقصان پہنچایا تھا۔ جیسے گلنار کی قربت حاصل کرنے کی کوشش میں صورت حال گڑبڑ ہو گئی تھی۔ یا پھر جیسے روفی کا مسئلہ تھا۔ یہ ساری چیزیں میرے لئے ایک عجیب و غریب حالات کا حامل بن گئی تھیں۔ میں اپنے عمل میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن جس جن کو میں نے قابو کرنے کے لئے وظیفہ پڑھا تھا لیکن اس وقت یہ سب کچھ نہیں تھا۔ میں زندگی میں پہلی بار ان تمام امور سے آگاہ ہوا۔ جو انسان کی زندگی میں نمایاں حیثیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن میرا ذہن سوتا ہی رہا البتہ جب صبح کو میری آنکھ کھلی تو میں نے چمپا کو دوسری طرف مسہری پر نیم دراز دیکھا۔ اس کے جسم پر سفید لباس تھا اور وہ ابھی غسل کر کے دراز

ہوئی تھی کیونکہ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے۔ چہرے پر شگفتگی کی انتہا تھی اور وہ بہت ہی خوبصورت نظر آرہی تھی۔ میں حیران نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر مجھے رات کے واقعات کا خیال آیا تو ایک شدید سنسنی میرے وجود میں بیدار ہوگئی اور میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری مسہری پر جنبش محسوس کرکے چمپا نے بھی مجھے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی خمار کی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔

"اٹھو' ناشتہ منگواتی ہوں۔ تمہارے لئے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا آج نہ جانے کیوں چمپا مجھے بدلی بدلی لگ رہی تھی۔ میں اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اس نے پھر کہا۔

"جاؤ۔ غسل کرلو۔" میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر میں نے چمپا کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی اس نے کہا۔

"کیا بات ہے غسل خانے کا دروازہ تو اس طرف ہے۔"

"چمپا میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ناشتہ تو کرلو پہلے سوال بعد میں کرلینا۔ جاؤ نہالو اس کے بعد باتیں کریں گے۔" باہر آیا تو ناشتہ تیار تھا چمپا اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔

"چلو ناشتہ شروع کرو۔"

"چمپا تم رات کو کس وقت آئی تھیں۔"

"تم جو سوچ رہے ہو وہ ٹھیک ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔" چمپا کے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اب اس واقعہ کو اپنے اس عمل کو کیا نام دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ناشتے کے دوران میں بہت دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن چمپا.........."

"کچھ نہیں۔ اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہاں اگر تمہارے دل میں میرے لئے محبت جاگ اٹھے تو تم یہ سمجھ لینا کہ میں اس محبت کی پذیرائی کروں گی۔"

میں ناشتہ کرتا رہا۔ دل و دماغ کی دوہری کیفیت تھی۔ کیا عجیب و غریب بات ہے؟ پتہ نہیں اندر سے اتنا برا تھا یا نہیں لیکن باہر سے برائیوں کی دلدل میں غرق ہوتا جارہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اس بے چارے شریف آدمی کا قتل' چمپا کی قربت اور اس کے بعد یہ سب کچھ جو ہوگیا تھا کیا اس کے بعد مجھے گناہوں کی اس دلدل سے نکلنے کا کوئی موقع ملے گا۔ چمپا اپنے نام اور اپنے عمل کے ساتھ صاف ظاہر تھا کہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ اب اس کی ذات کے ساتھ جو بھی کہانی وابستہ تھی وہ ایک الگ بات تھی لیکن ویسے بھی وہ کسی بھی طور اس طرح نہیں تھی۔ میں دل میں سوچنے لگا کہ کیا میں ایک اچھا انسان ہوں کیا میرے ضمیر میں کوئی شرافت ہے اگر شرافت نہیں ہے تو پھر چمپا کے بارے میں اس طرح سے کیوں سوچ رہا ہوں اور اگر شرافت تھی تو گلنار وغیرہ اور رونی کا تصور میرے ذہن میں اس انداز میں کیوں آیا تھا۔ آہ میری یہ شخصیت دوہری کیوں ہوگئی ہے۔ کیا کروں خود اپنی ذات سے نالاں تھا۔ چمپا نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنی پریشانی' اتنی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ چلو چھوڑو ان تمام باتوں کو تیاریاں کرو۔ ہمیں سفر کرنا ہے۔" میں نے چمپا سے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ ہمیں یہ سفر کہاں تک کے لئے کرنا ہے۔ بہرحال کچھ اور تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ہم باہر آئے تو چمپا نے ایک خوبصورت کار کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"یہ تمہارے لئے ہے۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا لیکن پھر میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور چمپا کے کہنے پر کار کی چابی اس کے ہاتھ سے لے لی اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ چمپا میرے برابر آکر بیٹھ گئی تھی۔

"کہاں چلوں؟"

"چلو گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھو۔" وہ بولی۔ میں نے اس کے لہجے میں ایک سرد سی کیفیت محسوس کی تھی۔ بہرحال میں گاڑی دوڑانے لگا۔ راستے میں اس نے کہا۔

"آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے۔"

"چمپا کیا تم میری اس بات کی تصدیق کروگی کہ........... کہ۔"

"کتنی بار تصدیق کراؤ گے کہہ تو چکی ہوں کہ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔"

"مگر چمپا مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارا یہ پُراسرار وجود کیا کیفیت رکھتا ہے۔"

"کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ وقت آنے پر میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گی۔ فی الحال میرا ایک مقصد اور مؤقف ہے اور میں نے یہ بھی کہا تھا تم سے کہ

اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی بقا کے لئے سات کالے چراغ روشن کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو میری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا۔ بس اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ تمہیں میرا یہ کام کرنا ہے۔ جہاں تک رہا دوسرا معاملہ تو تم یہ سمجھو کہ میں تم پر دل ہار بیٹھی ہوں۔ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں اور رات کو جب میں تین چار دن کے بعد واپس آئی تو تم اس طرح سے سو رہے تھے کہ میرے دل میں تمہارے لئے پیار امنڈ آیا اور میں اپنے آپ پر قابو نہیں پاسکی۔ بس اس کے بعد جذبات بے قابو ہوگئے۔ اب اس سے زیادہ کچھ اور کہلوانا چاہتے ہو مجھ سے۔"

"بس صرف یہ چمپا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"بہت اچھا انجام ہوگا صرف آنے والے وقت کا انتظار کرو۔ میرے ساتھ تعاون کرو یہ بڑا ضروری ہے۔" ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد ہم جس شہر میں پہنچے وہ خاصا بڑا اور وسیع شہر تھا۔ چمپا کی پُراسرار قوتیں دنیا کا ہر کام کرسکتی تھیں۔ ایک خوبصورت سے چھوٹے سے مکان کے سامنے چمپا نے مجھے کار روکنے کے لئے کہا اور پھر مکان کا دروازہ ایک چوکیدار نے کھولا۔ اس نے بڑے ادب سے ہم دونوں کو سلام کیا تھا۔ کار پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد میں نیچے اترا تو چمپا میرا ہاتھ پکڑ کر مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس مکان کے ایک حسین ترین ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔

"یہ کس کا مکان ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہارا۔" چمپا بولی تو میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے اسے کہا۔

"چمپا! جو کچھ تم مجھے دیتی ہو۔ وہ چھن بھی تو جاتا ہے مجھ سے۔"

"صرف تمہاری حماقتوں سے۔ میرا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے تم وہاں سے بھاگے کیوں تھے۔"

"اپنی زندگی بچانے کے لئے۔"

"تمہاری زندگی بچانے کی ذمے داری اب میری ہے۔ بار بار تم سے کہنا پڑتا ہے یہ بات کیوں بھول جاتے ہو۔" وہ بولی۔ میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا تھا۔ بہرحال یہ مکان بھی کافی خوبصورت تھا۔ شاندار قیمتی کار باہر کھڑی ہوئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے پر چوکیدار بھی موجود تھا۔ زندگی میں ایسی آسائشوں کا بس خواب ہی دیکھا جاسکتا ہے لیکن ان خوابوں کی تعبیر مجھے چمپا نے دے دی تھی اور بات یہیں تک نہیں رہی' اس نے مجھے زندگی کی ان لذتوں سے آشنا کردیا تھا جو شاید وجود کی سب سے بڑی طلب ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے میں اس سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہوں لیکن دنیا کے قصے کہانیوں میں ایک عورت کا ذکر ہر جگہ نظر آتا ہے جو مرد کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہے۔ چمپا اس رات اس مکان میں میرے ساتھ تھی۔ وہ مجھ سے کہے بغیر کہیں چلی گئی تھی لیکن دوسرے دن صبح ہی صبح وہ میرے پاس موجود تھی ناشتہ میز پر لگا ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ کم ہی ناشتہ کرتی تھی۔ آج وہ میرے ساتھ موجود تھی اس نے کہا۔

"شام کو تمہیں اس کلب میں جانا ہے۔ یہ کارڈ میں نے تمہارے لئے حاصل کرلیا ہے ایک دو ملازموں کا بندوبست بھی کردیا ہے۔ حالانکہ ہم زیادہ لوگوں کے درمیان نہیں رہنا چاہتے لیکن بعض جگہ کچھ مجبوریاں بھی ہوا کرتی ہیں۔" یہ کارڈ ایک خوبصورت کلب کا تھا۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"لیکن چمپا۔"

"نہیں۔ تم پوری ہمت کے ساتھ اپنے آپ کو اس ماحول میں داخل کرو گے۔ یہ بڑا ضروری ہے۔" اس نے آخری لہجے میں یہ بات کہی تھی۔ چنانچہ میں گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ آخر کار شام کو پانچ بجے چمپا نے میرے لئے ایک سوٹ کا انتخاب کیا۔ میں درحقیقت گھبراہٹ کا شکار تھا لیکن چمپا مجھے برابر حوصلہ دیئے جارہی تھی اس نے کہا۔

"اگر کوئی مجبوری نہ ہوتی تو میں خود بھی تمہارا ساتھ دیتی لیکن یہ میرے مؤقف کی ایک اہم ترتیب ہے اور تمہیں اسی کے ساتھ ساتھ عمل کرنا ہے۔" جس کلب میں میں داخل ہوا اس کی عمارت ہی اس قدر دلفریب تھی کہ انسانی ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ آپڑتا تھا۔ بہرحال کارڈ دیکھ کر ایک ملازم نے ایک میز کی طرف میری رہنمائی کی اور میں ایک پتھریلے بت کی مانند اس میز کے گرد جابیٹھا۔ ویٹر نے میرے سامنے بہت سی چیزیں لاکر لگا دی تھیں سچی بات تو یہ ہے کہ میں تو ان کا استعمال بھی نہیں جانتا تھا۔ میں چمپا کی سرگوشیوں کا منتظر تھا کہ وہ مجھے گائیڈ کرے لیکن اس کا کہیں وجود نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک خوبصورت سی لڑکی میری میز پر پہنچ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" میں نے گھبرا کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"میرا نام مونالیزا ہے۔ پکاسو والی مونالیزا نہیں۔ میرا اپنا ایک وجود ہے والدین نے یہی نام رکھا تھا۔ غالباً پیدائش کے بعد میری مسکراہٹ نے انہیں مسحور کر دیا تھا۔"
وہ بولتی رہی اور میں حیرانی سے اسے دیکھتا رہا تب اس نے کہا۔

"اور تم شاید شوگان کے تراشے ہوئے مجسمے ہو۔ مجھے معاف کرنا میری طبیعت میں بہت زیادہ بے تکلفی ہے۔ بولو میں نے غلط تو نہیں کہا؟" بولنا ضروری تھا۔ اپنے آپ کو سنبھالنا بھی ضروری تھا ورنہ اس ماحول میں تماشہ بن جاتا۔ میں نے حلق صاف کر کے کہا۔

"نہیں میں ایک زندہ انسان ہوں۔"

"ہاں۔ اب یقین ہو گیا کیونکہ تم بولے ہو۔ میرا نام مونالیزا ہے اور تم مجھے بہت اچھے لگے ہو۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ انسانی وجود سے کچھ مخصوص لہریں اٹھتی ہیں اور اپنے محور کو تلاش کرتی ہیں اور اس کا محور اس جیسی لہروں کا مرکز ہوتا ہے۔ میں تو بس یہ سمجھتی ہوں کہ وہی مرکز تلاش کرتی ہوئی میں یہاں پہنچی ہوں۔ نام نہیں بتاؤ گے اپنا۔"

"شعبان۔"

"خوب۔ پتہ؟" میں نے ایک لمحے کے لئے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"نہیں۔ مجھ سے کوئی نقصان کبھی نہیں پہنچے گا تمہیں۔ اپنا تعارف کرائے دیتی ہوں ایک بہت بڑے باپ کی بیٹی ہوں۔ طبیعت میں انتشار ہے۔ شاید کسی کی تلاش میں ہوں۔ ہو سکتا ہے میری تلاش کا مرکز تم ہی ہو۔ اگر مجھے اپنا پتہ نہیں بتاؤ گے تو تعاقب کروں گی تمہارا اور پتہ چلا لوں گی اور اس کے بعد تم سے ملنے کی کوششیں کرتی رہوں گی۔ کیا سمجھے۔"

"نہیں مس لیزا میں تمہیں اپنا پتہ بتائے دیتا ہوں۔" تقریباً دو گھنٹے تک وہ میرے ساتھ رہی اور اس کے بعد وہ مجھ سے دوبارہ ملنے کے وعدے پر وہاں سے چلی گئی۔ میں بھی اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔ اپنی کار کے قریب پہنچا تو میں نے کار میں چمپا کو بیٹھے دیکھا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"نہیں بھلا تم سے دور کہاں رہ سکتی ہوں ڈیئر کہو کیسی لگی مونالیزا۔"

"مگر تم۔ تو کسی بھی صورت میں مجھے وہاں نظر نہیں آئیں تھیں۔"

"جانتے ہو وہ کون ہے۔" وہ بولی۔

"نہیں۔"

"ہمارا دوسرا شکار۔" چمپا نے جواب دیا اور میرے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی۔

☆=====☆======☆

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خود اپنی زندگی کا تجزیہ کرتا تو خود کو ایک بد کردار انسان کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے اب تک جو عمل کئے تھے ان پر غور کرتا تو مجھے احساس ہوتا تھا کہ میرے عمل سے میرے باپ کی روح کو سخت شرمندگی ہوتی ہوگی۔ کہاں وہ نیک دیندار انسان اور کہاں میں۔ حالانکہ میں بدی کے کسی خاص راستے پر سفر کرتا ہوا یہاں تک نہیں آیا تھا بس وقت نے راستوں کا تعین کیا تھا ان راستوں میں گم ہو گیا تھا۔ کردار ملتے گئے تھے اور راستے بنتے رہے تھے۔ ہاں ایک جذبہ ضرور حاوی رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر دولت حاصل کرنے کا جذبہ............ اس کے لئے پہلے نقلی فقیر بن کر بیٹھا۔ وہاں سے بھگایا گیا تو حیات علی مل گئے پھر کالی چرن اور آخر میں چمپا............ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی نہ ملتا تو شاید کام کا آدمی ہوتا۔ بھوک سے پیٹ خالی ہوتا تو محنت مزدوری کر کے پیٹ کا دوزخ بھرتا۔

ساری باتیں اپنی جگہ لیکن چمپا نے انسانی زندگی لینے کا جو کھیل شروع کیا تھا وہ میرے لئے ناقابل قبول تھا۔ ہو سکتا ہے باپ کی نیکیوں کی زندگی نے یہ احساس دلایا ہو............ ایک انسان میری وجہ سے زندگی سے محروم ہو گیا تھا اور اب مونالیزا۔

مونالیزا کا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ چمپا بولی۔ "چلو یہاں سے۔"

ایک پرسکون جگہ پہنچ کر ہم دونوں بیٹھ گئے تو میں نے چمپا سے کہا۔ "چمپا ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں پوچھو............" وہ بڑے موڈ میں بولی۔

"جن لوگوں کے خون سے تم یہ سات کالے چراغ روشن کرنا چاہتی ہو ان میں کوئی خاص بات ہے............؟"

"ہاں............!" وہ اطمینان سے بولی۔

"کیا............؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے ارے ارے.......... اتنا مشکل سوال تم نے اتنی آسانی سے پوچھ لیا.........."

"یہ مشکل سوال ہے۔"

"بے حد مشکل۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اس کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔"

"اور میری زندگی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"چمپا تم میرے بارے میں اتنا ضرور جانتی ہو کہ میں ایک نیک اور دیندار آدمی کا بیٹا ہوں۔ برائی میری ذات میں ہے میرے خون میں نہیں ہے۔"

"مطلب بتاؤ۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی زندگی لیتے ہوئے مجھے شدید ذہنی کرب سے گزرنا ہوتا ہے۔"

"تم ایسا کر چکے ہو۔" وہ بولی۔

"اور مجھے اس کا افسوس ہے۔"

"دیکھو۔ یہ میری بھی مجبوری ہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں کوئی گندی آتما نہیں ہوں میں بھی ایک جیتا جاگتا وجود ہوں۔ میرے پتا بالک رام ایک بڑے گیانی تھے۔ وہ انسانوں کے کام آیا کرتے تھے مجھے انہوں نے اپنے سارے علم سکھائے تھے اور میں بہت کچھ سیکھ چکی تھی لیکن ان میں کوئی ایسا علم نہیں تھا جو انسانوں کو نقصان پہنچاتا۔ پھر ایک گندا وجود ہمارے پاس آیا۔ وہ جس طرح ہمارے پاس آیا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصریوں سمجھ لو کہ ہم اس کے کالے جال میں پھنس گئے اور ایسی غلطیاں کر بیٹھے کہ ہماری ساری تپسیا بھنگ ہو گئی۔ پتھر سے جا گرے ہم لوگ اور پھر.......... اور پھر.........."

چمپا کی آواز بند ہو گئی.......... اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر وہ بولی۔

"بس اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاؤں گی میں تمہیں۔"

"ٹھیک ہے چمپا.......... اتنا تو بتا سکتی ہو کہ ان لوگوں نے بھی تمہیں کوئی نقصان

پہنچایا ہے جن کے خون سے تم سات چراغ روشن کر رہی ہو۔"

"ہر انسان اپنی غرض کا بندہ ہے۔ اس سنسار نے مجھ سے میرا جیون چھین لیا ہے۔ میں یا میرے پتا جی کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے پھر میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔"

"جن لوگوں کو میں تلاش کر رہی ہوں وہ اماوس کی رات کو گھور اندھیرے میں پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ میں ایسے سات انسانوں کو تلاش کر رہی ہوں۔ پہلے کے بارے میں تمہیں معلوم ہے دوسری مونالیزا ہے۔"

"اور وہ دو.......... جن کی کہانی ہم نے سنی؟"

"ان پر صرف شبہ تھا وہ ہمارے مطلب کے نہیں تھے۔"

"لیکن جن لوگوں کی قربانی دے کر تم کالے چراغ روشن کرنا چاہتی ہو وہ کسی طور تمہارے دشمن نہیں ہیں۔"

"ہاں!"

میں گردن جھٹک کر سوچ میں ڈوب گیا' پھر میں نے کہا۔ "لیکن یہ قتل ہے چمپا' بے گناہ انسانوں کا قتل۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو..........؟" وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی۔

"ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں چمپا۔"

"کیا..........؟"

"تم اپنی بقاء کے لئے ان لوگوں کی قربانی دے رہی ہو نا۔"

"جو چاہو سمجھو۔"

"بقول تمہارے اس گندے وجود کو فنا کرنے کے لئے۔"

"ہاں یہی بات ہے۔"

"تو پھر میری ایک پیش کش ہے تمہیں۔"

"بتاؤ کیا..........؟"

"مجھے اس گندے وجود کے متعلق بتاؤ' میں تمہارے لئے اس سے جنگ کروں گا۔" میں نے کہا۔ اس کے چہرے پر حقارت کے تاثرات پھیل گئے۔ پھر بولی۔

"تم صرف وہ کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں چمپا............ بے گناہ انسانوں کا قتل مجھے پسند نہیں۔ مونالیزا کے سلسلے میں تمہاری خواہش پوری نہیں کر سکوں گا۔"

"اوہ............ یہ بات ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی لیکن اس کے چہرے کے نقوش سے کبیدگی کا اظہار ہوتا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہنے کے بعد وہ بولی۔ "سوچ لو شابی۔"

"دیکھو، میرا مؤقف سمجھو، ہمارے پاس ایک گنجائش ہے ایک راستہ ہے۔ کیوں نہ ہم اس خوفناک وجود سے جنگ کریں جو تمہارا دشمن ہے اور جس سے جنگ کرنے کے لئے تم خود کو انسانی وجود کہہ رہی ہو۔"

چمپا کی آنکھیں جلنے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہی ہو، پھر اس نے کہا۔ "اصولی طور پر تمہیں میرا ساتھ دینا چاہئے میں نے اپنا سب کچھ تمہیں دے دیا ہے۔ میں تم سے صرف ضرورت کا رشتہ بھی رکھ سکتی تھی لیکن............ میں تم سے دل ہار بیٹھی، دیکھو یہ میری بھی زندگی موت کا سوال ہے۔ میرا ساتھ نہ چھوڑو۔"

"چمپا............ میں تمہارے ساتھ پوری زندگی گزار سکتا ہوں لیکن دیکھو، میں انسانوں کو قتل نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ ایک بے گناہ خون سے رنگے ہوئے ہیں، میں ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں مزید انسانوں کو قتل کروں............ اس کے بجائے تم مجھے اس گندے وجود کے بارے میں بتاؤ جو تمہارا دشمن ہے اور جس کی وجہ سے تم اس حال کو پہنچی ہو۔"

چمپا طنزیہ انداز میں ہنسی پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے شعبان۔ اس سنسار میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ آئندہ پوری طرح سوچ سمجھ کر کسی پر اعتبار کروں گی۔"

"سنو تو چمپا، کہاں جا رہی ہو میری بات تو سنو۔"

"اب بے کار ہے۔" وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رکی، پھر دروازے کے پاس رک کر بولی۔ "اس کا نام کالی چرن ہے۔ ایک مکروہ وجود جس کی ٹانگیں پتلی پتلی ہیں، بظاہر وہ معذور معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ سانپ سے زیادہ زہریلا، لومڑی سے زیادہ چالاک اور کالے علوم کا ماہر ہے............" یہ کہہ کر چمپا باہر نکل گئی لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا گلا دبوچ لیا ہو............ یہ نام سن کر میری

...بند ہو گئی تھی۔

کالی چرن۔ کالی چرن۔ ایک نام میرے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ پھر مجھے چمپا کا خیال ...ور میں باہر کی طرف دوڑا............ لیکن اب مجھے چمپا کا کوئی وجود نہیں ملا تھا۔

☆=====☆======☆

طبیعت پر شدید کھولت سوار ہو گئی تھی۔ ان واقعات نے ذہن کو نڈھال کر کے ...دیا تھا۔ بہت دیر تک چمپا کی اور اپنی گفتگو کے بارے میں سوچتا رہا نہ جانے کیوں ...ت پر ایک جھلاہٹ سی سوار ہو گئی تھی۔ شاید یہ جھلاہٹ اپنے آپ پر بھی تھی۔ کیا ...ی بتائی تھی میں نے اپنی اگر دنیا میں جینے کے لئے یہی ایک راستہ ہوتا ہے تو میں ...ا ہوں کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ اتنے سارے لوگ کیسے جی رہے ہیں۔ میری ...ان کی سوچ میں کیا فرق ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں تو مسلسل بھٹک رہا تھا۔ بات ...کاہلی کی تھی۔ ہمیشہ زندگی میں تن آسانی تلاش کی تھی۔ اگر جدوجہد اور محنت کرتا ...ید بستی علی جاہ سے ہی نکلنے کی ضرورت پیش نہ آتی آخر وہاں پر بھی تو بے شمار لوگ ...، مزدوری کر کے جی رہے تھے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بستی علی جاہ ایک پسماندہ ...تھی اور وہاں زندگی اس قدر محدود تھی کہ بس کنویں کے مینڈک کی طرح ایک ہی ...پر گھومتے رہو اور زندگی کا اختتام کر لو لیکن بستی علی جاہ کے رہنے والے کبھی اس ...ح سے سوچتے بھی نہیں ہوں گے۔ ان کی زندگی تو محدود ہوتی ہے، بس پیٹ بھر کر ...ل جائے تن ڈھکنے کے لئے کپڑا، ایک ہی جگہ ساری زندگی بسر کر دیں گے۔ کوئی ...ا بات نہیں تھی میرے لئے سب کچھ آنکھوں دیکھا تھا۔ بستی کا ماحول، بستی کے ...سب یاد تھے اور پھر اب جب کہ باہر کی دنیا سے اس قدر واقفیت حاصل ہو گئی ...تو ان لوگوں کی زندگی، ان کے رہن سہن اور ان کے جینے کے انداز سے ناواقفیت ...ا رہی تھی۔

بے شک وہ زندگی ایک محدود زندگی تھی لیکن اس کی سادگی بری تو نہیں تھی۔ ...عورت جو زندگی بھر کی ساتھی ہوتی ہے کچھ بچے جو بہرحال اس کائنات کا ایک ...ہوتے ہیں اور بس۔ نسلیں اسی طرح چلتی رہتی ہیں۔ میرے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ...ندگی کے حسین رموز سے آشنا تھا۔ گلنار پھر روفی اور اس کے بعد چمپا، اور نیلم یہ ...ے ہی کردار ایسے تھے مگر نہیں ان تینوں کی بات الگ ہے مگر نیلم ایسی جیتی جاگتی ...کا ایک حصہ تھی اور اس نے مجھ سے الفت کا اظہار بھی کیا تھا۔ میرے لئے ایثار بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا تھا اس نے نہ جانے کیوں نیلم میرے دل میں گھسنے لگی اور میں نے سوچا کہ اگر ہی کوئی ہستی مجھے مل جاتی تو بڑا ہی اچھا ہوتا۔ پھر وہ وقت گزرنے لگا۔ زندگی گزا کے تمام لوازمات چمپا نے یہاں اس گھر میں مہیا کر دیئے تھے اور حقیقت یہ ہے ک زندگی میں گزار رہا تھا وہ معمولی زندگی نہیں تھی۔ میں تو شاید اپنی کوششوں سے زندگی کا دس فیصد بھی اپنے لئے مہیا نہیں کر سکتا تھا جو اس وقت مجھے حاصل تھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زندگی کا یہ انداز برقرار رہے گا۔ کیا میں اسی طرح وعشرت کا جھولا جھولتا رہوں گا۔ کیا چمپا کبھی واپس نہیں آئے گی۔ وہ ناراض ہو تھی۔

غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا ایک دن، دو دن، تین دن، چار دن اور پھر پورا گزر گیا۔ اس دوران گھر کے کچن میں جو کچھ موجود تھا، کھاتا رہا تھا۔ باہر کی صو بھی نہیں دیکھی تھی بس باہر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ میرا ایک ط زندگی بن چکا تھا۔ کلب بھی جا چکا تھا۔ مونا لیزا بیچاری نہ جانے کون تھی لیکن بہر اس کی ذات سے کوئی گہرا راز وابستہ نہیں تھا۔ چمپا نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا مسئ ہے وہ صرف ایک پائیل لڑکی تھی۔ یعنی پاؤں کی طرف سے دنیا میں وجود میں آنے اور یہی اس کی زندگی کے لئے خطرہ بن گیا تھا۔ جبکہ کسی کے تصور میں بھی نہیں ہو ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔ پھر میں نے اپنے اوپر لعنت بھیجی اور کہا کہ زندگی کو جس تک دلچسپیوں سے دوچار کر سکتے ہو کرو اور جب یہ محسوس کرو کہ اب یہ زندگی ا بس کی چیز نہیں رہی ہے تو جگہ ہی چھوڑ دو۔ چنانچہ اس دن تیار ہو کر باہر نکلا۔ میں سوچا کہ اب مجھے انسانوں سے شناسائیاں پیدا کرنی چاہئیں تاکہ زندگی گزارنے کے مجھے بہتر حالات میسر ہو سکیں جنہیں میں نے مکمل طور پر اپنے ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ اور کار میں بیٹھ گیا۔ کافی دن سے گاڑی بند پڑی تھی اس لئے بیٹری بھی ڈاؤن ہ تھی بڑی مشکل سے کار اسٹارٹ ہوئی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ رواں د ہو گئی اور میں سڑک گردی کرتا رہا۔ تقریباً پورا دن ہی سڑکوں پر گزار دیا تھا پھر کو واپسی ہوئی۔ کھانا بھی باہر ایک ہوٹل میں ہی کھایا تھا۔ خاصا گھوما پھرا تھا اس طبیعت کو ایک ہلکی سی فرحت کا احساس ہوا تھا لیکن جو بیزاری سی دل پر طاری تھ ابھی تک دور نہیں ہوئی تھی۔ اپنے گھر میں داخل ہونے کے بعد میں نے لباس ت تبدیل کیا بستر پر لیٹ کر میں یہ سوچنے لگا کہ اگر چمپا نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب کچھ جو مجھے حاصل ہوا ہے چھن جائے اور میں سڑکوں پر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤں۔ ایسی صورت میں دل نے ایک بار پھر تجویز پیش کی کیوں نہ واپس بستی علی جاہ چلا جاؤں۔ اس سادہ سادہ اور معصوم معصوم ماحول میں جا کر محنت مزدوری کروں اور وہیں کی کسی معصوم دیہاتی دوشیزہ سے شادی کر لوں۔ زندگی کے یہ رنگ دیکھ لئے اب ایک بار پھر اسی رنگ میں واپس چلا جاؤں کیا ہی پرلطف بات ہوگی ایک اور خیال بھی دل میں آیا۔ اس سے پہلے کہ چمپا اپنی ان عنایات کو سمیٹ لے کیوں نہ یہ ساری چیزیں فروخت کر کے اس کی رقم حاصل کر لوں اور یہ رقم لے کر بستی علی جاہ چلا جاؤں۔

اپنی سوچوں میں گم تھا کہ کال بیل سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے چمپا واپس آگئی ہو۔ ورنہ اس جگہ اور کون آسکتا ہے۔ بالکل ہی غیر متوقع بات تھی۔ چمپا سے اب مجھے کوئی خاص رغبت نہیں رہی تھی حالانکہ اس نے مجھ سے محبتوں کا اظہار بھی کیا تھا اور یہ بات بھی مجھے اسی کی زبانی پتہ چلی تھی کہ وہ اس دنیا کی کوئی جیتی جاگتی مخلوق ہے اور کسی مشکل کا شکار ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو ظاہر ہے وہ بھی قابل توجہ تھی لیکن جو حالات پیش آچکے تھے اس کے بعد چمپا کے ساتھ وقت گزارنا انتہائی مشکل کام تھا کال بیل دوسری اور تیسری بار بجی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے پر پہنچ گیا۔ باہر اندھیرا چھایا ہوا تھا لیکن دروازے پر مجھے دو افراد نظر آئے۔ دونوں ہی بہت اسمارٹ اور بڑے اچھے لباس میں ملبوس تھے۔ آگے والا شخص لمبے تڑنگے قدوقامت کا مالک تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک انتہائی تیز چمک تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو سر۔"

"ہیلو فرمائیے۔"

"سر آپ سے تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں۔"

"جی جی۔"

"کیا آپ مجھے بیٹھنے کی دعوت نہیں دیں گے۔ بس تھوڑی دیر کے لئے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، تشریف لائیے۔" میں نے بادل نخواستہ کہا اور وہ شخص پیچھے مڑ کر بولا۔

"آؤ۔" پھر دونوں اندر داخل ہو گئے میں انہیں ڈرائنگ روم تک لے گیا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے ان سے اندر چلنے کو کہا اور وہ دونوں میرے ساتھ اندر آ گئے۔

"تشریف رکھئے فرمائیے۔"

"سر کسی شریف آدمی کے گھر اس طرح بغیر کسی پیشگی اطلاع کے داخل ہو جانا ایک غیر مناسب سی حرکت ہے لیکن بد قسمتی سے ہمارا کام ہی ایسا ہے۔ آپ براہ کرم یہ میرا کارڈ دیکھ لیجئے اس کے بعد آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔" اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر سامنے کیا۔ کارڈ میں وہ پولیس کی وردی میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے کارڈ پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اس دوران وہ کہنے لگا۔

"میں نے سادہ لباس میں اس لئے آنا پسند کیا کہ کسی معزز آدمی کے گھر پولیس کے اس طرح داخلے کو شک و شبے سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ سے مجھے کچھ معلومات درکار تھیں۔"

"جی فرمائیے۔" میں نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔ پولیس کے اس طرح اپنے گھر آنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کہنے لگا۔

"میرا نام انسپکٹر فرقان ہے کیا آپ مجھ سے اپنا تعارف کرانا پسند کریں گے۔"

"شعبان ہے میرا نام؟"

"اوہ اچھا۔ والد صاحب کا نام۔"

"رمضان۔"

"تعلق کہاں سے ہے۔"

"دیہاتی ہوں۔"

"دیہاتی ہونا کوئی شرمندگی کی بات نہیں ہے۔ آپ کے گاؤں کا نام کیا تھا؟"

"بستی علی جاہ۔"

"کوئی چھوٹا سا گاؤں معلوم ہوتا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کون سے علاقے میں ہے۔" میں نے اس علاقے کے بارے میں تفصیلات بتائیں تو وہ بولا۔

"آپ بستی علی جاہ سے کب تشریف لائے تھے۔"

"اب تو زمانہ گزر گیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس سے پہلے کہاں تھے آپ۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ والدین کے انتقال کے بعد بستی چھوڑ دی اور گھومتا پھرتا ں تک نکل آیا۔"

"میرا مطلب ہے یہاں آنے سے پہلے آپ کہاں تھے۔" میں نے بڑے اطمینان اس شہر کا نام لے دیا جہاں میں پہلے موجود تھا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ کی زبان سے یہ تمام سچائیاں سن کر محترم یہ مکان آپ کا ؟"

"جی۔"

"کتنے عرصے پہلے خریدا ہے آپ نے اسے؟"

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آفیسر۔"

"جی فرمائیے۔"

"یہ تفتیش کس سلسلے میں ہے؟"

"وہ میں آپ کو ذرا دیر سے بتاؤں گا۔ پہلے میں اپنا کام مکمل کر لوں۔" پولیس ر نے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"میرا مطلب ہے کتنے عرصے پہلے خریدا آپ نے یہ مکان۔"

"اندازاً تین چار مہینے ہو گئے ہیں۔"

"اس سے پہلے آپ اسی جگہ تھے جہاں کے بارے میں آپ نے بتایا۔"

"جی۔"

"وہاں آپ کیا کر رہے تھے۔"

"بس ایسے ہی اپنے لئے ایک ایسی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں زندگی بسر کر ں۔ بستی تو چھوڑ ہی دی تھی۔"

"ذریعہ آمدنی کیا ہے آپ کا؟"

"تھوڑی سی زمینیں ہیں بستی علی جاہ کے نواحات میں ہیں۔ انہی کی آمدنی آتی ۔"

"تھوڑی سی زمین کہہ رہے ہیں آپ جبکہ یہ مکان ہی آپ کا بہت قیمتی ہے۔"

"جی ہاں۔ جو اثاثے وہاں فروخت کئے تھے اس کی رقم میرے پاس موجود تھی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے میں نے یہ مکان خرید لیا۔"

"لیکن آپ اپنا ایک قیمتی مکان اس شہر میں چھوڑ آئے ہیں جہاں سے آپ آ ہیں۔"

"ہاں۔ میں اسے بیچنے کے بارے میں غور کرتا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اس شہر میں آپ کسی کے شناسا تھے۔"

"کوئی خاص نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ حسنی صاحب کو جانتے ہیں جن کے گھر کے سامنے آپ مکان تھا۔ آپ ان کے پڑوسی تھے۔" میرے دل میں ایک دم خوف کے بار گڑگڑائے۔ ایک عجیب سا احساس میرے دل و دماغ پر سوار ہو گیا۔ ایک پولیس آفی حسنی کا نام لے رہا ہے لیکن بہرحال اس سے انکار کرنا اب ممکن نہیں تھا کیونکہ ساری تفصیل تو خود بتا چکا تھا۔

"جی حسنی صاحب میرے پڑوسی تھے۔"

"حسنی صاحب کی ایک صاحبزادی نیلم بھی تھیں۔"

"جی..........جی۔" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اور نیلم کا ایک منگیتر بھی تھا۔"

"ہاں۔ شاید حسنی صاحب نے ایک بار خود ہی ایک احمد نامی نوجوان سے میر ملاقات کرائی تھی اور بتایا تھا کہ یہ ان کی بیٹی کا منگیتر ہے۔"

"مس نیلم سے آپ کے کیسے تعلقات تھے؟"

"میرے کچھ تعلقات نہیں تھے۔ بس وہ حسنی صاحب کی صاحبزادی تھیں میں ا حیثیت سے ان کا احترام کرتا تھا۔"

"خیر یہ بات کنفرم ہو گئی کہ آپ شعبان علی صاحب ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ایک صاحب کو اندر طلب کرلوں۔" میں نے بے بسی سے شانے ہلا دیئے۔ ظاہر ایک پولیس آفیسر کے سامنے اور کیا کہہ سکتا تھا۔ پولیس آفیسر نے اپنے ساتھ موج آدمی کو باہر بھیجا اور کچھ لمحوں کے بعد جو شخص اس کے پاس آیا اسے دیکھ کر میر اعصاب آہستہ آہستہ میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں نے حسنی صاحب کو صاف پہچان لیا تھ حسنی صاحب نے نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے۔

"یہی صاحب ہیں انسپکٹر۔ کیا انہوں نے اپنے آپ کو شعبان علی تسلیم

ہے۔"

"حسنی صاحب میں شعبان ہی ہوں۔ تسلیم نہ کرنے کا کیا سوال ہے۔" میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"یہ قاتل ہے انسپکٹر صاحب اس نے اس بچے کو قتل کیا ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔" حسنی صاحب نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"قتل' میں نے 'کس کا؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ حسنی صاحب۔" میں نے کہا۔

"اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو مسٹر شعبان! تم نے میرے ہٹ میں سمندر کے کنارے احمد کو قتل کیا ہے۔ میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات کہہ رہے ہیں آپ۔ بہت سنگین الزام لگا رہے ہیں آپ مجھ پر۔"

"وہ گھر۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ وہاں سے کیوں بھاگ آئے۔"

"کیا میرا گھر وہاں کھلا پڑا ہوا ہے۔ کیا وہاں ڈاکوؤں کا بسیرا ہو چکا ہے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں بھاگ آیا ہوں۔"

"بالکل بھاگ آئے ہو تم' انسپکٹر صاحب اس سے اس کا ڈرائیونگ لائسنس طلب کریں۔ ڈرائیونگ لائسنس پر یہ نیلے رنگ کی شرٹ اور سفید پرنٹڈ ٹائی میں ملبوس ہے۔ میرا مطلب ہے اس پر جو اس کی تصویر لگی ہوئی ہے وہ ڈرائیونگ لائسنس ہٹ میں لاش کے پاس ملا تھا اور میں نے اسے اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔"

"انسپکٹر صاحب ایک بڑا گھناؤنا الزام لگایا جا رہا ہے لیکن مجھے یہ احساس ہوتا ہے حسنی صاحب کسی مشکل کا شکار ہیں۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ یہ مشکل کیا ہے اور کیوں مجھے مجرم ثابت کرنا چاہتے ہیں جبکہ میرے دل میں تو ان کے لئے بڑا احترام میں اچانک وہاں سے چلا آیا یہ میرا بالکل ذاتی معاملہ ہے اور میرا خیال ہے یہ کوئی بات نہیں ہے جس سے مجھ پر قتل کا الزام ثابت کیا جاسکے۔ انسپکٹر صاحب اگر ایسا ڈرائیونگ لائسنس حسنی صاحب کے پاس موجود ہے تو کم از کم مجھے اس سے ضرور آگاہ کیا جانا چاہئے تھا۔"

"تم نے چالاکی سے وہ ڈرائیونگ لائسنس میرے پاس سے اڑا لیا ہے؟"

"کیا میرا قیام آپ کے گھر میں ہوا کرتا تھا؟" میں نے سوال کیا اور انسپکٹر

مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا پھر وہ بولا۔

"بڑی دلچسپ بات چیت ہو رہی ہے لیکن مجھے جو احکامات ملے ہیں ان کے تح میں آپ کو اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہوں لیکن براہ کرم کیا آپ اپنا ڈرائیو لائسنس دکھانا پسند کریں گے۔"

"میرے پاس ہے اور یہ ڈرائیونگ لائسنس اسی شہر کا بنا ہوا ہے۔" میں نے اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دراز سے ڈرائیونگ لائسنس نکال لیا۔ میں اپنے آپ کو بڑ مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رکھ رہا تھا اور ان لوگوں کے سوالوں کے جواب بڑ ہمت سے دے رہا تھا لیکن اندر سے ایک خوف مجھے چوس رہا تھا۔ یہ کیا ہوا ہے کی ہوا ہے کیا یہ کارروائی چمپا کی طرف سے ہے۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہے۔ ڈرائیونگ لائسنس لے کر انسپکٹر نے اسے کھول کر دیکھا۔

"بات یہاں بھی بڑی سنسنی خیز حیثیت اختیار کر گئی ہے یعنی اس ڈرائیونگ لائسنس میں لگی تصویر میں آپ نیلے رنگ کی شرٹ اور سفید ٹائی میں ملبوس ہیں لی حسنی صاحب کا کہنا ہے کہ ڈرائیونگ لائسنس انہیں لاش کے پاس سے ملا تھا اور اچانک وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ دونوں باتیں آدھا آدھا وزن رکھتی ہیں لیکن خیر آ کو زحمت تو ہوگی آپ میرے ساتھ تھانے چلئے۔"

"انسپکٹر صاحب! ایک بے بنیاد الزام پر ایک شریف آدمی کو اس طرح گرف کر کے کیسے لے جایا جا سکتا ہے۔"

"آپ کے بارے میں ایف۔ آئی۔ آر درج کر دی گئی ہے اور جب ایف آئی۔ آر درج ہو جاتی ہے تو ہمیں بہرحال ملزم پر ہاتھ ڈالنا پڑتا ہے۔ اب باقی صور حال کا اندازہ تو بعد میں ہی ہوگا لیکن آپ چلئے آپ کا مقدمہ عدالت میں چلایا جائے اس کے بعد یہ اختیار تو آپ کو بھی حاصل ہے کہ آپ ہتک عزت کا دعویٰ کر کے صاحب کو سزا دلوا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے چلئے میں تیار ہوں لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک صاحب کہاں سے نازل ہو گئے۔"

"حسنی صاحب کا کہنا ہے کہ ایک بازار میں انہوں نے آپ کو دیکھا بڑی احتیا سے آپ کا کئی گھنٹے تک تعاقب کیا گیا اور اس کے بعد آپ کے گھر کا اندازہ لگانے بعد یہ پولیس کے ذریعے یہاں تک پہنچے۔ براہ کرم تیار ہو جایئے اس گھر میں آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کوئی نہیں رہتا؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا بہرحال لرزتے دل کے ساتھ میں پولیس کی جیپ بیٹھ گیا۔ انسپکٹر چہرے سے بڑا سخت گیر لگتا تھا لیکن اب تک اس نے میرے ساتھ چھا رویہ رکھا تھا۔ البتہ میری اپنی کیفیت درست نہیں تھی تھوڑی دیر کے بعد ہم نے کی عمارت میں داخل ہو گئے اور انسپکٹر مجھے اپنے آفس میں لے گیا۔ اس نے مجھے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شعبان صاحب! آپ شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں براہ کرم تمام باتیں پوری کے ساتھ بتا دیجئے۔ ایف۔ آئی۔ آر میں جو رپورٹ درج کرائی گئی ہے وہ یہی کہ آپ نے حسنی صاحب کے گھر کے سامنے ایک مکان حاصل کیا اس میں آپ تنہا یام پذیر تھے حسنی صاحب کے خاندان سے آپ کا تعارف ہوا ان کی صاحبزادی نیلم سے ملاقاتیں کرنے لگیں۔ احمد صاحب سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اور آخر کار نے احمد صاحب کو قتل کر دیا۔ اس قتل کی وجہ نامعلوم ہے لیکن ہٹ میں احمد ب کی لاش کے پاس آپ کا ڈرائیونگ لائسنس ملا اور یہ ڈرائیونگ لائسنس حسنی ب کے پاس سے غائب ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد آپ اپنا مکان اسی طرح بند کر کے سے چلے آئے اور آپ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ بعد میں حسنی صاحب نے آپ کو دیکھا۔"

"میرا خیال ہے یہ تمام باتیں ہمارے درمیان ہو چکی ہیں انسپکٹر صاحب اور اب سلسلے کو مزید دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ڈرائیونگ لائسنس جس کے ے میں حسنی صاحب کا کہنا ہے کہ انہیں لاش کے پاس سے ملا تھا لیکن آپ کو وہ ائیونگ لائسنس میرے پاس سے ملا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر اس بات میں کوئی سچ نجائش رہ جاتی ہے تو آپ براہ کرم خود فیصلہ کر لیں۔"

"ہمیں تفتیش کرنا ہوگی اور دوران تفتیش آپ کو لاک اَپ میں رہنا پڑے ۔"

"اگر یہ قانون ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن ایک بات آپ بھی ذہن نشین کر انسپکٹر صاحب' بغیر کسی ثبوت کے گرفتار کرنا اور لاک اَپ میں ڈالنا آپ کے لئے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں ایسے نقصانات سے اکثر گزرنا پڑتا ہے جناب!" انسپکٹر نے کہا اور اس کے

بعد دو کانسٹیبلوں کو بلا کر مجھے لاک آپ میں پہنچا دینے کی ہدایت کی میں نہیں سمجھ سکا کہ انسپکٹر اب اس کے بعد کیا کرے گا لیکن لاک اپ میں بیٹھ کر میں بہت دہشت ز ہو گیا تھا۔ میرا تو اس کائنات میں کوئی بھی پُرسان حال نہیں تھا۔ کوئی ضمانت تک نہ کرا سکتا تھا میری۔ یہ سب کچھ بڑی سنسنی خیز نوعیت کا حامل تھا اور اس سلسلے میں سوچنا کہ چمپا نے ناراض ہونے کے بعد یہ سب کچھ کیا ہے' ایک حماقت کی بات تھ بہرحال وہ قتل تو میرے ہاتھوں ہوا تھا۔ اگر میں اصل کہانی سناؤں تو کون یقین کرے لیکن بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اس وقت کی صورت حال بڑی سنسنی خیز تھ لاک اپ کے کھردرے فرش پر سوتا جاگتا رہا۔ صبح ہو گئی۔ سوچ کے دروازے ا آپ پر بند کرنے پڑے تھے۔ یہی چیز تھوڑی دیر تک سکون دے سکتی ہے۔ ورنہ سکونی کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ بہرحال صبح کو مجھے چائے اور سلائس د گئے۔ میں نے سنتری سے کہا کہ انسپکٹر صاحب سے میری بات کرائی جائے۔ سنتری بتایا کہ انسپکٹر صاحب تفتیش پر گئے ہوئے ہیں۔ پھر کوئی ساڑھے بارہ بجے کے قریب مج لاک اپ سے نکال کر انسپکٹر کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ یہاں ایک ایس پی صاحب ا دو ماتحتوں کے ساتھ موجود تھے۔ انسپکٹر ایک گوشے میں کھڑا ہوا تھا حسنی صاحب ساتھ ایک نئی شکل بھی نظر آ رہی تھی۔ عمر رسیدہ آدمی تھے اور میں نے انہیں پہچان تھا۔ یہ احمد کے والد تھے۔ وہ غضب ناک انداز میں کھڑے ہو گئے۔

"اس مردود کو اس' کتے کو موت کی سزا دیجئے۔ ایس پی صاحب! ٹکڑے کرد اس کے۔ میں' میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اس نے' اس نے میرے گھر کا چرا بجھایا ہے۔"

"آپ تھوڑی سی تسلی رکھئے جناب! آپ بے فکر رہیں ہم نے اچھے اچھوں زبان کھلوالی ہے۔ انسپکٹر ریاض' انہیں ہتھکڑیاں ڈال کر ہیڈ کوارٹر منتقل کردو۔ م خود یہ کیس دیکھوں گا۔ آپ یہ اطمینان رکھیئے۔"

"میں خود اسے اپنی آنکھوں سے پھانسی کے پھندے پر لٹکے دیکھنا چاہتا ہوں۔" احمد کے والد صاحب نے کہا۔

"آپ اطمینان رکھئے ایسا ہی ہو گا۔" ایس پی کچھ خاص طور سے پُرجوش نظ آ رہے تھے۔ ادھر حسنی صاحب بھی میرے مخالف تھے۔ ایس پی نے مجھے گھور ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہت چالاک بنتا ہے بھئی۔ سب سے پہلے تیرے ماضی کے بارے میں تفتیش کرنا ے گی۔ یہ انسپکٹر ریاض نہیں ہے کہ تو جنٹلمین بن کر اس کی زبان بند کر دے۔ میرا ستار خان ہے کیا سمجھا۔"

"آپ لوگ سمجھا لیجئے مجھے جو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں ظاہر ہے قانون پر آپ کا تیار ہے اور میں بے بس آدمی ہوں لیکن ایک شہری کو پولیس اس طرح پریشان رے یہ اچھی بات نہیں ہے۔ مجھے زندگی میں اس کا تجربہ ہو رہا ہے۔"

"اس لئے بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے بچو! چپ ہو جائے گا چپ ہو جائے گا۔ چلو ے دیکھ کیا رہے ہو ہتھکڑی ڈالو اسے اور لے جا کر گاڑی میں بٹھاؤ۔" اے ایس پی ر خان نے کہا اور دو کانسٹیبلوں نے آگے بڑھ کر مجھے ہتھکڑی لگا دی۔ اس کے بعد رے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا تھا وہ خاصا خراب تھا۔ چلتے ہوئے میں نے حسنی صاحب ر احمد کے والد صاحب کو غور سے دیکھا اور کہا۔

"آپ دونوں ایک افسوسناک غلط فہمی کی وجہ سے میرے دشمن بنے ہیں لیکن ب بات آپ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ جو بے عزتی آپ نے صرف ایک غلط فہمی کا ار ہو کر میری کرائی ہے۔ یہ ایک اچھا انسانی عمل نہیں ہے۔ پولیس آپ کے ساتھ ں یہی سلوک کر سکتی ہے۔"

"بیٹا! کاش تو میرے ہاتھ لگ جاتا تو بات پولیس تک پہنچتی ہی نہیں میں خود ہی بے سزا دے لیتا۔" محمود صاحب نے کہا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے ایسا ہو جاتا لیکن محمود صاحب اگر میں بے گناہ ثابت ہو گیا تو ں کے بعد آپ کو جو سزا دوں گا۔ اسے بھی ابھی سے ذہن میں رکھئے۔" سپاہی مجھے یٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ باہر لے جا کر مجھے پولیس کی بند گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ اندر نچے کے بعد ایک بار پھر میرا حوصلہ جواب دینے لگا تھا۔ بات وہی آ جاتی تھی میں نے یہ ل اپنے کسی ذاتی مفاد کے لئے نہیں کیا تھا۔ اگر نیلم کا مسئلہ بھی ہوتا تو کسی کو اس رح نقصان پہنچانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا جو کچھ کیا تھا چمپا ہی نے کیا تھا اور اگر ب اس نے مجھ پر سے ہاتھ ہٹا لیا ہے تو اب کیا ہو گا۔ بہرحال مجھے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ارا گیا اور اس کے بعد ہیڈ کوارٹر کے لاک اَپ میں بند کر دیا گیا۔ اس لاک اَپ میں ئی اور قیدی موجود تھے۔ ماحول بڑا ہی گندا تھا۔ وہ لوگ عادی مجرم تھے۔ طرح طرح ی شکلیں تھیں۔ ایک دوسرے کو گالیاں بھی بک رہے تھے گویا لاک اپ میں آ جانا ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے کوئی معمولی بات تھی۔ مجھ سے بھی بہت سے سوالات کئے گئے۔ بہرحال ابھی تو لاک اپ میں تھا ان لوگوں سے بگاڑنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ دن اسی طرح گزر گیا۔ دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد دو سنتری مجھے لینے کے لئے آئے اور اس بار مجھے جس کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی وحشت ہوتی تھی۔ بڑا بدرونق اور بے تکا سا کمرہ تھا یہاں تھوڑی دیر کے بعد وہی ایس پی صاحب آ گئے۔ چہرے ہی سے خونخوار لگ رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے جو غالباً سپاہی ٹائپ کی چیز تھے لیکن سادہ لباس میں تھے۔ ایس پی صاحب ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر مجھے گھورتے ہوئے بولے۔

"شعبان علی! بستی علی جاہ کے زمیندار ہو۔ بستی علی جاہ سے تمہارے بارے میں تحقیقات کرانے کے لئے بندے تیار کئے جا رہے ہیں۔ ایسا کرو پولیس سے معاملہ کرلو ہم بھی مشکل سے بچ جائیں گے تمہارے ساتھ بھی رعایت ہو جائے گی۔"

"سر میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس قتل کا الزام مجھ پر لگایا گیا۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ان لوگوں نے مجھے کیوں ٹارگٹ بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ............"

"ہاں ہاں حقیقت کیا ہے۔ وہ تو تم ابھی ہمیں بتانے ہی والے ہو لیکن ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اگر سچائیاں بتا دو تو سیدھی سیدھی بات ہے مقدمہ عدالت میں پیش کر دیں گے ورنہ دوسری صورت میں کچھ کھیل کھیلنے ہوں گے۔ بولو کیا تم نے احمد کو قتل کیا ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"چلو شروع ہو جاؤ اور جب یہ اس بات کو قبول کرلے تو ہمیں بتا دینا۔" اس کے بعد ایس پی تو باہر نکل گیا لیکن وہ دونوں جس طرح مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کوئی دو گھنٹے تک وہ مجھ پر تشدد کرتے رہے اور دوسرے لمحے تقدیر مجھ پر مہربان ہو گئی تھی یعنی یہ کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب ہوش آیا تو ایک نئے لاک اپ میں تھا۔ یہاں میں اکیلا تھا اور دوسرے قیدی نہیں تھے۔ البتہ سلاخ دار جنگلا نظر آ رہا تھا برابر میں سے آوازیں بھی ابھر رہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوٹھڑیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنی کیفیت کا احساس کیا۔ بدن کے بے شمار حصے چیخ رہے تھے۔ کافی زخمی ہو گیا تھا۔ آنکھیں کھولیں

ویران نگاہوں سے اس لاک اپ کی چھت کو دیکھنے لگا۔ برے کام کا برا نتیجہ۔ بستی جاہ کا کوئی شریف شہری ہوتا۔ محنت مزدوری کر رہا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ ی روٹی تلاش کرنے کے لئے نکلا تھا۔ طرح طرح کے ناٹک رچا رہا تھا۔ یہ سب تو ہونا تھا جہاں تک چمپاوتی کا تعلق تھا وہ کم بخت اب مجھ سے برگشتہ ہوئی تھی تو نے مجھے اس حال میں پھنسا دیا تھا بہرحال یہ ساری باتیں شروع ہوئیں پھر کوئی پہر کے دو بجے تھے جب لاک اپ کا دروازہ کھلا اور اس بار مجھے ایک نئے آفس میں یا گیا۔ ایس پی صاحب موجود تھے اور اس کے ساتھ میں نے جس شکل کو دیکھا اسے کر ایک دم سے میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ یہ نیلم تھی جو مجھے ب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور پھر ایس پی کی طرف کر بولی۔

"انکل میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں آپ پورا پورا اطمینان رکھئے ان ذمہ داری میں نے قبول کی ہے۔ بہت جلد آپ کو اس سلسلے میں کوئی مناسب اطلاع ا گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا اس کے خلاف پرچہ کٹ چکا ہے تم نے ک اس کی ضمانت دی ہے لیکن اگر یہ کہیں غائب ہو گیا تو تمہیں تکلیف اٹھانا ے گی۔ اس وقت میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔"

"میں ذمے دار ہوں' اور ویسے بھی ان کے دو دو مکانات ہیں آپ فکر کیوں تے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے لے جاؤ۔ جا بھئی باتھ روم میں جا کر ہاتھ منہ دھو لے۔" ا پی نے مجھ سے کہا اور ایک طرف اشارہ کر دیا۔ آفس کے ساتھ باتھ روم بھی تھا انے منہ ہاتھ دھویا' بال سنوارے' یہ کایا پلٹ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ باہر تو نیلم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور پھر میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر ایک ی موجود تھی جو غالباً کرائے کی تھی اور رینٹ اے کار سے لی گئی تھی۔ ڈرائیور ا تھا۔ ہم دونوں پیچھے بیٹھ گئے اس دوران میرے اور نیلم کے درمیان کوئی گفتگو ں ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے ہمیں ہوٹل پہنچا دیا۔ یہ ایک فور اسٹار ہوٹل تھا۔ چوتھی ل کے ایک کمرے کے سامنے رک کر نیلم نے دروازہ کھولا اور میرے ساتھ اندر ل ہو گئی۔ اس نے مجھے رحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا کہوں اس بارے میں اور کیا نہ کہوں۔ بیٹھو۔" میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو بولی۔

"پولیس نے تم پر تشدد کیا ہے؟"

"ہاں۔ میرا پورا جسم زخمی ہے۔"

"آہ۔ کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتی۔"

"تم نے میری ضمانت کرائی ہے نیلم۔"

"ہاں ایک فریب کیا ہے میں نے' بہت بڑا فریب کیا ہے۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم وہاں سے چلے آئے تھے ڈیڈی اور محمود صاحب سخت پریشان تھے۔ مح صاحب تو بری طرح آپے سے باہر ہو رہے تھے کیونکہ ڈیڈی نے انہیں بتایا تھا کہ لا کے پاس تمہارا لائسنس پڑا ہوا ملا ہے اور اب وہ ڈیڈی کے پاس سے غائب ہو گیا ہے کسی کی توجہ میری جانب نہیں جا سکی۔ وہ لوگ حیران تھے اور مسلسل تمہاری تلا میں تھے۔ ڈیڈی یہاں کسی کام سے آئے تھے تمہیں انہوں نے کسی بازار میں دیکھ لیا تمہارا پیچھا کیا اور اس کے بعد پولیس انسپکٹر سے رابطہ قائم کیا اور چھاپہ ڈلوا دیا لیک محمود صاحب کے انکل سے تعلقات تھے میرا مطلب ہے ایس پی صاحب سے اور ایس پی صاحب کے پاس محمود صاحب نے پہنچ کر تمہارے خلاف کافی زہر افشانی کی تھی ا تمہیں اس مصیبت سے گزرنا پڑا۔ ایس پی صاحب تمہارے بارے میں بالکل سنجی تھے۔ جب مجھے ساری صورت حال معلوم ہوئی تو پہلے تو میں شدید دہشت زدہ ہو گئی تمہاری طرف سے مجھے فکر ہو گئی تھی پھر اس کے بعد میں نے سوچا کہ دہشت سے ک نہیں چلے گا چنانچہ میں نے سخت برہمی کا اظہار کیا زبردست اداکاری کر کے روئی اور احمد کے قاتل سے بدلہ لینے کی قسم کھالی۔ میں نے ڈیڈی سے کہا کہ براہ کرم صرف ایک دن کے لئے تمہیں میرے حوالے کر دیں۔ میں حقیقت حال معلوم کر لوں گی۔ پتہ چلالوں گی کہ میرے منگیتر کو کیوں قتل کیا گیا ہے۔ میں جانتی تھی کہ محمود صاحب۔ ایس پی صاحب سے بہت گہرے تعلقات ہیں اور وہ کسی بھی طرح تمہیں نہیں چھوڑ گے۔ یہ ساری باتیں میرے علم میں تھیں میں یہ سوچ رہی تھی کہ تمہارے لئے کیا سکتی ہوں۔

"دیکھو میں ایک بے غرض لڑکی ہوں آج میں تم سے یہ کہنے میں کوئی عار نہ

وس کر رہی ہوں کہ شاید میرے دل میں تمہارے لئے کوئی گہرا مقام پیدا ہوا ہے میں اری زندگی چاہتی ہوں شعبان! میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم میری زندگی میں شامل جاؤ۔ میری صرف دعائیں ہی تمہارے ساتھ ہو سکتی ہیں کیونکہ تم جس جال میں پھنس ے ہو اس سے آسانی سے نہیں نکل سکتے۔ سوائے اس کے کہ تمہیں فرار کرا دیا جائے اری کوئی ضمانت نہیں ہوئی ہے کیونکہ تم پر قتل کا الزام ہے اور قتل کے ملزم کی اتنی سانی سے ضمانت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو صرف ایک ڈبل چال ہے میری۔ میں تمہیں اں اپنے ساتھ لے آئی ہوں ان لوگوں کو یہ یقین دلا کر کہ میں تم سے احمد کے قتل کا از معلوم کر لوں گی۔ اس لئے ان لوگوں نے میری مدد بھی کی ہے لیکن درحقیقت میں ہیں ان کے چنگل سے نکالنا چاہتی ہوں۔ پولیس کی ایک گاڑی ہمارے ساتھ یہاں ک آئی ہے اور اس وقت بھی یقینی طور پر پولیس کے کچھ افراد آس پاس موجود ہوں ے۔ میں ان لوگوں کو کوئی نہ کوئی چکر دیتی ہوں تم یہاں سے نکل جاؤ اور جتنی دور اسکتے ہو چلے جاؤ۔ اسی میں تمہاری بچت ہے ورنہ یہ لوگ تمہیں پھانسی کے پھندے ک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔"

میرا سارا وجود لرز گیا تھا۔ پہلی بار میرے دل میں پھانسی کے پھندے کا خیال آیا ا۔ ویسے تو بہت سی بار تصویروں میں فلموں وغیرہ میں پھانسی کے مناظر دیکھ چکا تھا۔ خبارات میں اس کے بارے میں پڑھ چکا تھا لیکن کبھی اپنی گردن میں سرسراہٹ وس نہیں کی تھی۔ آج یہ سرسراہٹ میرے اپنے حلق کے گرد تنگ ہو رہی تھی۔ ھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"لیکن ان لوگوں کو ثبوت کہاں سے ملیں گے۔"

"ڈیڈی کو تمہارا لائسنس ملا تھا یہ بات تو تمہارے علم میں ہے۔ انہیں یہ یقین ہے کہ احمد کو تم نے قتل کیا ہے۔ باقی کام یہ لوگ خود کر لیں گے۔ ثبوت ایس پی صاحب یا کریں گے۔ تم خود اقرار کر لوگے کہ تم نے قتل کیا ہے۔ پولیس کے طریقہ کار کے ارے میں تمہیں کچھ نہیں معلوم۔ بس اسی میں بچت ہے تمہاری کہ نکل جاؤ یہاں سے ر کبھی تقدیر نے ساتھ دیا تو میں تمہیں دوبارہ ملوں گی۔ کیا سمجھے اپنی حفاظت کرنا۔"

ں ممنون نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ کیسی عجیب بات تھی۔ وہ بے لوث میری مدد کر ہی تھی میں بھلا اسے اس بات کا کیا صلہ دے سکوں گا۔ پھر میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

"لیکن میں یہاں سے باہر کیسے جا سکتا ہوں۔"

"خوش قسمتی سے ہوٹل کے عقبی حصے میں ایک راہداری ہے ایک چوڑا سا باڑر اور میرا کمرہ اس راہداری کے آخری سرے پر ہے۔ عقب میں ایک کھڑکی ہے جس میں سے شیشہ نکال کر تم پچھلی راہداری میں اتر سکتے ہو۔ چار ہی قدم کے فاصلے پر تمہیں ایک چھوٹی سی دیوار چڑھ کر اوپر پہنچنا ہے اور پھر عقبی زینے سے نیچے اتر جاؤ اس کے بعد اپنی حفاظت کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔ خیال رکھنا اگر دوبارہ ان کے چنگل میں پھنسے تو شاید میں بھی تمہیں ان کے چنگل سے نہ نکال سکوں۔"

"لیکن نیلم تم۔"

"ہاں وہ میں تمہیں بتاتی ہوں یا پھر میں خود اپنے ہاتھ سے کرلوں گی۔ میں جانتی ہوں تم ایسا نہیں کر سکو گے۔"

"کیا؟"

"میں اپنے سر میں ایک چوٹ لگائے لیتی ہوں۔ زخمی ہو کر نیچے پڑ جاؤں گی دروازہ کھولے دیتی ہوں کوئی نہ کوئی اندر آ کر یہ دیکھ لے گا کہ میں زخمی ہوں میں یہی کہہ دوں گی کہ تم نے کسی ڈیکوریشن پیس سے میرے سر پر ضرب لگائی اور یہاں سے نکل گئے۔" ایک بار پھر میں نے ممنون نگاہوں سے نیلم کو دیکھا۔ نیلم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"نیلم کاش زندگی مجھے کبھی تمہارا یہ احسان اتارنے کا موقع دے۔"

"ایک بات کہوں شعبان! وعدہ کرو گے؟"

"ہاں کہو۔"

"دیکھو میری وجہ سے تمہیں نئی زندگی مل رہی ہے اس نئی زندگی کو حفاظت سے کسی منزل تک لے جاؤ اور اگر دوبارہ کوئی موقع ملے تو یہ زندگی مجھے دینا۔ میں بے غرض نہیں ہوں۔ صلہ چاہتی ہوں تم سے اپنی ان کاوشوں کا۔ کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ بولو آؤ گے میرے پاس؟" میں ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر نیلم کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ حقیقت ہے نیلم کہ میں نے زندگی میں کبھی اچھے کام نہیں کئے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آج سے پہلے میرے دل میں تمہارے لئے کبھی یہ مقام پیدا نہیں ہوا تھا لیکن اب میں تم سے کھل کر کہہ رہا ہوں نیلم کہ اگر زندگی میں کبھی کسی کو زندگی بھر کا ساتھی بنایا تو وہ تم ہی ہوگی۔ ہاں اگر وقت نے مجھے موقع دیا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس اتنا کافی ہے تم جاؤ۔ باقی کام میں خود کرلوں گی۔" میں نے ایک نگاہ نیلم پر
ی اور پھر اس کھڑکی کی جانب متوجہ ہوگیا جس کا شیشہ نکالنے میں مجھے کوئی دقت نہیں
ی تھی اور کچھ ہی لمحوں کے بعد میں کھڑکی سے باہر تھا۔

☆======☆======☆

درحقیقت اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندہ رہنا کتنا مشکل کام ہے۔ تجربات پر
ات ہو رہے تھے۔ ہوٹل سے نکل آیا تھا اور اب اپنے آپ کو بے سہارا پا رہا تھا۔
نکلنے کے بعد کافی دور تک پیدل سفر کرتا رہا۔ یہ اندازہ لگاتا جا رہا تھا کہ نگرانی کرنے
لے کہیں میرے پیچھے تو نہیں آ رہے لیکن خدا کا شکر تھا کہ وہ اس قدر ذہین لوگ
ں تھے۔ البتہ یہ احساس دل میں ضرور پیدا ہوگیا تھا کہ بہت جلد بم پھٹے گا اور میری
ش شروع ہو جائے گی۔ ظاہر ہے مجھ پر قتل کا الزام تھا اور اگر نیلم چالاکی سے کام نہ
تو بھلا پولیس والے مجھے ایک لمحے کو چھوڑنے کو تیار ہوتے۔ نیلم کے لئے دل میں
ں کے مینار تعمیر ہونے لگے۔ پہلے بھی اس نے میری مدد کی تھی حالانکہ اگر یہ بات
کسی کو بتاتا تو میرا مذاق ہی اڑایا جاتا کہ میں نے ایک پُراسرار شخصیت کے لئے
ے احمد کو قتل کیا ہے اور اس قتل میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے بلکہ میں کسی کے زیر
رہ کر اس جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔

بہرحال اس وقت بھی نیلم نے میری مدد کی تھی اور ایک بار پھر اس نے خود کو
ے میں ڈال کر مجھے رہائی دلوائی ورنہ پھانسی کا پھندا تو میری گردن کے گرد تن چکا
۔ اب زندگی بچانے کی کوشش میرے اپنے ہاتھ میں تھی۔ دفعتاً ایک خیال دل میں
جس طرح بھی ممکن ہو سکے فوری طور پر کچھ رقم حاصل کرلوں۔ اچھی خاصی رقم
ا مکان میں بھی موجود تھی جس سے میرا تعلق ایک طرح سے ٹوٹ ہی گیا تھا کیونکہ
ا جانے کا مطلب ایک بار پھر اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دینا تھا البتہ چونکہ
ا پولیس کو اس بات کا گمان نہیں ہوگا کہ میں اس طرح فرار ہوگیا ہوں اس لئے
ا گھر میں داخل ہو کر رقم کو حاصل کرنا ضروری تھا۔ میرا اچھا خاصا اکاؤنٹ بینکوں
بھی تھا۔ گھر میں بھی ٹھیک ٹھاک رقم موجود تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے ان
ؤں کو اپنی تحویل میں لینا مناسب سمجھا۔ نقد رقم تو خیر ہے ہی۔ بینکوں کی چیک بکس
قبضے میں کرلینا ضروری ہیں۔ حالانکہ بعد میں پولیس اس بارے میں بھی سوچے گی
ا بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے فوراً ہی اپنے اس گھر کا رخ کیا جو بہرحال چمپا کی عنایت تھی۔ گھر
سامنے والے دروازے سے اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اندر داخل ہونے کے
میں نے عقبی راستہ اختیار کیا تھا۔ مکان سائیں سائیں کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں کتن
بار مجھے شبہ ہوا کہ کچھ پُراسرار نگاہیں میرا جائزہ لے رہی ہیں۔ دل سے خوف کا گ
ہوا تھا لیکن اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ میں نے نقد رقم جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ پر مشتم
تھی اپنے قبضے میں کی اور اس کے بعد تین بینکوں کی چیک بکس اپنے لباس میں پوشی
کیں اور اس کے بعد وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا لیکن پھر ایک دم خیال آیا کہ کیوں
میں یہیں رکوں۔ مکان کی سب سے اوپری چھت میرے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ
سکتی ہے۔ باہر کی دنیا بہرطور ابھی مشکوک ہے حالانکہ بعد میں یہ مکان بھی میرے
سنسنی خیز ثابت ہو سکتا ہے لیکن اگر عارضی طور پر یہاں قیام کر لیا جائے تو کوئی حر
نہیں ہے۔ چھتوں کا سلسلہ ایسا تھا کہ اگر میں چاہتا تو باآسانی چھت سے ایک درخت
اور درخت سے باہر فرار ہو سکتا تھا۔ چھت پر میں نے اپنے لئے ایک آرام کی جگ
بنالی۔ گھر کو پولیس نے سیل کر دیا تھا۔ چنانچہ کسی کے آجانے کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ آس
پاس میں بھی کوئی ایسی چھت موجود نہیں تھی جہاں سے مجھے اس چھت پر دیکھا جاسکے
بہرحال لیٹا تھا اور پھر سو گیا تھا۔

پھر دوسری صبح اس وقت آنکھ کھلی تھی جب سورج خوب تیز چمک رہا تھا او
دھوپ کی تپش سے میرا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ میں نے صورت حال کا جائز
لیا واقعات کو ذہن میں تازہ کیا۔ اپنے آپ کو ٹٹولا اور پھر نیچے کا اندازہ کرنے لگا۔ بالکل
کوئی آہٹ نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ کنارے پر آکر قرب وجوار میں جھانکا۔ کوئ
موجود نہیں تھا چنانچہ نیچے اترا اور اس کے بعد سب سے پہلے بیرونی دروازے کو اند
سے لاک کیا اور اس کے بعد کچن میں پہنچ گیا۔ کھانے پینے کی بے شمار اشیاء موجود تھیں
بہترین قسم کا ناشتہ تیار کیا اور پھر خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا کون جانے اس کے بعد پھر کب
کھانا نصیب ہو گا۔ میں ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک بار پھ
اوپری منزل پر آگیا۔ یہیں پر سے چھت پر جانے کا راستہ تھا۔ احتیاط بہرحال لازمی چی
ہوتی ہے اوپر آتے ہوئے میں نے بیرونی دروازے کو اندر سے کھول دیا تھا تاکہ اگر
کوئی آنے کی کوشش کرے تو اسے کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ پورا دن وہیں گزرا۔ عارضی
طور پر اس سے اچھی آرام گاہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی لیکن پھر اسی رات تقریباً آٹھ

بجے کے قریب دروازے پر آہٹیں ہوئیں اور میں نے برق رفتاری سے اپنے آپ کو
سنبھال کر چھت کا رخ کیا۔ اس کے بعد میں نے نہایت احتیاط سے نیچے کا جائزہ لیا۔
دروازہ کھول کر آنے والے پولیس کے افراد ہی تھے۔ ایک آفیسر سپاہیوں کو ہدایت
دے رہا تھا کہ عمارت کی تلاشی لیں اور سپاہی چاروں طرف پھیل گئے تھے میں ایک
ایک لمحے احتیاط برت رہا تھا اور میں نے اوپر کی چھت کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا
تاکہ اگر کوئی ذہین آدمی اوپر کا رخ کر بھی لے تو مجھے فرار ہونے کا وقت مل جائے۔
اس کے ساتھ ہی میرے کان نیچے کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ آواز
میرے کانوں میں صاف آ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ کم از کم اپنا اطمینان تو کر لیا جائے۔ حالانکہ کوئی بھی بیوقوف سے
بیوقوف آدمی ایسی جگہوں کا رخ نہیں کرے گا۔ جہاں کے بارے میں شبہ کیا جاسکے۔
بھلا اس کا کیا سوال ہے کہ وہ اس مکان میں واپس آئے گا۔"

"نہیں مسٹر رفیق! وہ اس مکان میں آیا ہے۔ سیف کھلا ہوا ہے اور بنکوں کی
پاس بکس موجود ہیں لیکن چیک بکس غائب ہیں اس کے علاوہ کچن میں جو برتن موجود
ہیں پہلے وہ یہاں موجود نہیں تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے یہاں کھانا پیا بھی
ہے۔"

"تب تو یقیناً وہ یہاں آکر یہاں سے نکل گیا۔ یہاں رکنے کا تو خیر سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں ڈیوٹی کیوں نہیں لگائی گئی۔"

"بھئی وہ لاک اپ میں تھا پھر ڈیوٹی کس کے لئے لگائی جاتی۔ باہر سے صرف لاک
کر دیا گیا تھا اور مہر لگادی گئی تھی۔"

"لیکن مہر تو ٹوٹی ہوئی نہیں ملی۔"

"اس کا گھر ہے کسی اور طرف سے بھی وہ اندر آسکتا ہے۔" تلاشی لینے والوں
نے چھت کا رخ نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سب ایک ایک کرکے باہر نکل گئے
تھے۔ پولیس جیپ باہر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے دو کانسٹیبلوں کو وہاں
تعینات دیکھا۔ باقی پولیس کے افراد واپس چلے گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ چھت تو ابھی
محفوظ ہے لیکن صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جانا ضروری ہے۔ حد سے زیادہ
دیری نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ پھر بقیہ رات سوتے جاگتے گزاری تھی اور میں بہت سی

سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔ ایک مفرور قاتل کی حیثیت سے جگہ جگہ پھرتے رہنا زندگی بہت بڑی حماقت ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسا گوشہ اپنا لیا جائے جہاں تھوڑا سا پُرسکو وقت گزارا جاسکے۔ صبح ہونے سے پہلے میں نے درخت کے ذریعے وہ چھت چھوڑ د تھی اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑا تھا۔

سب سے پہلے میں نے ایک اخبار خریدا اور ایک پارک میں جا بیٹھا۔ میری توق کے مطابق میرے بارے میں خبر موجود تھی اور میری تصویر بھی چھپی ہوئی تھی۔ خبر م پچھلے دن کی خبروں کا حوالہ تھا جس کے تحت ایک مفرور قاتل لاک اپ سے فرار ہو گ تھا اور اس نے پولیس کے دو افراد زخمی کر دیئے تھے۔ میری تصویر کے ساتھ یہ دلچسپ خبر لگی تھی جو میرے لئے حیرت کا باعث تھی۔ نہ تو میں نے پولیس کے افراد کو زخمی ک تھا اور نہ لاک اپ سے فرار ہوا تھا بلکہ چند لمحوں میں مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ پولیس کی گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ جو حماقت وہ کر بیٹھے ہیں اسے انہوں نے ایک دوسری ہ کہانی کا رنگ دے دیا ہے لیکن بہرحال انہوں نے کچھ بھی کیا ہو میرے لئے یہ صورت حال خاصی سنگین تھی۔ اخبارات میں خبر شائع ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب ماحول میرے لئے بے حد مخدوش ہوگیا ہے سب سے پہلے تو یہ شہر چھوڑ دینا بہت مناسب ہو اور اس کے لئے میں نے ریلوے اسٹیشن کا رخ ہی کیا تھا۔ ایک ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں داخل ہو کر میں نے کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیا تھا۔ ٹرین چند ہی لمحوں بعد چلنے لگی تھی۔ کہیں دور سے آئی تھی اور کہیں دور جا رہی تھی۔ یہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ تقریباً بالکل خالی تھا۔ صرف دو تین افراد نظر آ رہے تھے۔ میں نے ایک دور کی جگہ منتخب کی یہاں تک آنے کے بعد میں نے یہ سوچا تھا کہ چھپتے چھپاتے سفر کروں گا۔ حالانکہ میرے پاس اچھی خاصی رقم موجود تھی لیکن ذرا سا ڈر ر تھا کہیں ٹکٹ کلکٹر میرا چہرہ نہ پہچان لے لیکن بہرطور خطرہ مول لینا تھا۔ میں سمٹا سکڑ بیٹھا تھا۔ ان مسافروں سے میں نے دور کی جگہ منتخب کی تھی جو اس کمپارٹمنٹ میں موجود تھے تھوڑی دیر کے بعد ٹرین چل پڑی۔ مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ دل میں بہت سے خیالات آ رہے تھے خاص طور سے نیلم جس کے لئے شاید میرے دل میں اب محبت پیدا ہو چکی تھی۔ آہ........... کاش اگر زندگی سکون کا موقع دے تو نیلم جیسی ہستی کو زندگی کا ساتھی بنایا جاسکتا ہے۔ کیا ہی خوشگوار زندگی ہو میری' ایک حسرت سی دل میں پیدا ہوئی کچھ لمحوں کے بعد میں نے کمپارٹمنٹ کے دوسرے دروازے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک شخص کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں شدت حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے دیکھ کر جہاں میری آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ وہیں وہ بھی شدت حیرت سے کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ کچھ لمحات ہم دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے پھر وہ مسکرا کر میرے پاس آیا اور میرے قریب بیٹھ گیا۔

"جتنا حیران میں ہوں اتنے ہی تم بھی ہو گے۔" اس نے کہا۔ اس کی آواز بھی میری آواز سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔

"ہاں۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میرے ایک کے دو کیسے ہو گئے۔"

"دوست! خوش نصیب ہو تم کہ زندگی کے گہرے گہرے سانس لے رہے ہو جو تمہاری روح کو معطر کر رہے ہیں۔ میں تمہاری طرح خوش نصیب نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک اداسی پیدا ہوگئی اور میں بدستور حیران نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور چہرے سے افسردگی ٹپک رہی تھی۔ اچانک ہی وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

"اور کیا تم اس مشابہت کو اس طرح ملاقات کو اتفاق سمجھتے ہو۔" میں اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اور جب میری سمجھ میں اس کے الفاظ نہ آئے تو میں نے کہا۔

"مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔"

"دوست! اگر میں تم سے کہوں کہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ تم اس وقت اس ٹرین میں سفر کر رہے ہو تو تمہیں حیرت تو ہوگی۔" میرے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ میں جس کیفیت کا شکار تھا اس میں تو میرے راز کو راز رہنا ہی میری زندگی کی ضمانت تھی۔ میں نے کہا۔

"جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔"

"نہیں۔ تمہارے چہرے کے نقوش بتاتے ہیں کہ تم اپنے ماضی سے کسی خوف کا شکار ہو مجھے تمہارے ماضی اور تمہارے ماضی کے خوف سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں تو خود اپنی مشکل کا شکار ہوں اور اس مشکل میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔" مجھے ہنسی آنے لگی میں اس وقت جن حالات سے گزر رہا تھا۔ ان میں تو خود کسی کی مدد کا طالب تھا جو الجھن جو پریشانی میری زندگی سے چپک گئی تھی۔ اسے اپنے آپ سے دور کرنا انتہائی مشکل کام تھا وہ جیسے میرے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں دوست! جب کسی کی مدد کی جاتی ہے تو خود اس کے لئے پہلے اپنے دل م
گداز پیدا کیا جاتا ہے۔ میں تم سے اپنا ایک کام لینا چاہتا ہوں اور بدلے میں تمہار
لئے تحفظ کے کچھ لمحات مہیا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے کام پر آمادہ ہو جاؤ تو م
تمہارے تحفظ کا وعدہ کرتا ہوں۔ ہزار آنکھیں بھی تمہارے ارد گرد بکھر جائیں تو تمہ
اس نگاہ سے نہیں دیکھ سکتیں جو تمہارے لئے پریشان کن ہوں لیکن تمہیں ایک ا
حقیقت کو منکشف کرنا ہوگا جس کی تفصیل ابھی تک صیغہ راز میں ہے۔"

"میں تمہاری باتیں سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں ایک مختصر سی کہانی سننا پڑے گی لیکن اس وقت جب تم یہ وعدہ کرلو
کہ تم میرے کام آنے کے لئے تیار ہو۔" میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اس
الفاظ پر غور کیا۔ اس کی شخصیت کا سب سے پُراسرار پہلو تو یہی تھا کہ وہ ہوبہو میرا
شکل تھا اور اس کے بعد اس کی باتیں وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس دنیا میں زندہ نہیں۔
یعنی کوئی ایسی روح جو مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ اپنے آپ پر شدید ہنسی آ
لگی۔ پتہ نہیں وہ کون سا دن تھا جب میں اپنی ماں کے شکم سے نمودار ہوا۔ غالباً ا
دن روحیں اپنا عالمی دن منا رہی تھیں اور میں ان کی زد میں آ گیا۔ اب تک کی زند
میں تو یہی سب کچھ ہوتا چلا آیا تھا۔ خود حماقتیں کیں اور دوسروں کی حماقتوں کا ش
ہوا اب ایک بار پھر ایک ایسی ہی شخصیت سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ بہرحال ذہنی طور پر
نے اپنے آپ کو اس کے لئے آمادہ کر لیا۔ جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ تو میرے
بڑے ہی حوصلہ افزا تھے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی اور کچھ
سہی کم از کم عارضی طور پر تو تھوڑا سا سہارا مل جائے گا۔ ان تمام سوچوں میں ڈوبا
صورت حال کا تجزیہ کرتا رہا۔ وہ امید بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تو میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"شکریہ میرے دوست!" وہ غمزدہ لہجے میں بولا۔ پھر اس نے مجھے ایک انتہا
عجیب و غریب کہانی سنائی۔ ایسی کہانی جسے سن کر میں اپنی مشکل بھول گیا۔ اس نے کہا۔

"اور یوں سمجھ لو کہ ان حقیقتوں کو منکشف کرنا میری زندگی کا اہم پہلو ہے۔ ور
نہ جانے میری روح کون کون سے ویرانوں میں بھٹکتی پھرے گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ مجھے رام نگر جانا ہوگا۔"

"ہاں اور تمہارا نام سلطان ہے۔"

"اور تمہارے دوست کا نام زاہد!"

"بالکل ٹھیک۔ میری تمام حقیقتیں تمہارے علم میں آ چکی ہیں۔ اگر کوئی سوال
و کر ڈالو۔" میں نے کچھ دیر تک سوچا اور کچھ دیر کے بعد گردن جھٹک کر بولا۔

"نہیں۔ کوئی ایسا سوال نہیں ہے۔"

"تو پھر تم تیار ہو۔ میرا خیال ہے کچھ فاصلہ باقی رہ گیا ہے اور اس کے بعد تم رام
ر پہنچ جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے میں جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور وہ مسکرا کر اپنی جگہ سے کھڑا
گیا پھر بولا۔

"اور اس کے صلے میں اگر ممکن ہو سکا تو میں تمہاری بھی کچھ خدمت کروں گا۔"
ک پھیکی سی سانس لے کر رہ گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ دوست جو خدمت تم کر
ے ہو اس وقت وہ میرے لئے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ وہ اپنی جگہ سے
ا اور واپس اسی طرف چل پڑا جس طرف سے آیا تھا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا تھا ایک
ے کے لئے دل چاہا کہ آگے بڑھ کر دیکھوں کہ وہ کہاں جاتا ہے لیکن پھر اپنے آپ کو
ھال کر خاموش ہو گیا۔ نہ جانے کیوں دل کو ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ جن
ات میں وقت نے پھنسا دیا تھا انہی حالات میں میری زندگی کی صورت نکل آئی ہے۔
ر کار ٹرین رام نگر کے اسٹیشن پر جا رکی اور میں پلیٹ فارم پر رام نگر کا بورڈ دیکھ کر
نے مختصر سے سامان کے ساتھ نیچے اتر گیا۔

☆======☆======☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رام نگر ایک اچھی خاصی آبادی تھی۔ اسٹیشن کے باہر خاص چہل پہل نظر آ جو پتہ مجھے دیا گیا تھا میں اس پتے پر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ ٹیکسی نے مجھے ا قبرستان کے پاس چھوڑ دیا تھا اور یہیں مجھے وہ بنگلے نظر آرہے تھے جہاں زاہد کا ہوسکتا تھا۔ اس وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے اچھی خا تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا بہت ٹھنڈی تھی اور جس بنگلے کے سامنے میں اترا تھا کے باہر لگے ہوئے درخت سرسرا رہے تھے۔ میں نے ہاتھ میں دبا ہوا اٹیچی زمین پر ر اور بنگلے کی بیل بجائی پھر ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کے حلئے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ملازم ہے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"میرا نام سلطان ہے اور ڈاکٹر زاہد نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے تھوڑی دیر پہلے وہ آپ کا انتظار کر ر تھے۔" میں نے گردن ہلائی اور بنگلے کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد م اس سجے سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ ڈرائنگ روم خاصے قیمتی سامان سے سجا ہوا تھا۔ میں وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ملازم نے پوچھا۔

"جناب عالی! آپ کے لئے کچھ لاؤں؟"

"نہیں شکریہ۔ ڈاکٹر زاہد آجائیں پھر کچھ لے لوں گا۔"

"جی بہتر۔" اور کچھ دیر کے بعد وہ آگیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔ ا نے گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"سناؤ۔ سلطان کیسے ہو تم۔ بظاہر تو بہت بہتر لگ رہے ہو۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں ڈاکٹر تم اپنے بارے میں بتاؤ۔" میں نے اسے غور دیکھتے ہوئے کہا اسے مجھ پر ذرا برابر شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا جسم کسرتی تھا اور چ پُرجوش۔ نیلی آنکھیں زندگی سے بھرپور تھیں لیکن ان آنکھوں میں ایک انتہا

اسرار چمک تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یقیناً اب تک تو تم ڈاکٹر بن چکے ہو گے سلطان! کیا کہیں پریکٹس کرتے رہے ہو۔"

"نہیں میں نے پریکٹس نہیں کی۔"

"ویسے میرا خیال ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے میں اس زیادتی کا ازالہ روں گا۔"

"کیوں؟ تم پر تو یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔"

"چھوڑو۔ اچھا یہ بتاؤ میری صحت کیسی ہے۔"

"بہت شاندار یقیناً تم ایک تندرست انسان ہو۔"

"صرف ظاہری طور پر۔" اچانک ہی اس کے لہجے میں اداسی آگئی۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"میرا دل بہت کمزور ہو چکا ہے اور میں نے تمہیں اسی لئے تکلیف دی ہے کہ ر مجھے کوئی جسمانی تکلیف ہو تو تم میری دیکھ بھال کر سکو۔"

"عجیب سی بات کر رہے ہو' ڈاکٹر ہو کر تم ایک ایسے شخص پر بھروسہ کر رہے ہو خود ڈاکٹر نہیں ہے۔"

"تم میری بات ابھی نہیں سمجھ سکو گے۔ میں نے تمہیں اپنے علاج کے لئے نہیں ایا ہے۔ میں تمہیں اپنی اس عجیب کیفیت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ میں اس اری کو خود سمجھ نہیں سکا میرے دوست لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس بات کا یقین ہے ہ تم میری اس بیماری کو سمجھ سکو گے۔" اس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا لیکن اس کی نکھوں کی چمک بدستور ایسی ہی تھی۔

"آخر تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تم تو خود ڈاکٹر ہو۔ تم نے خود اپنا تجزیہ نہیں کیا۔"

"بظاہر میرے تمام ٹیسٹ صحیح ہیں لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کوئی ایسا پُراسرار وگ مجھے لگا ہوا ہے جو مجھے زیادہ دن زندہ نہیں رہنے دے گا اور اس بات کو محسوس رکے میرے دل میں جو سب سے پہلے خیال پیدا ہوا وہ تمہارے بارے میں تھا۔ میں اہتا ہوں کہ میری طرف سے جو تمہارے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں میں ان کا ازالہ ردوں"۔ سلطان کی حیثیت سے سچی بات یہ ہے کہ میں اس کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ یرے ہم شکل نے جو مجھے چھوٹی سی داستان سنائی تھی اس میں ایسی کوئی تفصیل نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی سب کچھ مختصر سی باتیں جو اس شخص سے متعلق تھیں جس کا نام زاہد تھا۔ ان دونوں کے اپنے درمیان جو کچھ تھا وہ میرے علم میں نہیں تھا مجھے ایک دلچسپ اور سنسنی خیز صورت حال کا احساس ہوا اور میں پوری طرح ڈاکٹر زاہد کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ خلا میں گھور رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ماضی کی کہانیاں یاد آرہی ہوں پھر وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"تعلیمی میدان میں تمہیں ہمیشہ میری وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیونکہ میں رشوت دے کر اپنے نمبر بڑھوا لیا کرتا تھا۔ جبکہ اصل میں صحیح تعلیم تم حاصل کرتے تھے۔ حالانکہ میں ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا لیکن جب تم نے ایک ملازمت کے لئے درخواست دی تو میں نے بھی اسی ملازمت کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور میں کامیاب ہوگیا اور اس کے بعد جب تم نے شاہینہ سے شادی کرنا چاہی تو شاہینہ کے لئے میرا بھی پیغام پہنچ گیا اور وہاں بھی میری دولت نے میرا ساتھ دیا اور یہ میدان بھی میرے ہاتھ رہا لیکن میرے دوست! زندگی کی دوڑ میں تم کامیاب ہوگئے اور میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ ویسے تم سے میں ایک بات کہوں۔ تمہارے بارے میں خاصی تفصیلات کا علم ہے مجھے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی اور وہ ازالہ جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کردوں اور مجھے یقین ہے کہ شاہینہ مجھ سے زیادہ تمہارے ساتھ خوش رہ سکے گی۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ابھی تک تمہیں نہیں بھولی۔"

"کیا.........؟" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں۔ اس کے لئے میں تمہارے آنے سے پہلے اپنا وصیت نامہ تیار کرچکا ہوں۔ ٹھہرو میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر اس نے ایک کاغذ میرے پاس لا رکھا۔ میں ان تمام باتوں کو سن کر کسی قدر حیران سا ہوگیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے مشکل نے میرے لئے کون سا جال تیار کیا ہے مگر میں نے وہ کاغذ کھول کر دیکھا۔ ٹائپ شدہ تحریر تھی اس پر لکھا تھا۔

"میں ڈاکٹر زاہد بہ ہوش و حواس اپنی تمام جائیداد کا وارث اپنے دوست ڈاکٹر سلطان اور اپنی بیوی شاہینہ کو قرار دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ میری موت کے بعد وہ دونوں شادی کرلیں۔ اگر انہیں میری یہ شرط منظور نہ ہو تو میری یہ ساری جائیداد رفاہی اداروں اور یتیم خانوں میں تقسیم کردی جائے۔ میں کسی بھی وقت موت کے

یں جاسکتا ہوں چونکہ میری حالت بہتر نہیں ہے۔ یہ وصیت نامہ ہر لحاظ سے مکمل اور اس پر کوئی شک نہ کیا جائے۔" اس وصیت نامے کی تحریر کے آخر میں ایک تحریر تھی۔ جو ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔ تحریر یوں تھی کہ میں اپنے دوست ڈاکٹر ان سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ مرنے کے بعد مجھے فوراً دفن نہ کیا جائے بلکہ زیر ن تہہ خانے میں ایک بڑی الماری موجود ہے۔ اس میں خاص قسم کے کپڑے رکھے ے ہیں وہیں پر ایک تابوت بھی موجود ہے میری موت کے بعد مجھے یہ کپڑے پہنا کر ت میں رکھا جائے۔ اسی سے میری روح کو سکون ملے گا۔ میرا دوست سلطان میری بات پر ضرور عمل کرے گا مجھے اس کا یقین ہے۔ میں نے یہ وصیت نامہ پڑھ کر ت سے زاہد کی طرف دیکھا۔ وہ انتہائی پُراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے بے باری سے اسے دیکھا اور کہا۔

"کیا یہ سب کچھ ایک دلچسپ مذاق نہیں ہے۔"

"نہیں۔ تم یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری بیوی کہاں ہے۔ کیا وہ تمہاری اس بیماری سے پریشان نہیں ہے۔"

"نہیں۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس بیچاری کو ابھی تک میری اس بیماری کے بارے میں نہیں معلوم۔ میں جانتا ں اسے مجھ سے بہت محبت ہے اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ خود بیمار پڑ جائے گی لیکن میں ے درخواست کرتا ہوں کہ میری موت کے بعد اسے خوش رکھنا۔" میں نے موشی سے اسے دیکھا ایک عجیب و غریب کیفیت تھی، لیکن بہرحال ان دلچسپ حالات نے مجھے کم از کم کچھ عرصے کے لئے میرے ماضی سے دور کردیا تھا اور میں اس خوف کو پنے دل میں محسوس نہیں کر رہا تھا جس کا مستقل شکار ہو رہا تھا۔ بہرحال اس کے بعد ہ مجھے اپنی اس عمارت کے بارے میں تفصیلات بتاتا رہا اور میں ان تفصیلات کو نوٹ کرتا رہا۔ پھر وہ اچانک جیسے کسی خواب سے چونک پڑا اور اس نے میری طرف دیکھ کر مکراتے ہوئے کہا۔

"تم بھی کیا سوچ رہے ہوگے کہ مصیبتیں اس طرح گلے پڑ جاتی ہیں لیکن میرے وست! یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ زمانہ طالب علمی میں جب ہم تینوں نیورسٹی میں پڑھتے تھے تو تم شاہینہ کو کتنا چاہتے تھے اور وہ بھی شاید تمہاری طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

متوجہ تھی لیکن بعد میں میری کوششوں نے اسے تم سے دور کردیا۔ آج اگر وہ تمہارے قریب آرہی ہے اور میں خود تمہیں اس کے حصول کی پیش کش کر رہا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ تم اس سے نہیں کتراؤ گے۔ کبھی کبھی زندگی ایسے دلچسپ کھیل بھی کھیلتی ہے۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔

"ہے نا خودغرضی کی بات' انسان بڑا خودغرض ہوتا ہے۔ تمہارے آتے ہی میں تمہیں اپنی رام کہانی سنانے بیٹھ گیا۔ یہ تک نہیں سوچا کہ تم ایک طویل سفر سے تھک گئے ہوگے۔ آؤ میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں تم آرام کرو میں نے اصل میں یہ ساری باتیں اس لئے تمہیں ایک دم بتادی ہیں کہ ہوسکتا ہے میری عمروفا نہ کرے اور میں بہت جلد کسی حادثے کا شکار ہوجاؤں بلکہ میرے اندر جو چھٹی حس ہے نا وہ مجھے بتا رہی ہے کہ یہ کام بہت جلد ہونے والا ہے اور اس کے لئے کوئی طویل وقت درکار نہیں ہے۔ چلو چھوڑو' آؤ۔ تم سے تو معذرتیں ہی معذرتیں کرنی پڑ رہی ہیں اور یہ مجبوری بھی ہے انسان کیا کرسکتا ہے زیادہ سے زیادہ۔" پھر کچھ دیر کے بعد مجھے ایک کمرے میں لے آیا۔ اس کی شاندار رہائش گاہ میں یہ بیڈ روم بھی نہایت شاندار تھا۔ زندگی کی ہر آسائش یہاں موجود تھی اس نے کہا۔

"یہ تمہارے لئے تیار کرایا ہے میں نے۔ میرا ملازم تمہارے پاس آئے گا کوئی ضرورت ہو تو اسے بتا دینا اچھا اب میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور اپنی تقدیر کو پھوڑنے لگا۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟ مشکلات سے بھاگ کر یہاں آیا تھا لیکن یہاں بھی ایک دلچسپ مشکل نے میرے اوپر چادر ڈال لی تھی۔ غسل خانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بستر پر آکر لیٹا ہی تھا کہ ملازم نازل ہوگیا۔ جوان آدمی تھا۔ رنگ ضرورت سے زیادہ کالا تھا۔ سفید دانتوں کی نمائش کرتا ہوا بولا۔

"نجیب ہے جی ہمارا نام اور ہمیں حکم دیجئے کہ آپ کی کیا خدمت کریں۔"

"صرف ایک خدمت کرو نجیب وہ یہ کہ مجھے آرام سے سونے دو اور جب تک میں خود نہ جاگوں مجھے نہ جگاؤ۔"

"اچھا جی' یہ تو کوئی کام ہی نہیں ہے۔ ہم چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑا۔

"نجیب' میری بات سنو۔"

"جی صاحب جی!"

"وہ تیری بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔"

"وہ تو کسی سہیلی کے ہاں گئیں ہیں صاحب جی۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔ بستر پر لیٹ کر میں نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ ساری سوچوں میں ایک یہ سوچ بھی تھی کہ جن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے اس کے بعد یہ آرام گاہ پُرسکون تھی۔ ویسے وہ شخص جس کا نام سلطان تھا اور جو یقینی طور پر ایک پُراسرار روح تھی۔ میرے لئے ایک بہت ہی دلچسپ سامان کرگیا تھا ب جیساکہ یہ حضرت فرما رہے ہیں کہ یہ اس دار فانی سے کوچ کر رہے ہیں اور اپنا ال و اسباب مع اپنی مسز کے میرے حوالے کرکے ایک ایثار کر رہے ہیں یعنی اندازہ ورہا تھا ان کی گفتگو سے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ سلطان نامی شخص دوران تعلیم ان کا وست تھا۔ وہ غریب تھا اور یہ امیر' انہوں نے اس کا ہر طرح سے راستہ روکا تعلیمی یدان میں بھی اسے پیچھے چھوڑ دیا اور اپنی دولت کے بل پر خود پوزیشن حاصل کرتے ہے۔ جس لڑکی سے اس نے محبت کی اسے انہوں نے ہتھیا لیا اور اب اس کے لئے یثار کر رہے ہیں اور وہ حضرت اپنی روح کو تسکین دینے کے لئے اپنے تمام اثاثے پنے ہم شکل کے سپرد کرگئے ہیں۔ ویسے بات بری نہیں تھی اتنی دولت اور ایک وبصورت لڑکی اگر اس انداز میں مل رہی ہے تو ان حضرت کو جلد از جلد یہ دنیا چھوڑ نی چاہئے جب ایثار کر رہے ہیں تو اتنا اور سہی۔ میں خود ہی اپنی اس سوچ پر ہنسا اور س کے بعد آنکھیں بند کرکے گہری نیند سو گیا۔ پھر نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ کسی نے میری ٹانگیں جھنجھوڑ کر مجھے اٹھا دیا۔ کچھ لمحے تک تو حالات کا صحیح اندازہ ہی نہ ہوسکا کن جب غور کیا تو ٹانگیں ہلانے والا شخص ڈاکٹر زاہد کا نوکر نجیب تھا۔ اس کے چہرے پر ائیاں اڑا رہی تھیں۔ اس نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب' بڑے صاحب بری حالت میں ہیں۔ جلدی چلئے' دی چلئے۔"

"کیا ہوا' کیا ہوا؟" میں نے بھی پریشان لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں آپ چل کر دیکھئے۔" بہرحال نیند سے جاگا تھا چنانچہ کسی قدر بدحواسی طاری تھی۔ دوڑتا ہوا ہی وہاں پہنچا تھا جہاں زاہد تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سینہ پکڑا ہوا تھا اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی رنگ پیلا ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں

سے اپنا سینہ مسل رہا تھا۔

"جلدی کرو۔ کہا تھا نا میں نے تم سے کہا تھا نا۔ مجھے جلدی تہہ خانے میں لے چلو اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے مجھے شاہینہ کے آنے سے پہلے تابوت میں پہنچا دو۔" میں نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ یہ شخص میری نگاہوں میں انتہائی پُراسرار تھا۔ میں بالکل نہیں سمجھ پایا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس میں کہاں تک سچائی ہے لیکن اس وقت اس کی جو حالت تھی وہ واقعی حیران کن تھی۔ میں نے ایک بار پھر کہا۔

"شاہینہ کہاں ہے؟"

"نہیں آئی ہے وہ ابھی تک اپنی ایک دوست کے ہاں گئی ہوئی ہے۔" وہ ایک بار زور سے کانپا اور پھر اس کا جسم ایک طرف ڈھلکتا گیا۔ نجیب نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا' کیا ہو گیا۔" میں نے اس کی نبض اور دل کی کیفیت کا جائزہ لیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ کیسا عجیب اتفاق ہے۔ اس نے اپنی وصیت پہلے سے تیار کر لی تھی۔ اپنے دوست کو طلب کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ سلطان خود بھی اس دنیا میں نہیں تھا اور اس کا ہم شکل ہونے کی حیثیت سے میں اس چکر میں پھنس گیا تھا اور اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس میں زندگی باقی نہیں رہی ہے۔ مجھ پر حیرتوں کے دورے پڑ رہے تھے۔ پھر میں نے نجیب کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہارے مالک اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ویسے انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں مرنے کے بعد تہہ خانے میں لے جایا جائے اور تابوت میں رکھا جائے۔ کیا تمہیں اس تہہ خانے کے بارے میں معلومات ہیں۔"

"صاحب نے یہ وصیت کی تھی؟" نجیب نے آنسو بھری آواز میں پوچھا اس کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ بہرطور وہ ایک وفادار ملازم ہے۔ میں نے اس سے کہا۔

"ہاں نجیب' بڑی عجیب بات ہے اور میں سخت حیران ہوں کہ یہ سب کیا ہوا ہے۔ مگر خیر تم میری رہنمائی کرو۔"

"آیئے صاحب۔" وہ مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات انسان کوشش کے باوجود انسانی ہمدردی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پنے آپ پر اس طرح طاری نہیں کر سکتا۔ یہ ساری چیزیں ایک طرح سے غیر فطری لوم ہوتی ہیں۔ اس شخص کی موت کا مجھے کوئی خاص صدمہ نہیں ہوا تھا۔ بظاہر میں ں کے دوست کے بدلے میں یہاں آیا تھا لیکن پھر بھی میں اس کا دوست نہیں تھا۔ پانک ہی میرے دل میں ایک اور احساس ابھرا۔ ویسے تو زندگی میں بہت سے اچھے ے مرحلے آئے تھے۔ ایک آدھ مرتبہ کچھ دلچسپ صورت حال بھی پیش آگئی تھی۔ ے روبی یا گلنار کا سلسلہ لیکن اب ایک ایسی لڑکی یا عورت کو مجھے انعام میں دیا گیا تھا۔ ں کے بارے میں ڈاکٹر زاہد کا کہنا تھا کہ سلطان کی حیثیت سے یونیورسٹی میں' میں اس ے محبت کرتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ شیطانی تصور آیا۔ دولت اور عورت ایک ساتھ رہی ہے چنانچہ دماغ پر ایک نشہ سا طاری ہونے لگا۔ میرے لئے یہ ضروری نہیں تھا ہ میں زاہد کی وصیت پر عمل کرتا اور اسے لے جا کر تابوت میں لٹاتا لیکن اس عجیب ریب وصیت کو جان کر مجھے تجسس تھا کہ میں اس تابوت کو دیکھوں جس میں لیٹنے کے ے زاہد نے بے چینی سے اظہار کیا تھا۔

بہرحال ملازم نجیب مجھے ساتھ لے کر اس تہہ خانے میں پہنچا اور وہاں پہنچنے کے مجھے معلوم ہوا کہ تہہ خانے میں ڈاکٹر زاہد نے اپنی لیبارٹری بنا رکھی ہے اس ارٹری کو دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بلاشبہ وہ ایک شاندار میڈیکل ارٹری تھی ایسی لیبارٹری کہ اگر میں ڈاکٹر ہوتا تو اس لیبارٹری پر فخر کرتا۔ تہہ خانہ لیبارٹری کے مزید نچلے حصے میں تھا اور اس کا چور دروازہ لیبارٹری ہی میں کھلتا تھا۔ ب شاید ڈاکٹر زاہد کا بہت ہی خاص' بہت ہی قابل اعتماد ملازم تھا۔ کیونکہ اسے ڈاکٹر ہد کے تمام راز معلوم تھے۔ چنانچہ اس نے وہ چور دروازہ کھولا جو تہہ خانے میں جاتا اور ہم زینے طے کر کے نیچے اتر گئے۔ تہہ خانہ بھی عام تہہ خانوں کی نسبت خاصا ف ستھرا اور کافی کشادہ تھا۔ البتہ وہاں کچھ حبس تھا اور ایک مدھم روشنی والا بلب رہا تھا۔

تہہ خانے کی آخری دیوار کے ساتھ میں نے ایک تابوت رکھا دیکھا۔ بالکل نیا بنایا ا اور خوبصورت تابوت تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر اس کا ڈھکن کھلا تو میری آنکھیں ت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ تابوت میں ایک آرام دہ گدا بچھا ہوا تھا۔ لیکن وہ دہ اونچا نہیں تھا۔ سرہانہ اتنا اونچا تھا کہ ڈھکن بند کرنے پر لاش کا سر ضرور ڈھکن ٹکرائے۔ اس تابوت میں کپڑوں کا ایک جوڑا بھی رکھا ہوا تھا لیکن کچھ بہت ہی

عجیب سا بس یوں سمجھ لیجئے کہ ڈریکولا جیسا لباس تھا۔ وصیت میں یہ لباس ڈاکٹر زاہد کو پہنانے کی ہدایت لکھی ہوئی تھی۔ میں نے نجیب کو اس وصیت سے آگاہ کیا تو اس نے میری مدد کرنے کے لئے رضامندی ظاہر کردی۔ بہرحال ہم لوگ اس کام کے لئے آمادہ ہوگئے۔ تہہ خانے میں ہوا کی آمدورفت کے لئے ایک روشن دان بنا ہوا تھا جس پر لوہے کی جالی لگی تھی یہ روشن دان مکان کے احاطے میں کھلتا تھا۔ ہم نے لاش کو وہ عجیب و غریب کپڑے پہنا کر تابو میں رکھا تو باہر بڑے زور کی بجلی چمکی اور تہہ خانہ اس سے بالکل روشن ہوگیا۔ نجیب شاید دہشت کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس کے حلق سے کئی دلخراش چیخیں نکل گئیں اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا بڑی مشکل سے وہ اعتدال پر آیا تھا۔

یہ محسوس کرکے کہ وہ ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہے اس کی دہشت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن بہرحال لاش کو تابوت میں بند کرکے میں نے اس کا ڈھکن بند کردیا۔ تہہ خانے کے روش دان سے بھیگی ہوا کا جھونکا اندر آیا تو احساس ہوا کہ بارش ہو رہی ہے لیکن وہ خالی بارش نہیں تھی بلکہ ہوا اور بارش کا شدید طوفان تھا۔ بجلی بھی اسی شدت سے چمک رہی تھی۔ بہرحال میں اور نجیب تہہ خانے سے باہر نکل آئے اور پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ میں ایک صوفے پر گر گیا۔ پھر میں نے نجیب سے کہا۔

"کیا تم مجھے ایک پیالی کافی بنا کر دے سکتے ہو۔" اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے باہر دیکھا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر گردن ہلادی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا اسی وقت اچانک بجلی چلی گئی تھی۔ میں شدید تھکن کا شکار تھا اور گرد و پیش پر توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور میرے ذہن میں مختلف خیالات چکرانے لگے۔ کیا ہی عجیب و غریب صورت حال تھی لیکن عجیب صورت حال تو شروع ہی سے میرا تعاقب کر رہی تھی۔ اب میں کیا کرتا اس بارے میں کہ زندگی انہی واقعات سے منسلک کردی گئی تھی۔ بہت سے خیالات سے گزرتے ہوئے میرے ذہن میں شاہینہ کا خیال آیا۔ شاہینہ کی شکل و صورت کیسی ہوگی؟ کیا وہ ایک خوبصورت عورت ہے؟ اور کیا واقعی وہ ڈاکٹر زاہد کی یاد اپنے ذہن سے جھٹک کر مجھے اپنا سکتی ہے۔ یہ تو ڈاکٹر زاہد کی کہی ہوئی بات تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے قبول کرنے سے انکار کردے۔ بہرحال وہ زاہد کی بیوی رہ چکی ہے۔ ایک اور خیال میرے دل میں آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سنسنی کا باعث بن گیا۔ اگر شاہینہ نے مجھے قبول کرنے سے انکار کردیا تو پھر تو مجھے ڈاکٹر زاہد کی دولت بھی نہیں ملے گی کیونکہ اس کی وصیت کا حصہ یہ بھی تھا کہ ہم دونوں شادی کرلیں تو یہ دولت میرے نام منتقل ہوجائے گی۔ اس خیال سے میں تھوڑی دیر کے لئے مضطرب ہوگیا۔

میں ان سوچوں میں ڈوب گیا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہوا کہ میرے اردگرد کوئی سرسراہٹ سی ہے۔ میں نے چونک کر نجیب کو آواز دی لیکن میری اس پکار کا کوئی جواب نہیں ملا اس کا مطلب ہے کہ آس پاس نجیب موجود نہیں ہے اور کوئی یہاں بالکل نہیں تھا۔ پھر یہ سب کچھ کیا ہے۔ نہ جانے کیوں میرے دل نے پکار کر کہا کہ ڈاکٹر زاہد کی روح میرے اردگرد گردش کر رہی ہے۔ سو فیصدی ایسا ہی ہے۔ گاہے گاہے' چمکنے والی بجلی میں مجھے سامنے والی دیوار پر عجیب عجیب شکلیں بنتی دکھائی دے رہی تھیں۔ برآمدے کی طرف سے آنے والے سرد تھپیڑے ڈرائنگ روم کے ماحول کو بھی سخت ترین کرنے پر قادر ہوگئے تھے۔ پھر اچانک باورچی خانے کی جانب سے آہٹ ہوئی اور نجیب ایک پرانی لالٹین لئے نمودار ہوا۔ لالٹین کی زرد روشنی مزید وحشت ناک تھی۔ جب وہ قریب آیا تو مجھے اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں جھلکتی دکھائی دیں۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے نجیب! تمہارا خوف ابھی تک دور نہیں ہوا۔ تم تو نہایت بزدل انسان نکلے یار!" میں نے بے تکلفی کا ماحول قائم کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں سر وہ.......... وہ" نجیب کی خوفزدہ آواز ابھری۔

"کیا وہ.......... کیا کافی موجود نہیں ہے۔"

"مم.......... مم جناب' آپ نے' آپ نے ابھی مالک کی آواز نہیں سنی۔" وہ کانپ کر بولا۔

"کیا؟" میں چونک کر بولا۔

"میں اسی لئے ابھی اس طرف آیا تھا کہ آپ کو بتادوں۔"

"تم شاید ہوش میں نہیں ہو نجیب! اس بیچارے کی آواز کہاں سے آسکتی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے اپنے مالک کی لاش نہیں دیکھی تھی کیا؟"

"جی دیکھی تھی۔"

"کیا وہ زندہ تھا؟"

"نہیں بالکل نہیں لیکن سر یہ آواز کیسی ہے؟" وہ ہکلایا۔

"آخر کون سی آواز؟" میں نے پوچھا تو نجیب نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اس جانب اٹھایا جدھر تجربہ گاہ کی طرف جانے کا راستہ تھا۔ میں نے کان لگا کر سنا تو ایسا لگا جیسے کوئی تہہ خانے کا دروازہ پیٹ رہا ہو۔ میرے پورے بدن میں ایک شدید سردی کی لہر نمودار ہوگئی۔ دروازہ پیٹنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اور یہ بات میں اور نجیب دونوں جانتے تھے کہ تہہ خانے میں ڈاکٹر زاہد کی لاش کے سوا اور کوئی لاش نہیں ہے۔ اچانک ہی مجھے ایک خیال آیا تو میں نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے زوردار آواز میں کہا۔

"اوہ۔ بے وقوف شخص تہہ خانے میں چوہے بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ لاش کی بو طلے پر تابوت پر چڑھ رہے ہوں گے۔ یہ کھڑکھڑاہٹ انہی کی وجہ سے ہے۔"

"یہ بات آپ سے زیادہ میں جانتا ہوں صاحب۔ ڈاکٹر صاحب کو چوہوں سے نفرت تھی اس لئے وہ تہہ خانوں میں ایسی دوائیں ڈالتے رہتے تھے جس سے چوہے مرتے رہتے ہیں۔ تہہ خانے میں چوہا تو چوہا' چوہے کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"تت۔ تو پھر کیا ہو سکتا ہے؟" میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگی تھیں۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" نجیب بے بسی سے بولا۔ میں سوچ میں ڈوب گیا پھر میں نے نجیب سے کہا۔

"کیا خیال ہے ہم دوبارہ تہہ خانے میں چلیں۔"

"مم.......... میں' میں نہیں جاؤں گا صاحب۔"

"دیکھو نجیب صورت حال ایسی ہے کہ اگر کوئی خطرناک بات ہوئی تو میں اور تم دونوں ہی اس کا شکار ہوں گے۔ ہمت کرو تمہیں میرے اور مجھے تمہارے سہارے کی سخت ضرورت ہے۔ آؤ چلتے ہیں۔" بمشکل تمام نجیب تیار ہوا۔ بجلی گئی ہوئی تھی لہٰذا لالٹین کی روشنی میں ہم اس تہہ خانے میں پہنچے اور ایک بار پھر اس لیبارٹری میں داخل ہوگئے۔ زرد روشنی میں سائنسی آلات کے سائے دیواروں پر ہیبت ناک نقوش ترتیب دے رہے تھے۔ میں نجیب کا حوصلہ بڑھا رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اپنی آواز میں' میں خود اپنا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تجربہ گاہ سے گزر کر جب ہم تہہ خانے کے دروازے کے پاس پہنچے تو ہمیں پھر وہی دستک سنائی دی اور اس بار اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتھ ایک آواز بھی آئی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ عجیب سی واز تھی۔ گھٹی گھٹی نجیب نے ایک بار پھر چیخ ماری اور مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی شش کی لیکن میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

"جاہل آدمی انسان بنو اس ساری صورت حال کے بارے میں جاننا بے حد روری ہے کیا تم اس عمارت ہی سے نکل بھاگو گے۔ باہر اس وقت خوفناک طوفان آیا ا ہے۔ وہ تمہیں ایک لمحے کے اندر موت کی نیند سلا دے گا۔ جبکہ تم اندر محفوظ رہ تے ہو۔ آخر میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں۔ چلو دروازہ کھولو۔ ہو سکتا ہے روشن ن سے کوئی پرندہ اندر آگیا ہو۔" مجھے خود ہی اپنے ان الفاظ کا احساس ہوا۔ روشن ن پر تو لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی۔ اس طرف سے کسی پرندے کے آنے کا سوال ہی ں پیدا ہوتا تھا لیکن یہ بات نجیب کے ذہن میں نہیں آئی۔ میرے ان الفاظ سے اس خوف تھوڑا بہت کم ہوا تھا۔ پھر اس نے کانپتے ہاتھوں سے تہہ خانے کا دروازہ کھول لالٹین اس نے میرے ہاتھ میں دی اور خود میرے پیچھے آگیا۔ بہرحال اس قدر شت زدہ وہ ضرور تھا۔ ہم ابھی زینے ہی طے کر رہے تھے کہ پھر وہی دھپ دھپ کی واز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کسی نے کہا۔

"نکالو' نکالو مجھے باہر نکالو۔" آواز واضح نہیں تھی لیکن پھر بھی سمجھ میں آ رہی ں۔ تہہ خانے کے فرش پر پاؤں رکھ کر میں نے لالٹین کو سامنے کر کے وہاں کا جائزہ ۔ دور رکھے ہوئے تابوت میں یقیناً کوئی گڑبڑ تھی کیونکہ اس کا ڈھکن بار بار اوپر اٹھ ا تھا۔ پھر اچانک ہی ایک پُرشور آواز سنائی دی اور تابوت کا ڈھکن کھل گیا۔ خوف ے اس وقت میری جو حالت کی تھی' وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پتہ نہیں نجیب کا کیا ل تھا لیکن خود میری کیفیت اس وقت اس قدر خراب ہوگئی تھی کہ آنکھوں میں ندلاہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔ میں تابوت میں سے دو انسانی ہاتھوں کو باہر نکلتے دیکھ رہا ۔ یہ ہاتھ تابوت کے کناروں پر جم گئے اور پھر ڈاکٹر زاہد کی لاش اس میں سے اٹھتی ی دکھائی دی لیکن اسے لاش تو نہیں کہا جا سکتا تھا وہ تو ایک بالکل زندہ انسانی وجود لوم ہوتا تھا۔ اس کے بدن کا ہر حصہ حرکت کر رہا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ ں گھور رہا تھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں سانپ جیسی چمک تھی۔ اسے زندہ دیکھ کر ب کے دانت بجنے لگے اس کے حلق سے مدھم مدھم سی آوازیں بھی نکل رہی ں۔ میرے دماغ میں یہ خیال کروٹیں لے رہا تھا کہ شاید ڈاکٹر زاہد نے مجھے بیوقوف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنایا ہے۔ اس نے ممکن ہے اپنے آپ پر کوئی تجربہ کیا ہو یا پھر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مر کر کیسے زندہ ہوا۔ تاہم یہ یقینی بات ہے کہ اس کی موت اور زندگی میں اس تابو کا کوئی اہم کردار ہے۔ اگر یہ واقعی کوئی تجربہ ہے تو مجھے داد دینا چاہئے کیونکہ میں خود اس کے جسم کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے تھے اور جسم ا گیا تھا لیکن اب وہ تابوت میں بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً ہی اس کے حلق سے ایک قہقہ اور وہ چھلانگ لگا کر باہر آ گیا۔ ہنستے ہوئے اس نے کہا۔

"اور اب میں زندہ مردہ مر گیا ہوں کیا سمجھے؟ یہ لباس کیا تم یقین کرو گے مائی ڈ سلطان کہ یہ لباس کاؤنٹ ڈریکولا کا ہے اور اب اس کی روح میرے جسم میں آ ہے۔ اب میں تم لوگوں کا خون پیوں گا۔" اس نے خوفناک آواز میں کہا اور اپنا لبادہ لہرایا۔ وہ ہم لوگوں کی طرف بڑھا تو نجیب کی خوفناک دھاڑ سنائی دی اور وہ لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا زینے پر چڑھا اور تہہ خانے سے باہر نکل آیا لیکن میں خاموش ا جگہ کھڑا اسے گھورتا رہا تھا۔ اس خیال نے مجھے تقویت دی تھی کہ وہ صرف مج خوفزدہ کر رہا ہے۔ آخر کار وہ میرے قریب پہنچ گیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار ہمیشہ کی طرح آج بھی مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ تم دلیر آدمی ہو بہرحال کیسا رہا یہ سب کچھ۔"

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ سب کیا ڈرامہ بازی ہے۔" میں نے سرد ل میں بولا۔

"ڈرامہ بازی نہیں میری جان ایک تجربہ' ایک انوکھا تجربہ۔ آؤ اوپر چلتے ہیں میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا۔" وہ بولا اور میں خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ روم طرف چل پڑا۔ میں نے لالٹین سنبھال رکھی تھی۔ اس وقت نہ جانے کیوں میر ذہن میں اس کے خلاف نفرتوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ سارے منصوبے چوپٹ کر د تھے۔ اس بدبخت کو یہ نہیں معلوم تھا کہ درحقیقت میں سلطان ہوں ہی نہیں۔ وہ خو ایک بہت بڑا دھوکا کھا رہا ہے۔ بہرحال اب میرے ذہن میں ایک شدت سی پیدا ہو جا رہی تھی۔ سارا منصوبہ ہی چوپٹ ہو گیا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ مجھے یہاں سلطان حیثیت سے پولیس کی نگاہوں سے چھٹکارا ملنے والا تھا۔ دوسری بات یہ کہ دولت او پھر شاہینہ جیسی حسین عورت جیسا کہ اس کے بارے میں صرف میرا خیال تھا لیکن ا کی زندگی میں تو یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔ شاہینہ کو تو میں نے ایک نگاہ دیکھا بھی نہیں

لیکن یہ سب کچھ جو کچھ ہوا تھا۔ وہ میرے لئے بڑا تکلیف دہ تھا لیکن اب میں نے چ لیا تھا کہ اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔ اس نے وصیت تیار کرنے اور شاہینہ کو میری تحویل میں دینے کا جو سوانگ رچایا تھا اس نے مجھ کو اس کے لئے تیار کر دیا تھا کہ میں خود بھی کچھ کروں۔

"ہاں۔ میری جان تم ذرا سچ سچ بتانا کہ تمہیں یہ تجربہ کیسا لگا۔ اصل میں' میں ایسی دوا تیار کرنے کی فکر میں تھا جس سے گوشت لمبی مدت تک کے لئے محفوظ کیا ئے اور جب میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میں نے تمہیں یہاں آنے کی دعوت دی۔ تم نادانستہ طور پر میرے تجربے میں تعاون کر سکو۔"

"آخر کیوں ایسا کیوں کیا تم نے۔"

"میں نے کہا نا کہ یہ ایک محض ایک مذاق تھا جب یہ دوا تیار ہو گئی تو میں نے اس لمبی مدت تک تجربات کئے۔ خرگوش' چوہے اور بلی کا گوشت یوں منجمد ہو گیا جیسے دہ ہو گئے ہوں۔ مگر وہ زندہ تھے کیونکہ میں نے اس کا توڑ بھی دریافت کر لیا تھا۔"

"لیکن اپنے اوپر تم نے اس توڑ کا کیسے استعمال کیا۔"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا تم اس تجربے میں میرے ساتھ ت کرو گے یقین کرو سلطان ہم دنیا کے بہترین محقق قرار پائیں گے۔"

"کیا چاہتے ہو تم۔"

"لائٹ چلی گئی ہے لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ پہلے اس دوا کو دیکھ لو۔" اس نے اٹھائی اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک بار پھر تجربہ گاہ کی طرف یہاں پہنچ کر اس نے لکڑی کی ایک بڑی الماری سے ایک بڑی سی شیشی نکالی اور یرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا۔

"یہ ہے وہ دوا جس کے ذریعے ہم ساری دنیا میں مشہور ہو سکتے ہیں۔" میں نے اتھ میں لی۔ مجھے واقعی حیرت ہو رہی تھی میں نے کہا۔

"تمہارا جسم تو اکڑ گیا تھا اور دل کی دھڑکن بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ بتاؤ کوئی بہت ڈاکٹر اگر ایسی حالت میں تمہارا تجزیہ کرتا تو کیا اس پر اس حقیقت کا انکشاف سکتا تھا کہ تم زندہ ہو۔"

"ہرگز نہیں میرے دوست۔ ہرگز نہیں۔ اگر میرے سو ٹیسٹ بھی ہوتے تو ان ظاہر ہوتا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نہیں مانتا۔ مجھے یقین نہیں ہے۔"

"یہ کون سی مشکل بات ہے کل پھر میں یہی تجربہ تمہارے سامنے کروں گا اس وقت تم اپنا مکمل اطمینان کرلینا۔"

"کل کیوں آج ہی کیوں نہیں۔ کیا دوبارہ یہ تجربہ کرکے تمہاری اس زند کوئی خطرہ درپیش ہو سکتا ہے۔"

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن اب سے کچھ دیر کے بعد شاہینہ والی ہے۔" اس نے کہا اور پھر ایک دم خود ہی بولا۔

"لیکن بارش اس قدر تیز ہے کہ ممکن ہے کہ وہ اپنی سہیلی کے ہاں رک جا کیونکہ راستے بے حد خراب ہیں چلو ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو ایک بار پ تجربہ کرتے ہیں۔"

"ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہو۔ کیونکہ میرے ذہن میں جو منصوبہ آیا تھا۔ اس کے تحت یہ فوری تجربہ میں اس چاہتا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"مگر ایک شرط ہے۔"

"کیا..........؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ تجربہ کل میں تمہارے اوپر کروں گا تاکہ اس کے بعد میں اس دوا کے مشاہدہ کرسکوں۔ سلطان میرے دوست' میں نے تمہیں بلایا بھی اسی لئے ہے بہرحال میں جانتا ہوں کہ میرا تم سے بڑا رازدار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر تم مکمل طور پر اس کے لئے مطمئن ہو تو میں تیار ہوں۔"

"آؤ تو پھر تم مجھے انجکشن دے دو۔ میرا جسم بے جان ہونے میں ایک گھنٹہ اور اتنا ہی وقت نارمل ہونے میں لیکن ایک خیال رکھنا کہ مجھے فوراً ہی تابوت دینا۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔"

"اصل میں' میں شاہینہ پر اس تجربے کا انکشاف نہیں کرنا چاہتا۔ کیا سمجھے۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور رومال نکال کر پسینہ پونچھا۔ ایک ایسا عمل کر تھا جو میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ حالانکہ اگر سچی بات پوچھی جائے تو زندگی ہنگامہ آرائیوں کے سوا اور کچھ رکھا ہی نہیں تھا۔ مشکلیں مصیبتیں اور پتہ نہیں

ہ ساری چیزیں میری جان کے لئے عذاب بن گئی تھیں۔ وہ کم بخت سادھو کالی چرن اور اس کے بعد چمپا جو میرے لئے ایک بہت بڑی مشکل بن گئی تھی۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں یہ ایک سنگین سوال میرے سامنے آگیا تھا۔ بہرحال وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تو میں ایک عجیب وغریب تجربے سے گذر رہا تھا سارے کام ہوتے چلے گئے۔ اس نے سرنج کی دوا اپنے بازو میں انجکٹ کی اور پھر بولا۔

"ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ پتہ نہیں یہ طوفان کب رکے گا۔ روشنی آجانی ہئے۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ لالٹین لے کر باہر چلا گیا۔ میں نے اس کی آواز سنی وہ یب کو پکار رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور بولا۔

"نجیب میرا خیال ہے گھر سے بھاگ گیا ہے۔ پوری عمارت میں کہیں اس کا پتہ یں ہے۔"

"بھاگ گیا؟"

"ہاں۔ یقینی طور پر وہ شدید خوفزدہ ہوگیا تھا۔" کچھ دیر کے بعد دوا اس پر اثر کھانے لگی اور وہ اپنا سینہ مسلنے لگا۔ پھر نہ جانے مجھ کو کیا سوجھی۔ میں نے اس سے ہا۔

"تو تھوڑی دیر بعد تم خود اس تجربے کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"ہاں لیکن مختصر وقت کے لئے۔"

"اب یہ وقت مختصر نہیں ہوگا میرے دوست' کیونکہ جو مذاق تم نے مجھ سے کیا ہے۔ وہ مذاق اب تمہارے گلے پڑ جائے گا۔ کیا سمجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہاری بیوی کبھی کسی زمانے میں سلطان سے ت کرتی تھی لیکن تم نے اس سے اسے چھین لیا ایک دلچسپ بات تمہیں اور بتاؤں۔ یہ کہ میں سلطان نہیں ہوں بلکہ اس کا ایک ہم شکل ہوں سلطان مرچکا ہے بے ا۔"

"کک..........کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"میرا نام شعبان ہے۔ کیا سمجھے اور اب جب تم تابوت میں جاکر سو جاؤ گے میں ی طور اس تابوت سے باہر نہیں آنے دوں گا۔ تمہارا وصیت نامہ میرے پاس اور کوئی بھی مجھے مجرم ثابت نہیں کرسکے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کمینے، ذلیل، کتے کیا بکواس کر رہا ہے تو؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھا لیکن اس کے پاؤں بے جان ہو چکے تھے وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا اور پھر اچانک ہی ایک طرف بڑھنے لگا لیکن وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا وہ نہیں کر سکا اور تھوڑی دیر بعد تجربہ گاہ کے دروازے پر ہی دم توڑ دیا۔ اس کا جسم پہلے ہی کی مانند اکڑ گیا تھا۔ میں مسکراتا ہوا اس کے پاس جا بیٹھا۔ اب وہ بے جان ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی لاش کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور ڈرائنگ روم میں لے جا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کا لباس تبدیل کیا۔ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ لائٹ آ گئی باہر بارش رک چکی تھی۔ کافی دیر تک میں اسی طرح بیٹھا رہا کہ اچانک ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور ایک حسین لڑکی اندر داخل ہوئی۔ میں نے اسے ایک نگاہ میں ہی پہچان لیا۔ سو فیصدی شاہینہ ہی تھی۔ بہت ہی حسین بے حد متناسب مجھے دیکھ کر وہ حیرانی سے بولی۔

"ارے سلطان! تم۔"

"ہاں میں۔ دیکھو میرے دوست کو کیا ہو گیا۔" میں نے غمزدہ لہجے میں کہا اور شاہینہ کی نگاہیں ڈاکٹر زاہد کی جانب دوڑ گئیں۔ پھر اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

"کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا یہ۔ یہ سب کچھ کیا ہو گیا۔" میں نے اسے تمام صورت حال بتائی وہ وصیت نامہ بھی اسے دکھایا لیکن وہ غم سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ بمشکل تمام میں نے اسے سنبھالا اور پھر شاہینہ ہی نے ڈاکٹر زاہد کے واقف کاروں وغیرہ کو ٹیلی فون کر کے بلایا اور اس کے بعد باقی تمام کام خاموشی سے کر لئے گئے۔ ڈاکٹر زاہد اپنی ہی تیار کی ہوئی موت کا شکار ہو گیا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ خاموشی سے گزر گیا اس دوران شاہینہ کو تمام تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔ وصیت کی رو سے اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اگر میں نے اور اس نے شادی نہ کی تو ساری دولت اور جائیداد ٹرسٹ میں چلی جائے گی۔ بہرحال یہ سارے معاملات چل رہے تھے پھر اس دن میں کہیں گھوم پھر کر واپس آیا تھا کہ گھر میں، میں نے نجیب کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"نجیب تم کب واپس آئے۔"

"بس مالک کی موت کی خبر سن کر آ گیا تھا۔"

"ہاں۔ بہت ہی افسوس ناک بات تھی۔"

"شاہینہ بی بی کی حالت تو بہت ہی خراب ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔ واقعی کہاں ہے شاہینہ۔" میں نے سوال کیا تو نجیب کہنے لگا۔

"وہ تہہ خانے میں ہوں گی۔ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ پھر میں نے انہیں پورا واقعہ سنایا تو وہ سنتے ہی میرے سر ہو گئیں کہ میں مالک کی لاش قبرستان سے نکال کر لاؤں اور لا کر تابوت میں لٹا دوں۔" میں بری طرح اچھل پڑا اور میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تت.......... تو کیا تم نے ڈاکٹر کی قبر کھود دی تھی۔"

"کیا کرتا صاحب! بی بی جی نے مجھے مجبور کر دیا۔"

"اور لاش نکال لائے تھے۔"

"جی صاحب۔ ہم نے اسے تابوت میں لٹا دیا تھا۔"

"کک.......... کیا۔ کیا واقعی۔" میں نے سوال کیا اور اس کے بعد میں نے برق رفتاری سے تہہ خانے کی طرف دوڑ لگا دی۔ تہہ خانے میں جو کچھ مجھے نظر آیا اس نے میرے سارے وجود میں زخم ہی زخم بھر دیئے تھے۔ قبر میں اتنے عرصے رہنے کی وجہ سے ڈاکٹر زاہد کی لاش انتہائی خوفناک ہو گئی تھی لیکن اس کا چہرہ۔ اس کا چہرہ آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ یہ.......... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو چہرہ مجھے نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر زاہد کا تو نہیں تھا لیکن یہ چہرہ مکمل طور پر میرا شناسا چہرہ تھا۔ میرے خدا، میرے خدا کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔ یا ایک بار پھر میں اسی خوفناک طلسم کے زیر اثر آ گیا ہوں۔ جس نے میری زندگی سے خوشیاں چھین لی ہیں۔ یہ چہرہ صرف اور صرف کالی چرن کا چہرہ تھا۔ کالی چرن کے علاوہ یہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ میری آنکھوں میں اندھیرا سا چھانے لگا۔ پھر میرے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ نکلی۔ میں نے یہ نہیں دیکھا کہ نجیب پر کیا اثر ہوا۔ یا شاہینہ پر کیا گزری میں نے تو وہاں سے دوڑ لگا دی تھی اور جس طرح بھی ممکن ہو سکتا تھا دوڑتا ہوا پہلے بنگلے سے پھر اس آبادی سے نکل آیا تھا۔ میرے پیروں میں نہ جانے کہاں سے اتنی قوت آ گئی تھی کہ میں کسی تیز رفتار گھوڑے کی مانند دوڑ رہا تھا۔ دور بہت دور نہ جانے کتنی دور اور کس وقت تک دوڑتا رہا تھا جب تک حواس ساتھ دیتے رہے تھے۔ پھر اس کے بعد بے ہوشی کے عالم میں کہیں بیٹھ گیا تھا یا گر گیا تھا۔ کچھ پتہ نہیں تھا۔

نہ جانے کتنا وقت بے ہوشی کے عالم میں گزر گیا۔ پھر ہوش آیا تو سر پر کالی رات مسلط تھی۔ ہر طرف گھور تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن بائیں سمت ایک روشنی موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ تیز روشنی محدود تھی۔ میں اس کے بارے میں اندازہ لگاتا رہا' لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی' گذرے ہوئے طلسمی واقعات مجھے یاد آنے لگے اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہرچند کہ میں اصلی سلطان نہیں تھا کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ زاہد دوبارہ زندگی پاچکا تھا اور اس کے بعد......... لیکن اس کی شکل کالی چرن کی شکل میں کیسے تبدیل ہو رہی تھی۔

"اس کا دوش نہیں تھا۔ اس سمے ہم اس کے شریر میں تھے جب اس کے نوکر نے ہمیں پکارا تھا۔" ایک طرف سے آواز آئی اور میں پھر بدحواس ہو گیا۔ یہ آواز کالی چرن کی تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ اور سوچوں وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "نہیں اس بار نہ تو بھاگے گا نہ ہماری بات سے انکار کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری دشمن بھی تجھ سے مدد چاہتی ہے۔ اگر تو ہمارے چنگل سے نکل گیا تو وہ تجھے تلاش کر لے گی اور ہمارا سارا کام خراب ہو جائے گا تو نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تجھے ختم کر دیں گے۔ ورنہ ہمیں ختم ہونا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے کالی چرن تو مجھے مار دے۔ مگر میں وہ نہیں کروں گا جو تو مجھ سے چاہتا ہے۔"

"وہ ہم کر چکے اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے پر تجھے کچھ اور کام کرنے ہیں ہمارے۔"

"کون سے کام؟"

"ایسے نہیں پہلے ہمیں گرو مان لے۔ حالانکہ تو ہماری دشمن کے لئے ایک خون کر چکا ہے۔"

"تمہاری دشمن؟"

"اسی حرام خور چمپاوتی کی بات کر رہے ہیں۔ جو سات کالے چراغ روشن کر کے ہم سے ہمارا جیون چھیننا چاہتی ہے ہمارے ہی خلاف تو ہے اس کا کام۔"

میں سکتے میں آگیا تھا کیا انوکھی باتیں سن رہا تھا۔ پھر میں نے کہا۔

"چمپاوتی تمہاری دشمن ہے۔"

"ہاں۔ پر ابھی ہم تجھے پوری کہانی نہیں سنائیں گے۔ پہلے تو ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر جو کچھ وہ تجھ سے کروانا چاہتی ہے وہ ہمارے ہی خلاف ہے اور اب یہ مجبوری

ہے کہ اگر تو ہمارا ساتھی نہ رہا تو تیرا جیون ختم کرنا ہی ہمارے لئے ضروری ہو گا۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کالی چرن جیسے جادوگر کے لئے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ چنانچہ مصلحت سے کام لینا ضروری تھا میں نے کہا۔

"تو مجھے کیا کرنا ہو گا کالی چرن؟"

"پہلے من سے ہمیں گرو مان۔"

"چلو مان لیا۔"

"تو پھر ہمیں اپنے کندھوں پر بٹھا کر لے چل۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی ٹانگوں کی طرف دیکھا۔ اس کی ٹانگیں پتلی پتلی کسی اپاہج آدمی کی ٹانگیں لگ رہی تھیں۔ میں نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ میرے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ "اور کچھ پوچھے بنا آگے بڑھ۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور آگے قدم بڑھا دیئے اس کا بوجھ بالکل نہیں تھا البتہ میں اس مصیبت در مصیبت کے بارے میں سوچ لیا تھا۔

"تھوڑا سا فاصلہ طے کرو اور اس کے بعد تمہیں ایک بستی کے آثار نظر آئیں گے۔ ہمیں اس بستی پہنچنا ہے اور دیکھو جو کچھ بھی میں بتاتا ہوں وہ کرتے رہو۔ تھوڑے دن کے لئے خوشی سے اپنے آپ کو میرے حوالے کر کے دیکھو' پھر فیصلہ کر لینا کہ میرا ساتھ اچھا ہے یا برا۔"

میں نے ٹھنڈی سانسیں لے کر خاموشی سے اختیار کر لی اس کا کہنا بالکل درست تھا ہم نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا تھا کہ ایک بستی کے آثار نظر آئے کوئی چھوٹی موٹی بستی نہیں تھی۔ بڑی بڑی شاندار عمارتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ چل پھر رہے تھے کئی کئی منزلہ عمارتیں تھیں۔ بستی میں داخل ہوتے ہی اس کا نام بھی معلوم ہو گیا یہ بستی شام گڑھی کے نام سے جانی جاتی تھی اور اچھی خاصی بڑی بستیوں میں شمار ہوتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کم بخت کالی چرن اتنے وسائل رکھتا ہے لیکن بہرحال وہ ایک خوفناک جادوگر تھا اور اب چونکہ میں اس کے شکنجے میں پھنس چکا تھا چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اس سے جنگ کرنے کے بجائے اسے بیوقوف بنانے کی کوشش کی جائے ورنہ میرے تو برے دن چل رہے تھے اور میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ آگے تقدیر میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ میں اس وقت مصیبت زدہ ہو چکا تھا اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا تھا ادھر سے جو تباہی اور بربادی مجھ پر نازل ہوئی تھی وہ بمشکل تمام مان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی دعاؤں سے ٹلی تھی اور ادھر ایک بار پھر کالی چرن مجھ کو میری منزل سے بھٹکا رہا تھا۔ بہرحال اس نے کان کے پاس سرگوشی کی اور بولا۔

"دیکھ اب اگر تُو مجھ سے غداری کرے گا تو اس کے بعد تجھے آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں تجھے ایک خاص مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہوں میرا بھی اپنا ایک کام ہے جو تجھ جیسے آدمی سے ہی نکل سکتا ہے۔ تھوڑا بہت تو تجھے اس بارے میں بتا چکا ہوں اب ہم ایسا کرتے ہیں کہ میں تیرے کندھوں سے اتر جاتا ہوں مگر میں اپنے آپ کو اندھیرے میں چھپا لوں گا کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تجھے تنہا چھوڑ رہا ہوں۔ جہاں بھی تجھے میری ضرورت پیش آئی میں تیرا ساتھ دوں گا اور تجھے صورت حال بتاتا رہوں گا۔ تجھے اب میرے کام شروع کرنے ہیں۔"

"کالی چرن میں تجھ سے کہہ چکا ہوں کہ میں تیرے ساتھ ہوں' اب بار بار کسی شبہے کا اظہار کرکے خود میرے ذہن کو خراب مت کر۔"

"ٹھیک ہے' تیری جیب میں نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی ہیں وہ سامنے جو ہوٹل نظر آ رہا ہے اس کا نام ہوٹل الورا ہے۔ بہت اچھا ہوٹل شمار ہوتا ہے۔ اصل میں شام گڑھی سیاحوں کی جنت ہے ویسے تو یہ بہت بڑی آبادی نہیں ہے لیکن سرکار نے یہاں سیر و تفریح کے لئے ایسی جگہ بنا رکھی ہے کہ باہر سے آنے والے سیاح یہاں آتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہاں کچھ قدرتی غار ہیں' جن میں زمانہ قدیم کی بہت سی مورتیاں سجی ہوئی ہیں۔ اس لئے لوگ یہاں ان مورتیوں کو دیکھنے آتے رہتے ہیں۔ اب تُو اس ہوٹل میں قیام کرے گا۔ بعد میں' میں تیرے کمرے میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرے کندھے کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔ ویسے بھی شہر میں داخل ہوتے ہوئے یہ عجیب و غریب مضحکہ خیز کیفیت بہت بری لگتی ہو گی۔ میں تھوڑی دیر تک جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد اچانک ہی چونک کر میں نے اپنی جیبوں کا جائزہ لیا' مجھے چکر سے آ گئے تھے۔ میری جیبوں میں بڑے بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں تھیں اور یہ رقم اتنی تھی کہ میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس رقم کو میں استعمال کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہئے اور اس کے بعد اپنے آپ کو اعتماد دلا کر ہوٹل کی طرف بڑھ گیا۔ زندگی سے اب اتنا ناواقف بھی نہیں رہا تھا کہ یہ نہ جان سکوں کہ ہوٹلوں میں کیسے رہا جاتا ہے۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے کمرہ طلب کیا

اور ہوٹل کی تیسری منزل پر مجھے ایک کمرہ الاٹ کر دیا گیا۔ ہوٹل کے ملازم نے مجھے کمرے میں پہنچایا تو کمرہ دیکھ کر میری آنکھیں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ بہت خوبصورت فرنیچر سجا ہوا تھا اس کمرے میں' ویسے کمرے کا کرایہ جو مجھے بتایا گیا تھا وہ بھی اتنا ہی شاندار تھا جتنا اس ہوٹل کے کمرے کا فرنیچر۔

دنیا کس طرح عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بہت سے غم کے مارے بھی ہیں جن کے لئے دو وقت روٹی عذاب بنی ہوئی ہے۔ بہرحال دنیا کا الٹ پھیر بہت سی بار میری نگاہوں کے سامنے آ چکا تھا۔ بڑے بڑے عجیب و غریب لمحات گزار دیئے تھے میں نے' سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں پر غلط ہوں اور کہاں پر صحیح؟ بڑی مشکل ہے دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے اپنے اقدامات کے بارے میں فیصلہ کرنا شاید انسان کے لئے سب سے مشکل کام ہے۔ ملازم کے جانے کے بعد میں جوتے اتار کر مسہری پر لیٹ گیا اور اپنی زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے سمجھا کہ ہوٹل کا ویٹر آیا ہے مجھ سے یہ پوچھنے کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ میں حیرانی سے دیکھتا رہا پھر مجھے واقعی حیرت ہوئی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ دروازے پر پہنچا' دروازہ تو پہلے کا بند تھا اور اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ ہوا سے نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر یہ کس نے کھولا اور کس نے بند کیا؟ تبھی مجھے عقب سے کالی چرن کی آواز سنائی دی۔

"ارے میری وجہ سے پریشان ہو رہا ہے۔"

میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اچانک ہی کالی چرن ایک کرسی پر نمودار ہو گیا وہ بیٹھا ہوا میری طرف دیکھ رہا تھا اس کی صورت دیکھ کر مجھے ایک دم سے نفرت کا احساس ہوا' میرا دل چاہا کہ کوئی وزنی چیز اٹھا کر اس کے سر پر ماروں مگر یہ مناسب نہیں تھا۔ کالی چرن بدستور مسکراتا رہا جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

"کھوپڑی کے اندر تک ہم اتر نہیں سکتے پر تیری آنکھیں دیکھ کر ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم سے بڑی نفرت کرتا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کالی چرن! تمہاری وجہ سے مجھے جتنے نقصان اٹھانے پڑے ہیں تمہیں خود ان کا اندازہ ہے۔"

"وہ تُو نے خود کیا ہے۔ ہماری مصیبت تُو نے اپنے گلے خود لگائی ہے۔"

"ارے بھول جاتا ہے کیا بار بار' ہم خود تو تیرے پاس چل کر نہیں آئے تھے تُو چل کر ہمارے پاس آیا تھا۔"

"خیر خیر بیکار باتیں مت کرو' تُو نے جتنی مصیبت اٹھائی ہے ناں اب ہم تجھے اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔ نوکر چاکر حویلی' خوبصورت لڑکیاں' خوشامدیں کرنے کے لئے بے شمار افراد اور کچھ چاہیئے ہوتا ہے انسان کو اپنے جیون میں؟"

"ہاں۔"

"ارے تو بول ناں کیا چاہیئے تجھے۔"

"میرے ماں باپ' میرا گھربار' میرے عزیز و اقارب۔" میں نے رونے والی آواز میں کہا اور کالی چرن کا چہرہ سُست ہوگیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"دیکھ وہ بھی مل جائیں گے تجھے' مگر کوئی بھی کام اتنی آسانی سے نہیں ہوجاتا سنسار میں اگر تم کسی سے کچھ مانگتے ہو تو اس کے بدلے میں تمہیں بہت کچھ دینا بھی پڑتا ہے کیا سمجھے۔"

"مجھے کیا دینا ہے؟"

"گرو دان' سمجھ رہے ہو ناں' گرو دان۔"

"وہ کیا ہوتا ہے۔"

"مجھے اپنا گرو مان لے۔ گرو جی کہا کر مجھے اور جب کوئی کسی کو اپنا گرو بناتا ہے تو اسے کچھ کرنا بھی ہوتا ہے اپنے گرو کے لئے کیونکہ گرو تو اسے گیان شکتی دیتا ہے سمجھ رہا ہے ناتُو۔"

"ہاں۔"

"تیرا نام راجہ ناصر ہے۔ رات کو تُو اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں جائے گا اور وہاں میں تجھے جو بتاتا رہوں گا تُو وہ کرے گا۔ میں تیرے ساتھ ساتھ ہوں گا۔ تیرے کانوں میں بات کروں گا اور تجھے بتاتا رہوں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔ الماریوں میں دیکھ تیرے لئے بڑے بڑے قیمتی سوٹ لاکر ٹانگ دیئے ہیں میں نے' مجھے تجھ سے پہلے بڑا کام لینا ہے۔"

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ کالی چرن نے کہا۔

"بات سمجھ گیا ہے نا میری؟ اب میں چلتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آہستہ چلتا ہوا دروازے تک پہنچا' کم بخت کی بڑی بڑی ٹانگیں بڑی عجیب و غریب تھیں' اسے یہ ٹانگیں سمیٹنا پڑی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بند دروازے کے اندر ہی ہو' بڑی خوفناک بڑی پُراسرار شخصیت تھی۔ پھر میں نے اپنے بارے میں سوچا' راجہ ناصر' رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میں نے الماریاں کھول کر پہلی بار دیکھیں اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ الماری میں واقعی شاندار سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ دل میں بے اختیار یہ جذبہ پیدا ہوا کہ چلو اور کچھ نہیں تو زندگی کا ہی لطف اٹھایا جائے۔ بہت سی باتیں دل میں آرہی تھیں حمدو کا بھی دل میں خیال آیا تھا لیکن وہ تو اب پرانا قصہ ہوگیا تھا اب وہ جیسے بھی زندگی گزارے۔ غرض یہ کہ میں نے اپنے آپ کو تیار کرلیا۔ غسل وغیرہ کرکے شاندار سوٹ زیب تن کیا اور اس کے بعد ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں اتر آیا۔ کیا شاندار جگہ تھی' انتہائی وسیع و عریض چاروں طرف میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف میوزک بہت ہی مدھم سُروں میں ایک خوبصورت دھن بجا رہا تھا۔ لوگ زندگی کی عیش و عشرت میں مصروف تھے۔ کھاپی رہے تھے ہنسی مذاق کر رہے تھے' کتنی دلکش زندگی ہے ان کی' کیا ان میں سے کسی کو کالی چرن نہیں ملا' کیا ان سب کے ماں باپ ان کے پاس موجود ہیں' ان کا سکون ہی بتاتا ہے۔ تو کیا یہ سکون میری زندگی میں نہیں آسکتا' میں نے جلے دل سے سوچا اسی وقت ایک ویٹر میرے پاس آگیا اور بولا۔

"سر! آپ کی میز۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میرے کمرے کے نمبر کے مطابق ایک میز میرے لئے ریزرو تھی' میں اس کی جانب بڑھ گیا اسی وقت مجھے کالی چرن کی آواز اپنے کانوں کے پاس سنائی دی۔

"تجھ سے زیادہ دور نہیں ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی اور اس بات سے خوش ہوا کہ کم از کم وہ میرے ذہن میں نہیں جھانک سکتا' یعنی جو کچھ میرے ذہن میں ہے اسے نہیں پتہ چل سکتا۔

ہاں عمل کی بات دوسری ہے یعنی یہ کہ میں اگر ایک لٹھ اٹھا کر اس کے سر پر ماروں تو اسے پتا تو چلے گا ناں۔ بہرحال میں اس میز پر پہنچا' چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں' میز صرف ایک آدمی کے لئے ریزرو تھی لیکن میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے محسوس کیا کہ میرے داہنی سمت والی کرسی بھی پیچھے سرکی ہے۔ کالی چرن بھی یہیں بیٹھ گیا تھا۔ ویٹر نے میرے آگے کارڈ لاکر رکھ دیا۔ کالی چرن نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بھئی کوئی ہلکا پھلکا مشروب لے لو' کھانا بعد میں کھالینا۔"

"یہ ہدایت بھی تم ہی دو گے مجھے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں نہیں۔ یہ مقصد نہیں ہے میرا' وہ دیکھو سامنے والی میز پر دیکھو۔"

اس نے اشارہ کیا اور میری نگاہیں اس میز کی جانب اٹھ گئیں۔ لمبے قدو قامت کی ایک خوبصورت سی لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی تھی اور کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی۔

"وہ بلا کماری ہے۔ بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہے۔ تم اٹھ کر اس کے پاس جاؤ گے اور اس سے اس کے بارے میں بات کرو گے۔ اسے ایک ایسے لڑکے کا انتظار ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے لیکن جس کے بارے میں وہ مشکوک ہے۔ اس لڑکے کا نام راہل سانو ہے اور وہ ایک فراڈ لڑکا ہے۔ تم اسے جاکر ساری تفصیل بتاؤ گے۔ اپنے آپ کو ایک ماہر چہرہ شناس ظاہر کرنا ہے۔" وہ کم بخت مجھے جانے کیا کیا باتیں بتاتا رہا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر یہ صورت حال ہے تو بہت تو بڑی دلچسپی ہوجائے گی۔ میں حسین مردوں اور لڑکیوں کو ان کے ماضی کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ میرے گرد تو مجمع جمع ہوجائے گا۔ بہرحال ویٹر سے میں نے ایک ڈرنک منگوایا اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ اچانک ہی مجھے محسوس ہونے لگا جیسے کالی چرن میرے پاس سے چلا گیا ہو لیکن اس لڑکی کے بارے میں اس نے جو تفصیلات بتادی تھیں وہ میرے ذہن میں پوری طرح موجود تھیں۔ لڑکی کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔ وہ بار بار کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی۔ اپنا ڈرنک ختم کرکے میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"میں تھوڑا سا وقت لینا چاہتا ہوں' آپ سے۔"

وہ بے چینی سے مجھے دیکھنے لگی لیکن اس کے بعد میں خود ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا آپ اس بارے میں یقین کریں گی کہ میں آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"بڑی فضول بات کہی آپ نے' آپ میرے بارے میں جان بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ میں پہلی بار آپ کی صورت دیکھ رہی ہوں۔"

"اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا ہے لیکن میں یہ بات جانتا ہوں کہ آپ بلا کماری ہیں۔" اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بولی۔

"اور میں اس قدر غیر معروف بھی نہیں ہوں کہ لوگ مجھے نہ جانیں۔"

"اور بلا کماری جس بے وفا آدمی کا انتظار کر رہی ہیں وہ نہیں آئے گا اگر آپ چاہیں تو اس وقت گلف کلب کے عقبی حصے میں موجود چھوٹے سے پارک میں ساوتری دیوی کے ساتھ اسے دیکھ سکتی ہیں۔"

بلا کماری کا چہرہ ایک دم تاریک ہوگیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اور تم کہتے ہو کہ تم میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"ہاں۔ میں یہی کہتا ہوں' آپ مجھے بتائیے کماری جی کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ آپ میرے بارے میں کیا جانتی ہیں۔"

"کچھ نہیں میں نے کہا ناں کہ میں تمہاری صورت پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

"ہاں۔ سو فیصدی مجھے یقین ہے کہ ایسی ہی بات ہے لیکن میں واقعی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا البتہ آپ کی صورت دیکھ کر آپ کا انداز دیکھ کر آپ کو کچھ بتا سکتا ہوں کیونکہ یہ میرا فن ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ایکس' وائی' زیڈ۔" میں نے جواب دیا۔

"گویا اپنا نام بتانا نہیں چاہتے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔"

"میرے پاس کیوں آئے ہو۔"

"بس آپ پریشان ہو رہی تھیں۔ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھیں راہل سانو کا انتظار کر رہی تھیں میں نے سوچا کہ آپ کو انتظار کی زحمت سے چھٹکارا دلا دیا جائے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تم نجومی ہو۔"

"کہہ لیجئے آپ نجومی کہہ لیجئے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مسٹر' رفو چکر ہوجاؤ فوراً یہاں سے' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری پٹائی ہوجائے۔"

"ٹھیک ہے ویسے ایک بار آپ نے اپنے منیجر کی پٹائی کی تھی۔ اس کا نتیجہ آپ دیکھ لیا ہوگا۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے جلدی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

"خدا کی پناہ تم مجھے کب سے جانتے ہو؟"

"کماری جی! میں نے کہا نا میں آپ کے بارے میں بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں۔ مثلاً وہ بھی بتا سکتا ہوں جب آپ اپنے گھوڑے سے گری تھیں اور ایک سادھو آپ کو اپنی کٹیا میں لے گیا اور آپ کو جب ہوش آیا تو آپ اپنا بہت کچھ لٹا بیٹھی تھیں۔ آپ کلی سے پھول بن گئی تھیں اور اس کے بعد سالہا سال آپ اس سادھو کو تلاش کرتی رہیں۔"

"تب تو کیا تم وہ سادھو تھے۔"

"توبہ کریں، کماری جی! کیا میں آپ کو اتنا بوڑھا نظر آتا ہوں۔"

"ارے تو مجھے بتاؤ کہ تم ہو کون آخر۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی اور میں ہنسنے لگا پھر میں نے کہا۔

"صرف چہرہ شناس کماری جی۔ آپ یقین کریں جو راز آپ نے اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھے وہ بھی آپ کو بتا سکتا ہوں۔ مثلاً وہ دستاویز جو آپ نے راہل سانو کو دی ہے اور جس کی وجہ سے آپ کے پتا جی ایک بڑی مشکل کا شکار ہو سکتے ہیں۔ وہ دستاویز راہل سانو آپ کو واپس بھی لا کر دے سکتا ہے۔ بڑے کام کی چیز ہوں میں بلا کماری جی۔"

بلا کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے اس نے کہا۔

"تم وہ باتیں جانتے ہو جو کسی کو نہیں جاننی چاہئیں تھیں۔"

"آپ کے پرس میں ننھا سا پستول ہے آپ چاہیں تو وہ نکال کر مجھ پر فائر کر سکتی ہیں۔" میں نے کہا اور بلا کماری کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

"تم یہ بھی جانتے ہو۔"

"کمال ہے آپ بار بار یہ سوال کر کے پتا نہیں میری توہین کرنا چاہتی ہیں یا اپنی تسکین۔ خیر کہنا یہ تھا کہ راہل سانو ساوتری دیوی کے ساتھ عیش کر رہا ہے اور آپ یہاں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے وہ سامنے والی میز میرے لئے ریزرو ہے۔ بس آپ کی بے چینی اور پریشانی دیکھی تو دل نہ مانا۔ یہ نہ سمجھئے کہ مجھے آپ سے کوئی لالچ ہے اور میں آپ سے کوئی غرض رکھتا ہوں۔ یہ تو صرف ایک

وستانہ قدم تھا، آپ مسلسل شک بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہوں۔" میں نے کرسی کھول کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو س نے جلدی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولی۔

"دوستی کا قدم اٹھایا ہے تو اتنی جلدی چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

"نہیں کماری جی! میں نے بتایا نا کہ آپ کے من میں شک و شبہات پیدا کرنا نہیں ہتا اور آپ کے پاس آنے میں میرا کوئی لالچ چھپا ہوا نہیں تھا۔"

"بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔ میرے ساتھ کچھ اور وقت گزارو۔"

"آپ کی مرضی ہے۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک راز قامت عورت، اسے عورت ہی کہنا چاہئے۔ عمر تیس بتیس سال سے کم نہیں تھی ن بہت ہی دلکش بڑے اچھے لباس میں اس کی طرف بڑھی۔

"ہائے بلا، اکیلی بیٹھی ہو۔" وہ ہائے ہائے کرتی ہوئی بلا کے پاس آ گئی تو بلا نے ہا۔

"ہیلو جیوتی۔ آؤ بیٹھو میرے ساتھ، کوئی اور بھی ہے۔"

"نہیں کوئی نہیں ہے تمہیں پتا ہے میں تو اکثر یہاں آتی رہتی ہوں۔"

"ہاں بالکل آؤ پلیز بیٹھو۔"

"یہ کون ہے؟" جیوتی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک پُراسرار شخصیت۔" بلا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور جیوتی ے غور سے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اتنی پُراسرار بھی نہیں ہے کون صاحب ہیں یہ؟"

"جادوگر۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہو کیا بلا کماری پر بھی آپ نے جادو چلا دیا۔ ویسے یہ کسی کی جادوگری میں نے کی قائل تو نہیں ہیں بلکہ لوگ خود ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ آپ کون ، جادوگر ہیں؟"

"بیٹھئے جیوتی جی، آپ کے پتی دیو جس فلائٹ سے جا رہے تھے نا وہ فلائٹ کینسل ئی ہے۔ آپ جو عیش کرنے نکل پڑی ہیں وہ.........." ابھی میرا جملہ پورا نہیں ہوا لہ جیوتی کے موبائل پر بیل ہوئی اور اس نے معذرت کر کے اپنا موبائل آن کیا اور سے کان سے لگا کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیلو رنیش تم کہاں سے بول رہے ہو' ایئر پورٹ سے' فلائیٹ کینسل ہوگ کیوں؟ اوہو واپس آجاؤ گے' اچھا ٹھیک ہے اگر اسی فلائٹ سے جا رہے ہو تو اب مج اطلاع دینا میں فکر مند رہوں گی' ہاں ہاں گھر سے ہی بول رہی ہوں اور کہاں بولوں گی۔ اوکے۔" اور اس کے بعد جیوتی نے موبائل بند کر دیا پھر چونک کر بولی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فلائٹ کینسل ہو گئی ہے۔" جواب میں' میں سر کھجا لگا اور بملا کماری ہنسنے لگی پھر میں نے کہا۔

"جیوتی جی اسی فلائیٹ سے روانہ ہو جائیں گے وہ کیونکہ جو فنی خرابی ہو گئی اس میں' وہ آدھے گھنٹے میں درست ہو جائے گی آپ فکر نہ کریں۔ ویسے ایک او دلچسپ اطلاع دوں آپ کو' آپ کے پتا جی آپ کے گھر آ رہے ہیں بس سمجھ لی تھوڑی دیر بعد وہ آپ کے گھر پہنچنے والے ہیں۔"

"بملا کماری یہ کون ہیں؟"

"جادوگر۔" بملا نے کہا اور ہنس پڑی۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم' جیسے تم.........." جیوتی خاموش ہو گئی۔

"بھئی یہ صاحب تو بڑے عجیب ہیں انہوں نے مجھے بھی پریشان کر کے رکھ دیا او اب تم میری پریشانی میں شریک ہو گئی ہو یقین کرو مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم لیکن انہوں نے جو کچھ بھی بتایا ہے۔ کمال کی بات ہے' یہ تو واقعی۔"

"ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں؟ راہل اور ساوتری کو میں ایک ساتھ پارک کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر آئی ہوں۔" جیوتی نے کہا اور بملا خاموش نگاہوں سے اُ دیکھنے لگی' پھر بولی۔

"بھاڑ میں جائے راہل مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"دیکھئے صاحب! آپ اپنا نام بتا دیجئے کیا فائدہ ہم پولیس کو اس بارے میں اطلا دیں۔" جیوتی نے پُر مذاق لہجے میں کہا۔ اسی وقت اس کے فون کی بیل بجی اور اس۔ ایک بار پھر موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔ پھر بولی۔

"ہاں کیا بنا تمہاری فلائٹ کا' کون بول رہا ہے۔ کیا بات ہے دھرمو۔ کیا پتا جی گھ پہنچ گئے ہیں ابھی ابھی' او ٹھیک ہے خیریت سے تو ہیں ناں' وہ ٹھیک ہیں آ رہی ہو بس دس منٹ کے اندر اندر آ رہی ہوں۔ اوکے۔" جیوتی نے فون بند کر دیا۔ پھر پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"بملا' پتا جی ابھی ابھی گھر پہنچ گئے ہیں' دیکھو تم ان صاحب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ بعد میں ان سے تفصیل سے بات کریں گے' انہوں نے تو ہمیں پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔" بملا نے گردن ہلا دی' اس کے بعد بولی۔

"کچھ رکو تو سہی جیوتی۔"

"نہیں بملا پتا جی آ گئے ہیں' جانا ضروری ہے مگر پلیز تم ان صاحب کو نگاہوں میں رکھنا۔" اس کے بعد وہ چلی گئی تو بملا نے عاجزی سے کہا۔

"اب تو اپنا نام بتا دیجئے۔ آپ واقعی باکمال شخصیت ہیں۔ میں نے مان لیا۔"

"آپ نے ایک اچھا نام تو رکھ دیا ہے جادوگر کہہ لیں مجھے کیا حرج ہے بلکہ مجھے خود یہ نام پسند آیا۔"

"تم نے مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو ان کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہو گا۔"

"اس شہر میں یعنی شام گڑھی پہلی بار آیا ہوں۔"

"دیکھو معاف کرنا اپنی ان معلومات کا معاوضہ لیتے ہو تم۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ میرا ذریعہ معاش تو نہیں ہے۔"

"نہیں میں نے معافی مانگ لی ہے میں تم سے بے حد متاثر ہوئی ہوں۔ جو کچھ تم نے میرے بارے میں مجھے بتایا ہے براہ کرم کسی اور کو نہ بتانا۔"

"ایک بات سنو! اگر تم یہ سوچ رہی ہو بملا کماری کہ میں کوئی بلیک میلر ہوں اور تمہاری ذاتی باتیں جان کر تم سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا تو اس خیال کو دل سے نکال دو۔"

"نہیں پلیز تم بس مجھے دوست کی حیثیت سے ملتے رہو۔ میں اپنے آپ کو ایک خوش نصیب ہستی سمجھوں گی۔"

"اوکے' اوکے۔" پھر کھانا بملا کماری کے ساتھ ہی کھایا گیا۔ میں نے اسے اپنے روم نمبر کے بارے میں بتا دیا تھا لیکن نام نہیں بتایا تھا کیونکہ اس کے بارے میں' میں نے کالی چرن سے بات نہیں کی تھی۔ بہرحال کافی دیر تک وہ میرے ساتھ رہی' میرے کمرے تک آئی اور پھر واپسی کے لئے پلٹتے ہوئے بولی۔

"جانا نہیں' میں کل بھی تم سے ملاقات کروں گی۔" جب وہ چلی گئی تو میں نے گہری سانس لی اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ اچانک ہی مجھے کالی چرن کا خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سی سرسراہٹ گونجی تو میں نے گھوم کر دیکھا کالی چرن

کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گہری سانس لی اور کہا۔

"تم یہاں موجود ہو۔" وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"یہ بتا کیسی رہی؟"

"ہاں دلچسپ رہی۔"

"دیکھو اس سے بہت زیادہ اڑنے کی کوشش مت کرنا۔ بہت زیادہ دھرماتما بھی نہ بن ارے پاگل! یہ سنسار تو جیون کے سواد اٹھانے کے لئے ہے' یہ حسین لڑکیاں جو ہوتی ہیں ناں' یہ عمر بڑھاتی ہیں۔ زندگی کا یہ کھیل تھوڑے ہی عرصے کے لئے ہوتا ہے۔ انسان اس سے بھی گریز کرے تو وہ پھر انسان نہیں فرشتہ ہو سکتا ہے۔ آئندہ خیال رکھنا اگر ایک بار بھی اسے اپنے ساتھ وقت گزارنے کی دعوت دیتا تو وہ انکار نہ کرتی۔ جھلائی ہوئی ہے اور وہ بہت سے ایسے معاملات میں الجھی ہوئی ہے کہ اسے بھی ذہنی سکون چاہئے۔ بات ایک بلا کماری کی ہی نہیں لاتعداد بلا کماریاں ہیں کیا سمجھا۔"

"ایک بات بتاؤں کالی چرن' میں نے ان لوگوں کو اپنا نام نہیں بتایا۔"

"بڑا اچھا کیا' مگر کوئی نام تو بتانا ہوگا۔ ہاں ناموں سے ایک شناخت ہوتی ہے۔ ہندو ہو تو کوئی ہندو نام بتا دینا۔ مثلاً اوم' کیا سمجھا اور اگر مسلمان ہو تو مسلمانوں کے نام۔ میرا اپنا بھی ایک نام ہے۔ ویسے تُو ایک بات بھول گیا ہے کہ تجھے ہوٹل میں راجہ ناصر کے نام سے درج کرایا گیا ہے۔ اگر بلا کماری ذرا بھی چالاک ہے تجھے چھوڑنے کے بعد اور تیرا کمرہ دیکھنے کے بعد وہ ہوٹل کے کاؤنٹر رجسٹر میں تیرا نام دیکھے گی اور اسے پتہ چل جائے گا کہ راجہ ناصر' ویسے جو کچھ میں نے تجھے بتایا ہے نا اس کا خیال رکھنا۔ ٹھیک ہے۔" پھر میں آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تھوڑا سا وقت جو ڈائننگ ہال میں گزارا تھا۔ میرے لئے بڑی خوشگوار بات یہ تھی کہ مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ جیوتی بذات خود ایک پُرکشش عورت تھی۔ کماری بلا بھی شاندار تھی اور اگر اس طرح ان لڑکیوں کو میں ان کے بارے میں بتاتا رہا تو میرے گرد ہر وقت لڑکیاں رہا کریں گی۔ انسانی فطرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ لوگ سب کچھ چاہتے ہیں۔ میں بھی بہرحال ان جذبوں سے خالی نہیں تھا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ انہی سوچوں میں نہ جانے کب نیند آ گئی۔ دوسری صبح دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی اور اس دستک پر ہی میں جاگا تھا۔ دروازہ بے شک میں نے اندر سے بند کر دیا تھا لیکن ہوٹل کا ویٹر اسے باآسانی کھول سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ یہ ویٹر نہیں ہے۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو کماری بلا کھڑی تھی' میں حیران سا رہ گیا وہ بولی۔

"بے شک مجھے اندازہ ہے کہ میں غلط طریقے سے آئی ہوں لیکن پلیز مجھے اندر آنے کی اجازت دو۔"

"آؤ' آؤ۔" میں نے کہا اس نے اندر آ کر دروازہ بند کر دیا تو میں بولا۔

"اگر ایمرجنسی ہو تو کم از کم مجھے واش روم تک جانے کی اجازت تو دے دو۔"

"پلیز ایک بات بتاؤ۔ میں روم سروس کو فون کر کے ناشتہ منگوالوں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے منگوالو۔"

"اوکے۔" میں واش روم چلا گیا اور بڑے اطمینان سے شیو وغیرہ بنا کر غسل کر کے لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تھا۔ اس دوران میں کماری بلا کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ گویا کالی چرن کا کہنا بالکل صحیح تھا کہ بلا کماری میری وجہ سے رات کی نیند کھو چکی تھی۔ باہر آیا تو بلا کماری نے پسندیدگی کی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"سچ مچ شہزادے لگتے ہو' تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں نہیں جان سکتی ناصر۔"

"بہت آسان سی بات تھی بلا جی' ہوٹل کے کاؤنٹر رجسٹر سے آپ نے ضرور میرا نام دیکھ لیا ہوگا۔" وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"مگر تمہارا نام جادوگر ہی ٹھیک ہے۔ میں تو تمہیں پیار سے جادوگر ہی کہا کروں گی اور تم ہو بھی جادوگر۔ لوگوں کو ان کے ماضی' حال اور مستقبل کی باتیں تو بتا ہی دیتے ہو لیکن ان کے دلوں پر قبضہ جمانے میں بھی کمال رکھتے ہو۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ہوٹل کا ویٹر ناشتے کی چیزیں لے کر آ گیا تھا۔ بات ٹل گئی۔ ناشتہ کیا گیا بلا کماری نے کہا۔

"اور تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اتنی صبح تمہارے پاس کیسے آ گئی؟"

"میرے خیال میں یہ پوچھنا ایک غیر مناسب بات تھی' مہمان کسی بھی جگہ' کسی بھی وقت کسی کے پاس آ سکتے ہیں۔"

"میں مہمان نہیں ہوں۔"

"چلو جو کچھ بھی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ساری رات نہیں سوئی۔"

"کیوں؟"

"تمہارے بارے میں سوچتی رہی۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تم کون ہو؟"

"ساری رات سوچتی رہیں۔"

"ہاں۔ اور ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں۔"

"مجھے راہل سے نفرت ہو چکی ہے۔"

"اگر تمہیں راہل سے نفرت ہو چکی ہے تو میرا برا ماننے کا کیا جواز ہے؟"

"تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"کیسے؟"

"راہل سانو کو جلانے میں۔"

"کس طرح ساتھ دوں گا تمہارا۔"

"تمہیں میرے ساتھ محبت کا ناٹک کرنا ہوگا۔"

"صرف ناٹک؟" میں نے سوال کیا تو وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"جو من چاہے۔" اور پھر وہ مجھ سے بہت سی باتیں کرتی رہی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں اور کس کی وجہ سے بلا کماری سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہوں۔ بہرحال اس نے بہت سی باتیں کیں شام تک میرے ساتھ رہی اور پھر یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ مجھ سے جب اس کا دل چاہے گا آ کر ملتی رہے گی لیکن جناب رات کے تقریباً ساڑھے چار ہوں گے میں اپنے بستر پر لیٹا اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی بلا کماری ہی تھی۔ لباس وغیرہ تبدیل کر لیا تھا۔ چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ کہنے لگی۔

"کالی بلائیں دیکھی ہیں کبھی۔"

"کیوں؟"

"میں ہوں۔"

"تم تو کالی نہیں ہو۔"

"بلا تو ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"تم پر پھر نازل ہو گئی۔"

"میں بس حیران ہوں اور کوئی بات نہیں۔"

"میں اب اکیلے نہیں رہ سکتی۔ تم ہر وقت یاد آتے ہو۔" پتہ نہیں کم بخت کالی ن نے میری فطرت میں تبدیلی پیدا کر دی تھی یا پھر تقدیر مجھ پر اپنے گُر آزما رہی ۔ بلا کماری اندر آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور بند دروازہ' رات کی ائیاں' حسین وجود' جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا۔ بلا نے اپنے آپ کو میرے حوالے دیا اور میں اس کے بدن کی لطافتوں میں کھو گیا۔ دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی' بلا مائی شرمائی سی نظر آ رہی تھی۔ ناشتہ وغیرہ کر کے چلی گئی۔ پھر بولی۔

"شام کو میں تمہیں لینے آؤں گی۔ میری کچھ دوست ہیں جن سے میں نے تمہارا کرہ کیا ہے۔ سب کی سب تم سے ملنے کے لئے بے چین ہیں۔ کیا سمجھے۔"

"جیسے تم مناسب سمجھو۔" کالی چرن نے اس دوران میرے پاس آنے کی شش نہیں کی تھی۔ البتہ بلا کماری میری فرصت میں آ گئی تھی اور میں بھی اسے پسند نے لگا تھا۔ شام کو تقریباً پانچ بجے وہ آ گئی۔ اس کی کار بہت شاندار تھی۔ وہ مجھے اس میں لے کر چل پڑی۔ اس کے بدن سے نہایت حسین خوشبو اٹھ رہی تھی اور وہ سے کافی بے تکلف نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"راہل بھاڑ میں جائے' میں تو یہ کہتی ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ ٹھیک ہی ہوتا اگر میں اس کے چکر میں پڑ گئی ہوتی تو پھر تم مجھے کیسے ملتے۔" وہ باتیں کرتی رہی اور اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ جس عمارت میں وہ مجھے لے کر گئی تھی۔ پر بڑی خوبصورت نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی' شنکر کمار اس پر لکھا ہوا تھا۔ کوٹھی بہت ندار تھی۔ بڑے سے لان پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور ان کرسیوں پر چھ سات ن و جمیل لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بلا نے کہا۔

"یہ شنکر کمار جی کا گھر ہے۔ میرے پتا جی کے دوست ہیں مر چکے ہیں' اب سرے لوگ ان کا گھر چلا رہے ہیں۔ میں تمہیں ان کی بیٹی سیتا سے ملانا چاہتی ہوں۔ بڑی اچھی لڑکی ہے اور میری دوست بھی ہے میں نے یہاں جیوتی کو بھی دیکھا تھا جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مسکراتی ہوئی میرے پاس آئی تھی اور اس نے مجھ سے کہا تھا۔
"جادوگر جی! یہاں سب آپ کا انتظار کر رہی ہیں آپ کی جادوگری کو اگر ا
نے پسند کیا ہے تو یہ اس کی جادوگری ہے لیکن ایک بات آپ جان لیجئے۔ تھوڑا تھو
حصہ سب کو ملنا چاہئے۔ ہم بھی آپ کے طلب گار ہیں۔" میں مسکرا کر خاموش ہو
تھا۔ پھر میری ملاقات سیتا سے کرائی گئی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔
"ہیلو سیتا جی! آپ کا منگیتر امریکہ میں خیریت سے ہے۔ وہ آپ سے مخلص ہ
ہے آپ کے دل میں اس کے لئے جو الجھن ہے وہ بے کار ہے اور بے مقصد ہے۔
سیتا نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور پھر بملا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"گویا بملا جی آپ کو اچھی طرح لکھا پڑھا کر لائی ہیں۔"
"لیکن یہ بات بملا کو بھی نہیں معلوم کہ آپ نے کالج کے زمانے میں دلیپ ک
سے.........." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو سیتا کا چہرہ ہلدی کی طرح زِرد ہو گیا۔ ؛
نے مسکرا کر دیکھا تو وہ بولی۔
"آیئے نا بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سب کے سامنے تو نہیں کہا جا سک
آپ کیسے آدمی ہیں۔" میں ہنس کر آگے بڑھ گیا اور اس کے بعد ایک انتہائی دلچسپ
ماحول' راجہ اندر کا نام سنا تھا میں نے لیکن اس وقت میں سچ مچ راجہ اندر بن گیا تھ
لڑکیاں خاص طور پر اس سلسلے میں بہت متجسس ہوتی ہیں۔ میں انہیں ان کے بارے ؛
بتاتا رہا اور یہ سب کچھ کالی چرن میرے کان میں بتاتا رہا تھا۔ وہ ہوائی شکل میں میر
پاس موجود تھا۔ چنانچہ راجہ ناصر ان لوگوں کے درمیان آفاقی حیثیت اختیار کر گیا۔ ک
بھی ہم لوگوں نے وہیں کھایا تھا اور اس کے بعد بڑی مشکل سے واپسی کی اجازت
تھی۔ جیوتی نے خاص طور سے بملا سے کہا۔
"اگر اجازت دیں بملا کماری تو راجہ ناصر کو میں ان کے ہوٹل ڈرا
کر دوں۔"
"سوری میڈم جیوتی آج نہیں۔" جیوتی خاموش ہو گئی تھی۔ بملا کماری نے کہا
"یہ سب تم پر مکھیوں کی طرح بھنبھنائیں گی' ذہن میں رکھنا' انہیں اپنے آ
سے دور رکھنا ورنہ مشکلات میں پھنس جاؤ گے۔ سب کی سب اچھے خاندان کی ہ
بظاہر بڑی پاکیزہ فطرتوں کی مالک ہیں لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ پتہ چل گیا تو مصیبتوں ؛
پھنس جاؤ گے۔" پھر کماری بملا مجھے میرے کمرے تک لے آئی۔ اس نے آج ؛

رکنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا' میرے کمرے میں ہی تھی' باہر کوئی ٹیلی فون موصول
کوئی لڑکی تھی' بملا کماری کو پوچھ رہی تھی۔ کماری بملا نے فون سنا' اس کے بعد

"سوری راجہ ناصر ایک ایمرجنسی آگئی ہے۔ شہر سے باہر جانا ہے لیکن کل واپس
اؤں گی۔ پلیز۔"
"ٹھیک ہے۔" کماری بملا کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے
لی سی دستک ہوئی اور جیوتی اندر داخل ہو گئی۔ بہت ہی خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا
نے اور بے حد پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا تو وہ مسکراتی
بولی۔
"معذرت تو کرنی ہی پڑے گی راجہ صاحب! بات اصل میں یہ ہے کہ میں یہ بات
طرح جانتی ہوں کہ بملا کماری تمہاری مالک نہیں ہے تمہاری دوست ہے اور
دوست کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ایک حسین شخص پر اس طرح قبضہ جما کر بیٹھ
ے۔"
"آپ نوجوانی کے حسن سے مالا مال ہیں لیکن میڈم جیوتی۔ آپ۔"
"میرا شوہر ملک سے باہر گیا ہوا ہے اور میں خاصا مشکل وقت گزار رہی ہوں۔
مطلب ہے کہ تنہائیاں مجھے کھا رہی ہیں۔ سنو ڈیئر تمہیں میری مدد کرنا ہو گی' ویسے
تمہیں یہ بتانے میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرتی کہ بملا کماری کو میں نے غلط فون
کے ایک ایسی بات بتا کر شہر سے باہر بھیج دیا ہے کہ جسے وہ نظرانداز نہیں کر سکتی
ن پلیز تم اسے یہ بات کبھی نہ بتانا۔ ہماری دوستی خراب ہو جائے گی۔"
میں نے ایک گہری سانس لے کر جیوتی کو دیکھا۔ جو دلچسپ لمحات چل رہے تھے
کے بارے میں میرا اپنا فیصلہ کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بملا کماری کو رفو چکر
کے میڈم جیوتی نے مجھ پر قبضہ جما لیا تھا۔ بہرحال ایسے قبضے دلچسپ بھی ہوا کرتے
دوسری صبح وہ بڑے ناز بھرے انداز میں بولی۔
"تم نے آخر کار میرے اور بملا کماری کے تعلقات میں فرق ڈلوا ہی دیا۔"
"میں نے.........." میں گھبرا کر بولا۔
"ہاں۔ تم نے' ظاہر ہے اب ہم دونوں کے درمیان رقابت چلے گی اور ہمارے
قات خراب ہو جائیں گے۔"

"یہ ضروری تو نہیں ہے میڈم جیوتی! کہ میں آپ کے اور میڈم بملا کے درمیان فٹ بال بنا رہوں۔"

"فٹ بال کا لفظ غلط استعمال کیا ہے تم نے، چلو چھوڑو آج کہیں گھومنے نکلتے ہیں، ہوٹل میں پڑے پڑے تمہارا دل نہیں گھبراتا؟"

"کہاں؟"

"ذرا کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھو موسم کتنا خوبصورت ہے اور اس حسین موسم میں یہاں گھسے رہنا تو نہایت افسوس ناک بات ہوگی۔ چلو تیار ہو جاؤ نکلتے ہیں۔" میڈم جیوتی بھی کمال کی شخصیت تھی۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا کیونکہ کالی چرن نے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی اور میرے اب تک کے معاملات میں اس نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اس کام میں کالی چرن کی ناپسندیدگی کا کوئی شبہ نہیں تھا۔ بلاشبہ حسین موسم میں میڈم جیوتی نے مجھے ایسے ایسے مقامات کی سیر کرائی کہ میرا دل بھی خوش ہوگیا اور اس وقت بھی ہم ایک تاریخی مقام پر گھوم رہے تھے۔ جیوتی نے کہا۔

"میری ہمیشہ کی کمزوری ہے یہ تاریخ۔"

"کون سی تاریخ؟" میں نے بے خیالی سے پوچھا۔

"جن کھنڈرات میں تم گھوم رہے ہو وہ بڑی اعلیٰ شخصیت کے مالک ہیں، ان کی پوری ایک کہانی ہے آؤ ایک پتھر پر بیٹھ کر میں تمہیں یہاں کی تفصیل بتاتی ہوں بلکہ ایک منٹ۔" اس نے کہا اور پھر بے اختیار وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ سامنے ہی ایک در جیسی چیز نظر آرہی تھی۔ وہ اس در میں داخل ہوگئی کوئی ڈرامہ کرنا چاہتی تھی لیکن مجھے ان لوگوں کی ذرا بھی خبر نہیں تھی جو عقب سے میری جانب آرہے تھے۔ مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب کلوروفام کی ہلکی سی بو ابھری اور میرا دماغ ایک لمحے کے اندر چکرا گیا۔ کسی نے کلوروفام میں ڈوبا ہوا رومال ناک پر رکھا تھا اور اس کے بعد کچھ ہاتھ میری بغلوں میں داخل ہو کر مجھے گھسیٹنے کا باعث بنے تھے اور بس اس کے بعد کوئی احساس نہ تھا۔ ہوش اس شاندار کمرے میں آیا جہاں اے سی چل رہا تھا۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر حسین ترین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ماحول اتنا پُروقار کہ انسان حیران رہ جائے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ماحول کو دیکھتا رہا۔ تبھی میرے کانوں میں کالی چرن کی آواز ابھری۔

"تمہیں اغوا کرلیا گیا ہے اور جس جگہ تم پہنچے ہو وہ میری مرضی کی جگہ ہے۔ جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہاں ہو رہا ہے اسے ہونے دینا۔ تمہیں یہاں جو سمجھا جائے اپنے آپ کو وہی ظاہر ا۔ خبردار یہ میری ہدایت ہے جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرنا اور سنو یہ جگہ ایسی ہے یں بار بار یہاں نہیں آسکتا اور جب مجھ سے رابطہ قائم کرنا ہو تو صورت حال کو ی طرح قابو میں کرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے اس عمارت کے حصار سے باہر نا۔ اصل میں یہ عمارت ایک ایسے حصار میں گھری ہوئی ہے۔ جہاں میرا آنا جانا ں ہے وہ تو یوں کہو کہ تمہاری جیب میں بیٹھ کر آگیا ہوں۔ اس وقت جب تمہیں کیا جا رہا تھا۔ اب یہاں سے نکلنا بھی ایک مشکل کام ہوگا میرے لئے لیکن بہرحال نکل جاؤں گا۔ اچھا چلتا ہوں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔

"دو باتیں ذہن میں رکھنا تم میری مرضی سے آئے ہو جو بھی تمہیں اغوا کرکے لایا یں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اور تمہیں یہاں وہی کرنا ہے، وہی بننا ہے۔ جو وہ سمجھ رہے ہیں۔ بس اس سے آگے کوئی بات نہیں ہوگی۔" کالی چرن کی آواز بند ں اور میں حیرانی سے گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اس میں کوئی شک ں تھا کہ لطف آرہا تھا۔ زندگی کے بہت سے رخ نہیں دیکھے تھے لیکن جو دیکھا تھا ، دیکھ کر درحقیقت مزا آرہا تھا اور دل خوب لگ رہا تھا۔ بدلا ہوا ماحول، نئے نئے ، نئی نئی کہانیاں، ساری چیزیں بڑی دلکشی کا باعث تھیں۔ ابھی اپنی سوچوں میں گم ۔ دروازے پر آہٹیں سنائی دیں۔ ماحول سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے یں نے یہ فیصلہ کیا کہ ابھی اپنے آپ کو ہوش میں ظاہر نہ کروں چنانچہ پلکوں میں ی جھری پیدا کرکے میں دیکھنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ایک چہرے نے اندر جھانکا در اس کے بعد جھانکنے والا اندر آگیا تھا۔ اسے دیکھ کر پلکوں میں جھری پیدا کرکے ا کیا معنی، عقل میں جھری پیدا کرکے دیکھنا ضروری ہو جاتا تھا۔ انتہائی دلکش نقوش ے پاؤں تک کسی ماہر سنگ تراش کا شاہکار، دودھ جیسا سفید رنگ جو ہلکا سا زردی ں ہو رہا تھا۔ عنابی ہونٹ جن کا ابھار اس قدر پُرکشش تھا کہ انسانی دل و دماغ میں ا پیدا ہو جائے۔ ہر نقش اپنی جگہ مکمل۔ گھٹاؤں کی طرح امنڈتے ہوئے گہرے سیاہ جو منتشر تھے۔ چہرے کی کیفیت اور آنکھوں کا ابھار بتاتا تھا کہ کسی اضطراب کا شکار ۔ دبے قدموں بڑھتی ہوئی میری جانب بڑھی اور میرا وجود سکڑ کر رہ گیا۔ کائنات ایسے ایسے حسین وجود تخلیق کر دیئے گئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان ہوش و حواس بیٹھے۔ میرے قریب پہنچ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر مجھے دیکھتی

رہی اور پھر اس کی غمزدہ آواز ابھری۔

"سکندر۔ سکندر کب ہوش میں آؤ گے۔ قصور تمہارا نہیں میرا ہے۔ خالق کائنات نے جو کچھ بنایا ہے یہ اس کی ملکیت ہے۔ ہم لوگ اپنے آپ پر ناز کرنے لگتے ہیں اور دکھ اٹھاتے ہیں۔ ہاں سکندر' مجھے احساس ہے کہ قصور تمہارا نہیں ہے۔ میں ہی اپنے حسن پر نازاں تھی میں نے ہی اپنے آپ کو دیکھ کر سوچا تھا کہ کوئی ہے ایسا جو مجھے مسترد کر سکے۔ سکندر مجھے اس کی سزا ملی ہے تمہارا قصور نہیں ہے ہوش میں آجاؤ' سکندر مجھے اپنالو' مجھے اور دکھی نہ کرو' میرا غرور ٹوٹ چکا ہے تم میری زندگی ہو میری زندگی مجھے قبول کرو' تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" میں اس کے الفاظ سنتا رہا۔ باہر کسی نے آواز دی تو وہ تیزی سے پلٹی اور اس کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی لیکن وہ میرے ہوش و حواس چھین کر لے جا چکی تھی۔ ہاں وہ میرے حواس چھین کر لے گئی تھی۔ اس کا تصور اس قدر دلکش' اتنا حسین محسوس ہو رہا تھا کہ آنکھیں بند کر لوں اور چشم تصور سے اسے دیکھتا رہوں۔ کون ہے وہ کون ہے پھر اس کے الفاظ پر غور کیا۔ مجھے سکندر کہہ کر پکار رہی ہے اور اپنے سکندر سے شرمندہ ہے تو بھلا میں اسے نظر انداز کیسے کر سکتا تھا واقعی غور کرتا تھا' سوچتا تھا' بلکہ یہ سوچنا سمجھنا تھا' چنانچہ میں غور کرتا رہا اور بہت سے راز مجھ پر منکشف ہوتے رہے۔ کالی چرن نے مجھے یہاں بھیجا ہے اور بہت اچھے انداز میں بھیجا ہے۔ مجھے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بہر طور ایک راستہ منتخب کرتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد ایک پُروقار شخصیت کا مالک آدمی' ایک عورت اور دو نوجوان لڑکیاں اور ایک لڑکا اندر داخل ہو گئے میں نے ذہن میں سوچا کہ مجھے اب ہوش میں آجانا چاہئے۔ ویسے بھی بھوک لگ رہی تھی سارا معاملہ ابھی تک تجسّس میں ڈوبا ہوا تھا۔ بات پوری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ کالی چرن کا کھیلا ہوا کھیل ہے۔ میرے حق میں ہی ہو گا اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہو گی جو میرے لئے مشکل کا باعث ہو۔ بہرحال وہ اندر داخل ہوئے تو میں نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ عمر رسیدہ عورت نے کہا۔

"ہوش میں آگیا ہے۔"

"اگر نہیں آیا تو آجائے گا۔" مرد نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ عقب سے ایک اور شخص داخل ہوا یہ کرخت چہرے والا ایک شاندار آدمی تھا۔ وہ جو شخص پہلے سے موجود تھا اور جس نے عجیب انداز میں میرے بارے میں کچھ الفاظ کہے تھے اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور آنے والے کے نقوش کافی حد تک ملتے تھے لیکن عمر کے لحاظ سے دونوں باپ بیٹا نہیں معلوم ہوتے تھے یقینی طور پر آپس میں بھائی بھائی تھے۔ پھر عمر رسیدہ عورت آگے بڑھی۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولی۔

"کیسے ہو سکندر؟" میں نے ایک لمحے کے لئے خاموشی اختیار کی تو معمر عورت پھر اسی انداز میں بولی۔

"بتایا نہیں بیٹے کیسے ہو۔"

"ٹھیک ہوں۔"

"اٹھو طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔"

"جی ہاں۔" میں بھاری لہجے میں بولا۔

"سکندر تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ میں سب سے پہلے تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا کرو۔ دیکھو بیٹا انسان کبھی کبھی غلط فہمیوں کا شکار بھی ہو جاتا ہے اور اس کے لئے پہلے دل و دماغ ٹھنڈا کرو' اس کے بعد سوچو یقیناً تمہیں بہتر راستے نظر آئیں گے۔"

"آپ کیسے بہتر راستہ دکھانے کی بات کر رہی ہیں بھابی جان۔ جن کے دماغ الٹ جاتے ہیں انہیں سیدھے راستے کبھی نظر نہیں آتے۔" کرخت چہرے والے آدمی نے کہا۔

"ذوالفقار' کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ تم لوگ باہر چلے جاؤ' اپنی تیز مزاجی سے صورت حال کو بگاڑ دینا تم لوگوں' کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' مجھے اپنی تقدیر آزما لینے دو۔"

"بھابی جان! پہلے بھی آپ نے یہی کچھ کیا تھا۔ تقدیر آزمائی نہیں بنائی جاتی ہے۔ ہم بڑی مشکل سے اسے گھیر گھار کر لائے ہیں۔ اب آپ یوں کریں تقدیر آزمانے کی بجائے ہمیں بنانے دیں۔"

"ٹھیک ہے ذوالفقار اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ طاقت کے بل بوتے پر بیٹی کا گھر بسالو گے تو تم بساؤ میں چلتی ہوں۔" معمر عورت نے کہا۔

"نہیں' آؤ خالد احمد! ایک بار اور موقع دو' بات کرنے دو انہیں' کیا تیر مارتی ہیں۔" عمر رسید شخص نے کہا۔ جس کا نام ذوالفقار لیا گیا تھا اور پھر وہ نئے آنے والے کو یہاں سے لے کر باہر نکل گیا۔ میں صورت حال کا اندازہ لگاتا جارہا تھا اور یہ سوچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال وہ نکل کر باہر چلے گئے تو عمر رسیدہ عورت نے کہا۔

"اٹھ کر بیٹھ جاؤ بھوک لگ رہی ہے۔"

"جی لگ تو رہی ہے۔ آپ لوگوں نے مختلف قسم کی کہانیاں سنانا شروع کر دی ہیں مجھے اگر اس میں کھانے پینے کی کوئی کہانی شامل ہو جاتی تو بہت اچھا ہوتا۔"

"ارے چلو، جلدی سے انتظام کرو ٹھیک تو کہہ رہا ہے بچہ۔ چلو ناشتہ کرو۔"

تھوڑی دیر کے بعد جو ناشتہ مجھے پیش کیا گیا وہ بڑا نفیس تھا۔ وہ مست شباب تو چلی گئی تھی لیکن حسین تصویر میری آنکھوں میں چھوڑ گئی تھی اور جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے بہت سے دوسرے معاملات کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد معمر عورت نے کہا۔

"مجھے کچھ وقت دینا پسند کرو گے۔"

"جی اب تو آپ کو ساری زندگی دینا پسند کریں گے آپ حکم دیجئے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"خدا کرے تم اتنے ہی سعادت مند ہو جاؤ۔"

"ہو گیا ہوں۔" پھر معمر عورت مجھے اپنے ساتھ لے گئی اور پھر ایک کمرے میں لے جا کر اس نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور میں بیٹھ گیا۔ تب وہ کہنے لگی۔

"سکندر کوئی ایسی تدبیر ہے کہ تم رخسانہ کو پاکباز تصور کر لو یہ یقین کر لو کہ اس نے زندگی میں کوئی بھول نہیں کی ہے اور وہ دل و جان سے تمہاری ہے۔"

"بڑی آسان تدبیر ہے۔ بات اصل میں جو ہے اگر میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ یقین نہیں کریں گی۔"

"نہیں میں دوسروں کی طرح نہیں ہوں، اور اس کی وجہ تمہیں معلوم نہیں سکندر! بات اصل میں یہ ہے کہ یہ لوگ جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس خاندان پر کبھی کوئی مشکل نہیں پڑی۔ وہ میدان میں اچھلتے ہوئے بچھڑے کی مانند رہا ہے ان لوگوں نے ہر کام طاقت کے ذریعے کیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کا ہر کام طاقت کے بل بوتے پر ہو جاتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے سکندر! ایسا نہیں ہوتا لیکن انہیں کون سمجھائے۔ ان کی باتوں پر برا نہیں مانو۔ میں نے ابا جان سے مل کر کچھ فیصلے کئے ہیں۔ ان میاں اس گھر میں ایک نفیس آدمی ہیں حالانکہ جوانی کے زمانے میں سنا ہے کہ انہوں

نے بھی انسانوں پر بڑے ظلم ڈھائے تھے لیکن بعد میں سدھر گئے۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے سکندر کہ تمہیں تمہاری پسند کے مطابق الگ جگہ دے دی جائے گی۔ چاہو تو اس شہر میں رہنا نہیں چاہو تو کسی اور جگہ ٹھکانہ بنا لینا کیا سمجھے۔ میں تمہاری مدد کروں گی اور تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ جو کچھ کہہ رہی ہوں وہی کروں گی۔ مگر بیٹے تھوڑے سے دن تمہیں پریشانی میں گزارنے پڑیں گے۔"

"آپ جب ساری باتیں کہہ لیں گی تو میں آپ سے ایک سوال کروں گا۔"

"نہیں نہیں۔ میں معافی چاہتی ہوں میں زیادہ بول گئی ہوں تم مجھ سے سوال کرو۔"

"پہلے آپ مجھے میری حقیقت بتا دیجئے۔"

"دیکھو میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا ہے۔ ذوالفقار اور خالد جو کچھ تم سے کہہ چکے ہیں۔ اس کے لئے میں تم سے ہزار بار معافی مانگنے کو تیار ہوں میری بیٹی کے مستقبل کا سوال ہے۔"

"آپ کی بیٹی کا نام کیا ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"آپ کو سچ بتا رہا ہوں، جو میں کہہ رہا ہوں وہی کیجئے گا۔ اس کے پس منظر میں کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھی کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔"

"ذرا ایک بار پھر مجھے میری حقیقت بتا دیجئے۔ یہ بتا دیجئے، میرا آپ لوگوں سے کیا واسطہ ہے کیا رشتہ ہے۔"

"تم بیٹے ہو ہمارے داماد ہو، سکندر ہو تم اور اور۔"

"میں سن رہا ہوں، میں سب کچھ سن رہا ہوں اور اب اندر آنا چاہتا ہوں۔" یہ آواز ذوالفقار کی تھی۔ ذوالفقار اور خالد اندر داخل ہو گئے۔

"کیا یہ مسلسل ڈرامہ بازی نہیں کر رہا، کیا یہ بہت زیادہ اداکاری نہیں کر رہا۔" ذوالفقار بولا۔

"ابے تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو دو کوڑی کے آدمی، تقدیر بنا رہے تھے ہم تیری لیکن اب تجھے تقدیر کی اس دنیا سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ذوالفقار احمد کی عزت اتنی معمولی چیز نہیں کہ تجھ جیسے دو کوڑی کے لوگ اسے برباد کریں۔"

"ویری گڈ' ویری گڈ' ویری گڈ' تو پھر آپ حضرات مجھے مقتول کرنا چاہتے ہیں۔ خدا سمجھے آپ لوگوں کو' خدا سمجھے۔"

"خالد اسے لے کر آؤ۔"

"کہاں۔"

"ہم عورتوں کی باتوں میں آ گئے ہیں۔ لے کر آؤ اسے چلو اٹھو۔" ذوالفقار نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا اور وہ میرے قریب آ گیا۔ طاقتور آدمی تھا۔ میرا بازو پکڑ کر کھڑا کیا تھا اور اس کی گرفت سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کیا صورت حال ہے۔ ساری باتیں اپنی جگہ' بہرحال لطف آ رہا تھا۔ ان سارے معاملات میں زندگی کے ایک نئے کھیل سے روشناس ہو رہا تھا میں۔ وہ مجھے لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ خالد نے کہا۔

"اب ایسا کرو بیٹے کم از کم اڑتالیس گھنٹے تک بھوکے رہو' پینے کو پانی بھی نہیں ملے گا۔ اڑتالیس گھنٹے پورے کرنے کے بعد ہم ذرا تمہاری مزاج پرسی کریں گے اور ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ گے۔"

"مگر جناب! آپ میری مزاج پرسی ابھی کیوں نہیں کیے دیتے بلاوجہ اڑتالیس گھنٹے آپ بھی پریشان ہوں گے اور میں بھی میں تو حاضر ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ جتنے چالاک تم بننے کی کوشش کر رہے ہو نا اتنے چالاک تم ہو نہیں اور پھر ہم نے اچھے اچھے چالاکوں کے دماغ ٹھیک کر دیئے ہیں۔ تمہاری اوقات کیا ہے۔" یہ کہہ کر خالد نے دروازہ بند کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ باپ رے باپ اڑتالیس گھنٹے کی بھوک پیاس جبکہ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن بہرحال میں نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ اس سے پہلے ہی ہو جائے گا۔ پھر میں نے آہستہ سے کالی چرن کو آواز دی۔

"ابے او بھائی کالی چرن! یہ کیا چکر چل گیا۔ کم از کم مجھے بتا تو دو کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے۔" لیکن کالی چرن کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہاں اس کا آنا مشکل ہو گا۔ یہ عمارت کسی طرح کے حصار میں ہے۔ بہرحال کوئی چھ گھنٹے لگے اس قید خانے میں اور اس کے بعد دروازے پر کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور اس کے بعد وہ مست شباب بہار کے ایک جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی لیکن یہ بہار بھیگی ہوئی تھی۔ یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔ پیچھے پیچھے وہی معمر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتون تھی اور اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔

"تم میرے ساتھ جو بھی سلوک کرو سکندر! لیکن میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتی' چلو آؤ باہر میں دیکھتی ہوں کون تمہیں قید رکھتا ہے۔ واہ امی یہ بھی اچھی بات ہے دامادوں کے ساتھ یہ سلوک کریں گے اور اس کے بعد توقع رکھیں گے ان سے کہ وہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں گے۔ سکندر! تم مجھے یہاں سے لے چلو اگر کسی درخت کے نیچے لے جا کر بٹھا دو گے تو اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اف تک نہیں کروں گی۔ ہمیں نہیں چاہئے یہ دولت کے انبار' ہم الگ دنیا بسائیں گے۔"

"چلو۔" میں نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا اور وہ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر باہر لے آئی لیکن بہرحال نہ میں اسے درخت کے نیچے لے گیا اور نہ اس نے اپنی یہ دنیا چھوڑی بلکہ ایک خوبصورت دنیا میں لے آئی تھی وہ مجھے۔ یہ اس کا بیڈ روم تھا اور شاید میرا بھی' عمر رسیدہ جس کو اس نے امی کہا تھا پیچھے پیچھے آئی تھیں دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے دستک دی اور پھر اندر آ گئی۔ اس نے کہا۔

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں دیکھوں گی ان لوگوں کو۔ ہم کب تک ان کے ہاتھوں کے کھلونے بنے رہیں گے۔ ہم احتجاج کریں گے رخسانہ لیکن پلیز اس وقت تک کہیں جانے کی ضد نہ کرنا جب تک میں تم سے اپنی ناکامی کا اظہار نہ کر دوں۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات' میں جا رہی ہوں۔ دیکھو رخسانہ تم بھی عقل سے کام لینا براہ کرم کوئی ایسا عمل نہ کرنا جس سے یہ گھر تباہ و برباد ہو جائے۔ عقل سے کام لینا ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں زیادہ دیر تم لوگوں کے درمیان نہیں رہنا چاہتی۔" عمر رسیدہ عورت باہر نکل گئی۔

میں اس دلچسپ صورت حال سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا اور کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ رخسانہ جسے دیکھ کر حواس گم ہونے لگتے تھے۔ خاموشی سے کھڑی مجھے دیکھتی رہی پھر سسکی لے کر بولی۔

"میرے آنسو نہیں پونچھو گے۔"

ایک عجیب سا سوال تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے قریب پہنچا' آنسو پونچھنا تو ایک معمولی سی بات تھی میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ اپنے سینے میں سجا لوں۔ اس کے بالکل قریب پہنچا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی محبت' ایسی پاکیزگی اور ایسے جذبے تھے کہ اچانک ہی میرے وجود میں لرزشیں پیدا ہو گئیں دماغ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک ایسے طوفان کا احساس ہوا تھا جو سارے وجود کو ہلا رہا تھا۔ کوئی چیز اندر سینے کی گہرائیوں میں اتر رہی تھی اور اس کے بعد کچھ آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ غلط فہمیوں کا شکار' یہ ان بری عورتوں میں سے نہیں ہے۔ جو ہر مرد کو اپنی قربت بخش دیتی ہیں۔ یہ تمہیں اپنا شوہر سمجھ رہی ہے اور اس حوالے سے تجھ پر اپنی محبتیں لٹا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کر۔ یہ ضمیر کا ایک ایسا داغ ہو جائے گا جسے تو قیامت تک نہیں مٹا سکے گا۔ بہت سی آئی ہیں تیری زندگی میں۔ بہت سی آئی ہیں تو نے ان سے زندگی کا لطف اٹھایا ہے۔ حالانکہ وہ بھی گناہ تھا لیکن یہ گناہ عظیم ہو گا۔ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اپنے ظرف کا ثبوت دے۔ اپنے انسان ہونے کا ثبوت دے اور اچانک ہی میرے سارے وجود میں جھنجھناہٹ ہونے لگی۔ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

"پھر میرے لئے تمہارے دل میں نفرت بھر آئی۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"کیا دیوانگی ہے تمہارے اندر مجھے نہیں پہچانتے۔"

"رخسانہ کے نام سے تو تمہیں جانتا ہوں۔ ابھی ابھی تم سے واقف ہوا تھوڑی دیر پہلے کی بات ہے۔"

"سکندر! کیا تمہارے دل میں انسانیت کا کوئی گزر نہیں ہے۔"

"بدقسمتی سے انسانیت ابھی ابھی میرے دل سے گزری ہے۔" میں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے کہا۔

"رخسانہ! میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑنا چاہتا حالانکہ تم اتنی خوبصورت ہو کہ میرے اندر دیوانگی ابھر آئی تھی۔ رخسانہ' آؤ بیٹھو اگر میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں بٹھانے کی کوشش کی تو بعد میں جو تمہیں افسوس ہو گا تم اسے کبھی نظرانداز نہیں کر سکو گی۔ آؤ پلیز بیٹھو۔" میں واپس مڑا اور مسہری پر بیٹھ گیا۔ وہ بہت دیر تک وہیں اپنی جگہ کھڑی رہی تھی۔ پھر وہ اس کے بعد آہستہ آہستہ قدموں پر چلتی ہوئی قریب آئی اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"رخسانہ پلیز یہ آنسو خشک کر لو' دیکھو تم عورت ہو' ایک پاکیزہ اور پُروقار عورت میں مرد ہوں۔ تمہاری غلط فہمی سے فائدہ اٹھا کر میں اپنے دل کی تمام خواہشات کو پورا کر سکتا ہوں۔ جو میرے سینے میں تمہیں دیکھ کر پہلے ہی لمحے ابھری تھیں۔

خسانہ' لیکن میں اپنا عمل پورا کر کے جاؤں گا یہاں سے اور تم زندگی بھر اپنی نسوانیت لاش پر بیٹھی سسکتی رہو گی۔ نہ ڈرنا اور نہ خوفزدہ ہونا تمہیں اس بات کا علم تو ہو ہی یا ہو گا کہ یہ لوگ مجھے اغوا کر کے لائے ہیں۔ شاید کوئی خواب آور چیز سنگھا دی گئی ی اور اس کے بعد مجھے بزور طاقت یہاں اٹھا کر لایا گیا تھا۔ میں نے ان میں سے کسی ے یہ نہیں کہا تھا کہ میں سکندر ہوں۔ ظاہری طور پر میری شکل اس شخص سے ملتی گی کہ تم سب لوگ دھوکا کھا گئے۔ میں ایک آوارہ منش ہوں زندگی میں بھٹک رہا ں بری طرح اور سچ بتاؤں تجھے مگر نہیں وہ میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا۔ میں تمہیں سچ ؤں بس تمہیں دیکھ کر میں بھی دیوانہ ہو گیا تھا۔ ایک نوجوان مرد کی حیثیت سے تم ے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچتا تھا مگر نہیں رخسانہ نہیں تمہاری آنکھوں میں جو یزگی تیر رہی ہے میرا ضمیر اس پاکیزگی کو داغدار کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ رخسانہ میں ئی اچھا انسان نہیں ہوں لیکن اس سے زیادہ برا انسان میں بننا نہیں چاہتا۔ پتہ نہیں ہوں؟ میں سب کچھ چھوڑ رہا ہوں' تمہیں اس دولت کو تم لوگوں سے تعاون کر کے پنے لئے ایک خوبصورت زندگی حاصل کرنا میرے لئے اب مشکل نہیں ہے لیکن خسانہ ایک تاج محل بنانا چاہتا ہوں اور اس کا سنگ بنیاد رکھ چکا ہوں۔ مجھے اجازت جاؤں گا یہاں سے' تمہارے پاس رہا تو تم بھی غلط فہمی میں ڈوبی رہو گی اور میرا بھی ن بھٹکتا رہے گا۔ اگر تم نے مجھ سے اصرار کیا تو سنو میں سکندر نہیں ہوں۔ میں کیا ں اس بارے میں مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ میں ایسی بدروحوں کے قبضے میں ہوں جو نہیں کیوں تم کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں لیکن کم از کم یہ راستہ جو انہوں نے اختیار کیا ے میں ان سے تعاون نہیں کروں گا۔ تم بہت اچھی ہو میری دعا ہے کہ تمہیں تمہارا ہر مل جائے۔ اب مجھے اجازت دو ورنہ تو مجھے نہ خالد روک سکتا ہے نہ ذوالفقار۔"

رخسانہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر اچانک اس کے حلق سے ے عجیب سی آواز نکل گئی۔ اس کی نگاہیں اس بیڈ روم کے بائیں طرف اٹھ گئی ں۔ میں نے اس کی آنکھوں کے تعاقب میں اس طرف دیکھا تو شدت حیرت سے ک ہو کر رہ گیا۔

ایک باریش بزرگ سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ سر پر ٹوپی تھی' سجدہ ریز تھے ۔ ہم نے پہلے انہیں نہیں دیکھا تھا اور اب خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کچھ نے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن اسی وقت بزرگ سجدے سے اٹھے۔ انہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گردن گھما کر ہمیں دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ وہ ہمارے پاس پہنچے اس کے منہ سے نکلا۔

"چاچا جان۔"

"ہاں بیٹی تمہیں بس اتنا بتاؤں گا کہ یہ سکندر نہیں ہے یہ ان کے ہم شکل بے شک ہیں لیکن سکندر نہیں ہیں اور اس وقت میں تمہیں یہ بھی بتا دوں رخسانہ کہ صرف کچھ روز بعد سکندر واپس آ رہا ہے یہاں پہنچ جائے گا۔ بیٹی اپنے دل کو ہلکا نہیں کرنا۔ تمہارے باپ اور چچا کی نگاہوں میں رکھا گیا ہے وہ دنیادار ہیں وہ صرف دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ بچہ تمہیں آسانی سے داغدار کر سکتا تھا لیکن یہی تو کسوٹی تھی میری۔ ہاں یہی کسوٹی تھی میرے اللہ نے میری لاج رکھ لی اور جب اللہ کسی کی لاج رکھے تو کون اسے داغدار کر سکتا ہے کس کی مجال ہو سکتی ہے۔ بیٹا بس اتنا بتا دوں اپنے ذہن کو مت بھٹکا۔ بھٹکے ہوئے لوگ جن کی آنکھوں میں روشنی نہیں وہ چاہے کچھ بھی کرتے رہیں تم ان کی پرواہ مت کرنا۔ میں اسے لے جا رہا ہوں یہ تمہارا سکندر نہیں ہے۔"

"آؤ۔" بزرگ نے مجھ سے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کمرے سے باہر لے آئے۔ پھر مجھے خاصا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ اس شاندار عمارت کے مغربی گوشے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا۔ بے رنگ عجیب قسم کا کمرہ۔ بزرگ نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ باہر سے چھوٹا سا نظر آنے والا کمرہ اندر سے اتنا وسیع ہو گا۔ معمولی سا فرنیچر ادھر ادھر رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف مٹکا رکھا ہوا تھا' جس میں پانی تھا۔ بزرگ نے ایک پیالے میں پانی بھرا اور مجھے دیتے ہوئے بولے۔

"یہ پانی پی لو۔" میں نے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نہ جانے کیسے وہ پیالہ گر گیا اور وہ پانی بکھر گیا۔ بزرگ نے مجھے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے پیالہ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا دوبارہ مجھے پانی نہیں دیا تھا۔ ویسے ان بزرگ کی نگاہیں بدستور میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔

"اللہ بہتر جانتا ہے صرف اللہ بہتر جانتا ہے تم نے جس طرح میری آبرو کا تحفظ کیا ہے بیٹا مجھ جیسا گناہ گار انسان اس کا صلہ نہیں دے سکتا۔ سوائے اس کے کہ جو ڈراؤنی قوتیں تمہارے اردگرد دیکھی گئی ہیں۔ جن ناپاک قوتوں نے تم سے تمہارا ایمان چھین لیا۔ خداوند کریم ان سے تمہارا تحفظ کرے۔ تمہیں ان کے جال سے نکالے۔ میں یہ سمجھا کہ تم نے اپنی فطری شرافت سے کام لے کر ایک آبرومند لڑکی کی عزت بچائی

یکن اب مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ اس کے پس منظر میں بہت کچھ ہے۔ میری نگاہیں تنی گہری نہیں ہیں کہ اس بہت کچھ کا جائزہ لے سکیں۔ میں تمہیں بس دعائیں دے کتا ہوں۔ بیٹھو گے کچھ دیر میرے پاس اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا اور تمہارا چلے جانا ہی بہتر ہو گا۔" میں خاموشی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔ بزرگ کی باتیں یرے لئے نہایت دلچسپ تھیں۔ وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"بات خاصی پرانی ہو چکی ہے بیٹے! میرے ایک پیر تھے بس یوں سمجھ لو انہوں نے یرے ساتھ کافی وقت گزارہ تھا۔ ایک بار میں انہیں ساتھ لے کر ایک گاؤں سے آ رہا ا۔ موسم چونکہ بہتر نہیں تھا سخت سردی پڑ رہی تھی۔ اوپر سے بادل آئے اور بارش روع ہو گئی لیکن ہمیں اپنی منزل پر پہنچنا تھا۔ میرے مرشد ایک اجتماع میں شرکت رنے جا رہے تھے۔ جو بزرگوں اور ولیوں کا اجتماع تھا۔ سڑک کے کنارے پیپل کے رخت کے نیچے بنے ایک چبوترے پر ہمیں ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا اور ہم نے بیل اڑی روک لی۔ ہم نے یہ سوچا کہ شاید کوئی انسان کسی کی مدد کا طلبگار ہو میں اس کے س پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کی لمبی لمبی ٹانگیں معذور تھیں۔ مگر اس کا وجود انتہائی کروہ اور شیطانی معلوم ہوتا تھا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے مجھ سے کہا۔ اسے بھی شہر انا ہے میں اسے ساتھ لے چلوں۔ میں نے اپنے مرشد سے اجازت لینا ضروری سمجھا رشد کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا۔

"وہ شیطان ہے۔ سفلی علم کا ماہر ہے اور اسے ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہے۔" میں نے سوچا کہ اس سے معذرت کر لوں اور مرشد سے اجازت لے کر میں ں کے پاس آ گیا اور اس سے کہا کہ ہم اسے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ تو وہ مجھ سے کہنے ا کہ جس نے تجھ کو منع کیا ہے وہ تیرا دشمن ہے۔ اگر تو مجھے ساتھ لے جائے گا تو میں جھے وہ قوتیں دوں گا جو تیرا مرشد نہیں دے گا۔ میں نے اس سے دوبارہ معذرت کی تو ں نے ایک ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑ لیا اور بولا کہ بس میں اسے کندھے پر سوار کر لوں۔ ں وقت میرے دل میں ایک عجیب خیال آیا میں نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش ا لیکن اس نے بڑی طاقت سے مجھے پکڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے جدوجہد کر کے اچانک ا میرے کندھے پر سواری کر لی۔ اس کی لمبی ٹانگیں مجھے لپٹنے لگیں تو مجھے بھی غصہ گیا۔ میں نے ان ٹانگوں کو پکڑا' ایک بات میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ ان دنوں میں لوانی کرتا تھا' کئی استادوں سے میں نے داؤ پیچ سیکھے تھے اور دیسی کشتی کے بہت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

داؤ مجھے آتے تھے۔ میں نے ایسا ہی ایک داؤ لگا کر ان ٹانگوں کو لپیٹا اور اسے ز دے مارا۔ کافی چوٹ لگی تھی اسے تھوڑی دیر تک بلبلاتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر نے مجھے خونی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ نہ صرف وہ مجھ سے میرا ایمان چھینے گا اس طرح داغدار کرے گا مجھے کہ میں بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میں مرشد کے چلا آیا اور اس کے بعد زندگی کے بہت سے الٹ پھیر چلتے رہے۔ اس نے مجھ پر مرتبہ وار کیا ہے مرشد تو اس دنیا سے چلے گئے ہیں' میں بھی دنیا دار ہو گیا اور اپنے فرائض سے فارغ ہوا تو میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن وہ مجھ پر وار کر اور تقدیر مجھے بچاتی رہی۔ وہ میری عزت و آبرو ختم کر کے مجھے ساری دنیا میں رسو چاہتا تھا اور اس بار بھی اس نے مجھ پر اتنا بھرپور وار کیا۔ میں اب تمہیں تھوڑی الگ کہانی سناتا ہوں۔ میرا بیٹا بڑا غصہ ور ہے۔ دوسرا بیٹا خالد اس سے بھی زیادہ فطرت کا مالک ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کو دولت دی ہے میں تمہیں بتاؤں یہ دو میری کمائی ہوئی نہیں ہے۔ ذوالفقار نے اپنے طور پر جدوجہد کر کے اپنی حیثیت ہے لیکن اللہ کا فضل ہے میرے دونوں بیٹے میرا بہت احترام کرتے ہیں میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے ان کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ بزرگ کا یہ ہوتا ہے۔ رخسانہ میری پوتی ہے اکلوتی اور ہم سب کی لاڈلی لیکن تقدیر نے اس پیشانی داغدار کر دی۔ قصور کسی کا تھا لیکن بھگتنا اسے پڑا۔" بزرگ یہ کہہ کر خام ہو گئے اور میں دلچسپی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ بہرحال یہ سنسنی خیز داستان بے پُراسرار حیثیت کی حامل تھی اور اب میں سب کچھ بھول کر اس کی تکمیل کا منتظر ویسے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کا تذکرہ یہ بزرگ کر رہے ہیں وہ کالی چرن لیکن باقی کہانی سے بھی مجھے بہت دلچسپی تھی نہ جانے باقی کہانی کیا تھی۔

میں منتظر تھا کہ بزرگ مجھے آگے کی کہانی سنائیں مگر وہ اچانک ہی خاموش ہو تھے دیر تک یہ خاموشی طاری رہی اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"بس یوں سمجھ لو کہ یہ کہانی مختصر کرتا ہوں' اس شیطان زادے نے مجھے اپنی پر لانے کی کوشش میں ناکام ہو کر مجھ سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور مجھ سے کہا کہ وہ اس طرح بے آبرو کرے گا کہ میں اس دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو لیکن قربان جاؤں اپنے معبود کے' محافظ اعلیٰ تو وہی ہے انسانوں کو دکھ سے بچاتا ہے نے تمہارے دل میں انسانیت پیدا کی اور وہ شیطان زادہ اپنے مقصد میں کامیاب

ہو سکا۔ کیا تم یقین کرو گے نوجوان لڑکے میں ان تمام باتوں سے غافل نہیں تھا لیکن میں بھی اپنی ریاضت کو آزما رہا تھا اور اللہ نے مجھے سرخرو کیا۔ بیٹے اصل میں سکندر ناراض ہو کر جا چکا ہے لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ بہت مختصر وقت جا رہا ہے کہ وہ واپس آ جائے گا تم اب ایسا کرو کہ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"محترم بزرگ آپ کو تو پتہ ہے کہ میں شروع ہی سے اس بات سے انکار کر رہا ہوں لیکن یہ لوگ نہیں مان رہے۔"

"قصور ان کا بھی نہیں ہے۔ یہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی کیفیت سے گزر رہا تھا وہ بڑی عجیب و غریب تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں خود بھی قوت فیصلہ کھو بیٹھا ہوں اور اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بہرحال میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے کافی دور نکل گیا۔ اب ساری باتیں پیچھے رہ گئی تھیں کہ عالم بے خودی بھی تھا۔ نیکی اور بدی میرے وجود میں جنگ کر رہی تھی۔ بار بار اس منحوس کے جال میں پھنستا لیکن تقدیر مجھے نکال لے جاتی۔ نہ جانے قسمت کو کیا فیصلے کرنے تھے۔ اب تو اپنے بارے میں سوچنا بھی بند کر دیا تھا۔ بے کار اور بے مقصد تھا میرا سوچنا' کیونکہ اپنی سوچیں انسان کے لئے بالکل بے مقصد چیزیں ہوتی ہیں۔ وقت خود اس کے لئے فیصلہ کرتا ہے اور بہرطور اسے وقت کے سامنے سر جھکانا پڑ جاتا ہے۔ تمام جدوجہد بے کار ہو جاتی ہے۔ سارے منصوبے رہ جاتے ہیں ہوتا وہی ہے جو وقت اور تقدیر کو منظور ہو۔ نہ جانے کتنا فاصلہ طے کرتا رہا پھر شدید تھکن طاری ہو گئی تو ایک جگہ بیٹھ گیا۔

کون سی جگہ تھی کیسی تھی کچھ اندازہ نہیں تھا۔ پورے وجود پر شدید تھکن طاری تھی۔ بدن اس طرح اینٹھا جا رہا تھا جیسے ساری تھکن اور پٹھے بے کار ہو گئے ہوں۔ جس جگہ بیٹھا تھا وہاں بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ صبح کو آنکھ کھلی تو تیز دھول اڑ رہی تھی۔ ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ میرا سارا وجود اور کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ سر اور چہرہ بھی مٹی میں اٹ گیا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا تھوڑے فاصلے پر سرکاری نلکا لگا ہوا تھا وہاں منہ ہاتھ دھونے بیٹھ گیا پانی کے ایک گڑھے میں اپنی شکل دیکھی تو خود کو ہنسی آنے لگی اور افسوس ہونے لگا۔ حالانکہ میری شخصیت اتنی خراب نہیں تھی لیکن اس وقت یہ حلیہ بن گیا تھا لگ رہا تھا فقیر ہوں اور پھر میرے ذہن میں اچانک ہی خوف کی لہر بیدار ہو گئی۔ اس وقت تو تھکن غالب آ گئی تھی اب ہوش و حواس درست ہوئے تھے

تو مجھے کالی چرن یاد آرہا تھا۔ کالی چرن نے تو مجھے بہت سی ہدایات دے کر یہاں بھیجا تھا لیکن یہ کیا ہوا ساری ہدایات بھول گیا۔ نیکی بدی پر غالب آگئی تھی اور وہ نہیں ہوا جو کالی چرن نے کہا تھا۔ اب بھلا کالی چرن کی بات کو رد کردیا تھا میں نے انسانیت کے راستے اپنائے تھے۔ ضمیر کی آواز کو سنا تھا چنانچہ ضمیر پُرسکون تھا۔ کالی چرن کو بے شک تکلیف پہنچی میری ذات سے اور یہ لازمی بات ہے کہ وہ انتقام لینے کے لئے پھر میرے قریب پہنچے گا۔

پھر اپنے آپ پر ہنسی آئی در حقیقت اگر کوئی انسان ہوتا چاہے وہ کوئی پہلوان ہی کیوں نہ ہوتا کوئی بہت بڑا غنڈا ہی کیوں نہ ہوتا' میں بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس سے مقابلہ کرتا اور یہ فیصلہ کرلیتا کہ وہ رہے گا یا میں لیکن میں اس شیطانی وجود کا کیا کرتا جو نہ انسان تھا نہ حیوان کوئی شکل ہی نہیں تھی اس بدبخت کی۔ ایسے منحوس لوگ آخر کیوں جینا چاہتے ہیں۔ بات بعض اوقات تو سمجھ میں بھی نہیں آتی لیکن بہرحال جو مصیبت نازل ہونا ہوتی ہے وہ تو ہو کر رہتی ہے۔ اب مجھے کالی چرن کا انتظار تھا کہ کدھر سے آکر میری گردن دبوچتا ہے۔ رات گزر چکی تھی' صبح کا وقت تھا بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ناشتے کا انتظار تھا لیکن ناشتہ کہاں سے آتا جیب بھی خالی تھی واہ ری تقدیر کیا دلچسپیاں ہوتی ہیں تیرے ساتھ بھی کیا پُرلطف بات ہے۔ وہاں سے آگے بڑھ گیا روٹی کا کوئی نام ونشان نہیں تھا نہ جانے کب تک چلتا رہا پھر ایک جگہ قطار سے درخت دیکھے درختوں کی چھاؤں بڑی اچھی لگی اور میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگا کہ بھوک کا بھی اپنا ایک مزہ ہے۔ بھوکا انسان دنیا کے بارے میں بہت کم سوچتا ہے۔ اس وقت اس کی سوچ میں صرف کھانے پینے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ آنکھیں بند کرو اور اپنی پسند کی لذتوں سے ہمکنار ہو جاؤ۔ ایک گاڑی سامنے سے گزری تھی اور پھر ریورس ہو کر سامنے آرہی تھی اتنا اندازہ تو آنکھیں بند ہونے سے بھی ہو سکتا تھا۔ چمچماتی ہوئی شاندار کار تھی۔ میں نے چونک کر آنکھ کھولی کار کی عقبی سیٹ پر ایک بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑی اچھی شکل و صورت کی مالک ہمدردی کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ڈرائیور بھی میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ نے انگلی کے اشارے سے مجھے بلایا۔ ان کے بلانے کا انداز میرے لئے کچھ ناخوشگوار تھا۔ دو تین بار انہوں نے اشارہ کیا اور پھر بیگم صاحبہ نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور ڈرائیور نیچے اتر کر میرے پاس پہنچ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اندھے ہو' نابینا ہو۔" ڈرائیور کے لہجے میں ہمدردی تھی تلخی نہیں تھی۔

"کیوں خیریت۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"میڈم کا خیال ہے کہ شاید تمہیں نظر نہیں آتا۔"

"کون میڈم؟"

"وہ جو کار میں بیٹھی تمہیں اشارے سے بلا رہی ہیں۔"

"ان سے جاکر کہو کہ انسانوں کو ایسے نہیں بلایا جاتا۔"

"او ہو اس کا مطلب ہے کہ تم دیکھتے ہو۔"

"ہاں کم از کم انہیں ضرور دیکھ رہا ہوں کیا سمجھتی ہیں وہ اپنے آپ کو قیمتی کار میں بیٹھی ہیں' وہ کار ان کی ہے مجھے نہیں دے دیں گے وہ اپنی کار پھر میں ان کے حکم کی پابندی کیوں کروں۔"

"بھائی ہمدردی سے تمہیں بلا رہی ہیں۔ ایسے بیٹھے ہوئے ہو میڈم کے دل میں دیا آگئی۔ بہت بڑے لوگ ہیں وہ جاؤ مل لو۔ ہو سکتا ہے تمہاری کوئی مشکل حل کردیں۔"

"جاؤ اور ان سے کہو کہ مجھ سے اگر ملنا ہے تو اتر کر میرے پاس آئیں ہو سکتا ہے ان کی کوئی مشکل حل کردوں۔"

"بڑا ٹیڑھا آدمی ہے بھائی۔"

ڈرائیور نے کہا اور واپس کار کی جانب چل پڑا پھر اس نے بیگم صاحبہ سے کچھ کہا تھا اور بیگم ہنستی ہوئی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی تھیں میرے قریب پہنچیں اور بولیں۔

"ہوں سرکار اعلیٰ بیٹھے ہوئے ہیں یہاں۔"

"آپ کارپوریشن کی چیف ہیں کیا اور مجھے کوڑا سمجھ رہی ہیں۔"

"ارے نہیں نہیں میں تو بس یہ دیکھ رہی تھی کہ اچھے خاصے ہٹے کٹے ہو بھیک کیوں مانگ رہے ہو۔"

"شرم نہیں آتی آپ کو کس نے آپ سے بھیک مانگی۔"

"اوہو' اچھا بھائی ٹھیک ہے معافی مانگ لیتے ہیں ہم' ہم تو یہی سمجھے تھے کہ شاید تم بھیک مانگ رہے ہو۔"

"جتنی چھوٹی کھوپڑی ہے اس کے تحت کم ہی سوچ سکتی ہو۔" میں نے جھلائے

ہوئے لہجے میں کہا اور خاتون ہنس پڑیں پھر انہوں نے کہا۔

"اب تو ظاہر ہو گیا کہ بھوکے ہو چلو گے میرے ساتھ۔"

"کہاں............"

"میرے گھر............"

"کیوں............؟"

"بس تمہارے جیسے چڑچڑے لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ واقعی سارا دن سڑکوں پر مارے مارے پھرنا' بھوکے پیاسے رہنا۔ تقدیر اگر مجھ پر مہربان ہوئی ہے تو اس خاتون سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھاؤں میں نے کہا۔

"گھر لے جاکر ماریں گی مجھے۔" میرے اس بے ساختہ سوال پر خاتون ہنس پڑیں اور پھر بولیں۔

"کیوں ماروں گی کیوں............"

"جو باتیں میں نے کی ہیں اس کے بعد حقیقت میں تو میری پٹائی ہی ہونی چاہئے۔"

"اچھا ایسا کرو اب اپنی جگہ سے اٹھو۔ گھوم کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ نہ میں تمہیں ماروں گی نہ تمہاری پٹائی کروں گی' نہ تمہاری بے عزتی کروں گی' تم سے کچھ باتیں کروں گی۔ کھانا کھلاؤں گی تمہیں اگر اس کے بعد میری باتوں سے تمہیں دلچسپی پیدا ہوئی تو تھوڑا بہت تمہارے کام آؤں گی ورنہ تمہیں اپنی کوٹھی سے رخصت کردوں گی۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ڈرائیور کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پیچھے سے خاتون نے کہا۔

"چلو ڈرائیور گھر چلو۔"

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ قیمتی کار کی سیٹ پر بیٹھ کر نہ جانے میرے اندر کیا کیا احساسات جاگ رہے تھے۔ میں اس وقت ماضی کی کوئی بات سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ دل میں صرف کالی چرن کا خوف تھا۔ میں نے اس کی حکم عدولی کی ہے اس کے بعد وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ خطرہ یہ بھی تھا کہ اگر کوئی میرے ساتھ بہتر سلوک کرے گا تو کالی چرن اس کا بھی دشمن بن جائے گا جیسے یہ معزز خاتون' ویسے میں نے پلٹ کر تو نہیں دیکھا تھا لیکن میری آنکھوں میں اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیر گھوم رہی تھی۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ اگر بدتمیزی کا سلوک کیا جائے تو وہ نرم اور خوش اخلاق ہی رہیں۔ خاتون کے بدن سے بڑی اچھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ کوئی بہت ہی قیمتی سینٹ لگایا ہوا تھا انہوں نے۔ جس کوٹھی میں اندر داخل ہوئی وہ بھی اپنی مثال آپ تھی۔ دونوں طرف ہرے بھرے دالان۔

"سودھیر سے کہہ دو کہ اسے کسی اچھے کمرے میں لے جائے۔ سب سے پہلے اسے کھانا دیا جائے اس کے بعد بتادوں گی کہ کیا کرنا ہے۔"

ڈرائیور نے گردن جھکادی تو خاتون اتر کر اندر چلی گئیں۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھا پھر طنزیہ انداز میں کہا۔

"آئیے مہاراج!"

میں اس کے ساتھ چل پڑا تھا اب جب یہاں تک آ ہی گیا تھا تو زیادہ نخرے دکھانا اب بھی نہیں تھا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا اور مجھ سے بولا۔

"بیٹھو' سودھیر کو بھیجتا ہوں۔"

مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے ڈرائیور کو میری آمد ناپسند ہوئی ہو' پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ میں نے ڈرائیور سے جو گفتگو کی تھی اس کا ردعمل اس پر تھا۔ سودھیر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ نرم طبیعت کا آدمی اور نرم چہرے والا مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹا ڈرائیور نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے یہ بتاؤ پہلے منہ ہاتھ دھوؤ گے یا پہلے کھانا کھاؤ گے۔"

"پہلے کھانا کھاؤں گا۔"

میں نے جواب دیا اور سودھیر واپس چلا گیا۔ اس وقت میرا جو حلیہ ہو رہا تھا وہ بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس شاندار کمرے میں بیٹھوں۔ میں زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھ گیا حالانکہ بہترین مسہری اور میز کرسی وغیرہ بچھی ہوئی تھی لیکن حلیہ کا کیا کرتا۔ سودھیر ایک بہت ہی عمدہ اور صاف ستھری ٹرے لے کر اندر آیا اور مجھے قالین پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ارے رام............ رام............ بیٹا کھوپڑی تڑواؤ گے کیا ہماری' اوپر آرام سے بیٹھو' ادھر بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔" اس نے کھانا میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"سودھیر میرے کپڑے ٹھیک نہیں ہیں۔"

"بس ابھی انتظام کرتے ہیں تم نے خود ہی کہا تھا کہ پہلے کھانا کھاؤ گے ہاتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جوڑتے ہیں تمہارے پہلے کھانا کھاؤ۔"

"یہاں بیٹھنا ہوگا تمہیں میرے ساتھ۔" میں نے کہا۔

"تو بیٹھ جائیں گے اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔"

"سودھیر تم بھی کچھ کھالو۔"

"میرا پیٹ بھرا ہوا ہے ورنہ ضرور بیٹھ جاتے تمہارے ساتھ۔"

میں نے کھانا شروع کر دیا پھر میں نے کہا۔

"میں سڑک پر بیٹھا ہوا تھا تمہاری ان بیگم صاحبہ نے مجھے دیکھا اور اٹھا کر یہاں لے آئیں۔ ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا میں حالانکہ میں نے ان سے ایسی باتیں کی تھیں کہ کوئی بھی مجھے اٹھا کر تو کیا لاتا وہیں ٹھوکریں مار چھوڑ آتا۔ یہ بیگم صاحبہ کس قسم کی ہیں۔"

سودھیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور ایک لمحے کے لئے ایسا لگا جیسے اس مسکراہٹ میں مکاری ہو لیکن پھر فوراً ہی سودھیر کی نرم اور محبت بھری آواز نے میری غلط فہمی دور کر دی وہ بولا۔

"مالکن کا نام سندرا دیوی ہے بڑی دھرماتما ہیں۔ انسانوں کی بہتری کے لئے دن رات کام کرتی ہیں۔ کئی آشرم بنا رکھے ہیں انہوں نے۔ تھوڑا سا کاروبار ہے بھگوان کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ انسانوں سے پریم کرتی ہیں اور انسانوں کے کام آتی ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ تم دکھوں کے مارے ہو اور دکھوں میں ڈوب کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔ برا نہیں مانتی وہ ایسی باتوں کا بس اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"سندرا دیوی ہیں وہ۔"

"ہاں..........." اس سے زیادہ سودھیر سے کچھ پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا ان سندرا دیوی کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ میں مسلمان ہوں تو چھی.......... چھی کر کے مجھے باہر نکال دیں گی۔ چلو تب تک ہی سہی تھوڑا بہت سکون تو مل جائے گا۔

سودھیر بولا۔

"بھیا اگر تم اجازت دو تو ہم تمہارے لئے کپڑوں کا بندوبست کر دیں۔ دیکھو وہ غسل خانہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد نہا دھو لینا۔ صاف ستھرے ہو جانا۔ سندرا دیوی شام کو تم سے ضرور ملاقات کریں گی۔"

"شام کو..........؟"

"ہاں ابھی ان کے آرام کا ٹائم ہے صبح بہت جلد جاگ جاتی ہیں وہ سارے کام نمٹا کر آجاتی ہیں اس وقت تک گھر پر اس کے بعد شام تک آرام کرتی ہیں۔"

سودھیر کے لائے ہوئے کپڑے بے شک عجیب تھے لیکن بہرحال میں نے غسل کر کے پہن لئے کیونکہ مٹی میں اٹا ہوا تھا جو بھی صورت حال تھی اس کے بارے میں بہرحال جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ کم از کم شام تک کی مہمان داری اور سہی۔ پانچ بجے چائے ملی اور چائے ملنے کے بعد طلبی ہوگئی۔ سندرا دیوی اپنی کوٹھی کے بائیں سمت والے لان میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے ملازم تھوڑے فاصلے پر تھے اور سندرا دیوی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا، مسکرائیں اور ہنس پڑیں اس وقت میں نے ان کی شکل و صورت غور سے دیکھی۔ کوئی پینتیس سالہ خاتون تھیں۔ بہت ہی خوبصورت جسم کی مالک چہرہ بھی دلکش تھا لیکن آنکھیں ذرا کچھ عجیب سی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آگ سی جلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اندر ہی اندر الاؤ بھڑک رہے ہوں اس وقت میں نے ان کی آنکھوں پر غور کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ سندرا دیوی نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

اصولی طور پر مجھے زمین پر بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ میں وہیں بیٹھ گیا۔

"سنو کرسی پر بیٹھو مجھے بیوقوف سمجھتے ہو۔" سندرا دیوی کے الفاظ پر میں چونک پڑا۔

"میں سمجھا نہیں دیوی جی۔"

"میڈم کہو مجھے عام طور سے لوگ میڈم ہی کہتے ہیں۔"

"جی میڈم۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ تم بننے کی کوشش کر رہے ہو وہ ہو نہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"پڑھے لکھے ہو، سلیقے کی زندگی گزار چکے ہو۔ تمہارے ہاتھ مشقت کرنے والے یا بھیک مانگنے والے نہیں ہیں۔ تمہاری پیشانی پر غیرت کی لکیر ہے۔ تمہاری آنکھوں میں زندگی جاگتی ہے تمہارے لہجے میں سختی ہے۔ بھکاریوں کا لہجہ سخت ہوتا ہے نہ آنکھیں جاندار ہوتی ہیں۔ وہ فطری طور پر بھکاری ہوتے ہیں اور بھکاری ہی رہتے ہیں۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تم اگر اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے تو نہ بتاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن میں تم سے ایک بات کہتی ہوں۔ بھکاریوں کی طرح آئندہ سڑک پر کبھی نہ بیٹھنا۔ میں اگر تمہاری کوئی خدمت کر سکتی ہوں تو دل و جان سے اس کے لئے حاضر ہوں۔"

"آپ نے مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا سندرا دیوی!" میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"بتا دو۔"

"سلطان اللہ ہے میرا نام۔"

"ہوں.......... میں اگر تمہیں صرف سلطان کہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔" وہ بولی اور اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔ میں نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں سندرا دیوی۔"

"یہ بتاؤ انسان ہو یا نہیں۔

"مطلب..........؟"

"بس اتنا کافی ہے کہ تم انسان ہو۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی کچھ بھی ہو لیکن انسان تو ہو۔" اس سے زیادہ اور کیا سناتا کسی کو بلا وجہ ذلیل کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی میں نے خاموشی اختیار کی اور کچھ دیر خاموشی سے سندرا دیوی کی صورت دیکھتا رہا اور وہ پھر بولی۔

"گاڑی چلانا آتی ہے؟"

"جی۔"

"لائسنس؟"

"زندگی کا لائسنس نہیں ہے میرے پاس آپ ڈرائیونگ لائسنس کی بات کرتی ہیں۔"

"مل جائے گا' میرے پاس رہو گے۔"

"مگر آپ کے پاس تو ڈرائیور موجود ہے۔"

"کبھی کبھی کسی اور ڈرائیور کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ یہاں رہو گے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں غریب سمجھ کر ٹال رہی ہوں۔ مجھے آدمیوں کی ضرورت رہتی ہے اور تم بھی یہاں رہو گے۔" دیوی جی کا لہجہ محبت بھرا ہو گیا۔ انہوں نے لاڈ بھرے انداز میں یہ الفاظ کہے تھے پھر جلدی سے بولیں۔

"برا نہیں ماننا' میرا ملازم تمہیں پیچھے ملازموں کے کوارٹروں میں پہنچا دے گا۔ پیچھے ملازموں کے کواٹروں کی قطار موجود ہے۔ بولو' میں نے تم سے تمہارا ماضی نہیں پوچھا۔ نام ٹھیک ہے تم نے خود بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ مسلمان ہو۔ کھانے پینے میں اگر کوئی دقت پیش آئے تو اس کے لئے میں باقاعدہ تمہیں فنڈ دوں گی خود چاہو خود پکا لینا۔ ورنہ باہر کسی مسلمان ہوٹل میں کھانا کھا لیا کرو۔ یا وہاں سے منگوا لیا کرو۔ ادائیگی میں کروں گی۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"اب ایک سوال کرلوں سندرا دیوی؟"

"جانتی ہوں کیا سوال کرو گے۔ یہی کہو گے نا کہ میں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہوں۔ مجھے تم سے کیا لالچ ہے تو سنو! مجھے تم سے لالچ ہے لیکن یہ لالچ بتانے کے لئے مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے اگر جلد بازی نہ کرو اور یہ جگہ تمہیں مناسب محسوس ہو تو ملازم کے ساتھ چلے جاؤ میں اسے ہدایت دے دیتی ہوں۔ کیر سنگھ ہمارا یہاں خاص ملازم ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ اتنی ہی عظیم ہیں تو میں آپ کے احسان کو ضرور قبول کروں گا۔"

کیر سنگھ چوڑے چکلے بدن کا آدمی تھا لیکن اس کا رویہ بھی میرے ساتھ اچھا تھا۔ حویلی کے عقبی گوشے میں ملازموں کے کوارٹر بنے ہوئے تھے ان کی تعداد چودہ تھی ایک کمرہ اٹیچ باتھ روم' باورچی خانہ اور چھوٹا سا صحن یہ ان کوارٹروں کی کل کائنات تھی۔ ہر کوارٹر دوسرے سے الگ تھا۔ بائیں سمت ایک عمارت بنی ہوئی تھی جس کے بارے میں کیر سنگھ نے بتایا۔

"اصل میں یہی پرانی کوٹھی تھی لیکن بعد میں بیگم صاحبہ نے اس کے آس پاس کی زمین خرید کر یہ عمارت بنوائی لیکن پرانی کوٹھی کو انہوں نے اسی طرح قائم رہنے دیا ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال یہاں آرام سے وقت گزرنے لگا۔ کھانے پینے کا کوئی خاص مسئلہ نہیں تھا۔ پوری بھاجی' ترکاری یہ بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔ ویسے ابھی تک میرے دل سے کالی چرن کا خوف نہیں گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ شیطان کا بچہ میری طرف سے غافل تھا یا کوئی اور چال سوچ رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سندرا دیوی باقاعدگی سے لوگوں کے ساتھ احسان کرتی تھیں۔ اکثر غریب افراد ان کے

پاس آتے تھے۔ انہیں اپنی دکھ بھری داستان سناتے تھے اور سندرا دیوی ان کا دکھ دور کرنے کے لئے بے چین ہو جاتی تھیں۔ بیماروں کے لئے ہسپتال سے رجوع کرتیں اور اپنے خرچ پر ان کے علاج کے لئے داخل کرا دیتیں۔ میں نے سوچا اگر کچھ عرصہ یہاں سکون سے گزر جائے تو اچھی بات ہے سب سے بڑی بات یہ کہ سندرا دیوی نے آج تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور یہ ایک بڑی بات تھی۔ کیونکہ کوئی بھی انسان یوں کسی اجنبی شخص کو اپنے درمیان جگہ نہیں دے دیتا۔ جب تک کہ اس کے بارے میں اسے پوری پوری معلومات نہ حاصل ہو جائیں۔ ابھی تک میں یہاں حرام خوروں کی مانند زندگی گزار رہا تھا کہ سندرا دیوی نے مجھے کسی کام کے لئے نہیں کہا تھا لیکن اب میں چھوٹے موٹے کام کرنا چاہتا تھا۔ دل میں یہی آرزو تھی کہ خدا کرے کالی چرن میری طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ ایک دن سندرا دیوی نے مجھے لان پر طلب کر لیا۔ سامنے سے گزر رہا تھا کہ انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

"بیٹھو سلطان! بے شک تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن آج نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش ابھری ہے کہ تمہارے بارے میں تم سے کچھ پوچھوں۔ مجھے اپنا ماضی بے شک نہ بتاؤ۔ یہ بھی مت بتاؤ کہ تم نے کوئی جرم کیا ہے اپنی زندگی میں، بالکل نہیں پوچھنا چاہتی ان تمام چیزوں کے بارے میں۔ اتنا بتا دو تمہاری زندگی میں کوئی ایسا دکھ تو نہیں ہے جو تمہیں بے چین رکھتا ہو۔ تمہارے اپنے عزیز و اقارب تمہارے ملنے جلنے والے یہاں اس شہر میں ہیں یا نہیں۔ تم کسی سے ملنا چاہتے ہو۔ کسی کے لئے تڑپتے تو نہیں ہو۔ دیکھو میری کسی بات میں کوئی کھوٹ مت سمجھنا۔ بس میں ایسے ہی سوچتی ہوں کہ کم از کم میری چھت کے نیچے کوئی ایسا دکھی نہ ہو جس کا دکھ میں دور کر سکتی ہوں۔"

بڑے عظیم الفاظ تھے بڑے قیمتی تھے۔ میں نے سندرا دیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سندرا جی میری زندگی میں کچھ الجھنیں ہیں لیکن آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں میں، ان کے بارے میں تفصیل مت پوچھیں تو اچھا ہے۔"

"تمہاری مرضی ہے میں نے تم سے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی ایسا کام مت کرو جو تمہاری مرضی کے خلاف ہو اچھا یہ بتاؤ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

سندرا دیوی کا لہجہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ میں نے اسے محسوس کیا۔ "اب تک آپ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا احساس نہ پا کر میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو دکھ ہوا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں، میں یہ سوچ رہی تھی کہ شاید تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے لیکن کوئی بات نہیں ہے جب تم یہ محسوس کر لو کہ میں کوئی بری انسان نہیں ہوں اور مجھے اپنے بارے میں بتا کر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو بتا دینا مجھے اپنے بارے میں اگر اس کے بعد بھی کسی خوف کا احساس ہے تو یقین کرو میں تم سے تمہاری پسند کے خلاف کچھ نہیں پوچھنا چاہتی۔ مجھے اس سے کوئی نفع یا نقصان مقصود نہیں ہے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"تو سندرا دیوی آپ بھی ایک بات سن لیجئے گا اگر آپ نے میرے بارے میں جاننے کے بعد مجھے اپنی دنیا سے دور کر دیا تو یقین کیجئے گا بہت دکھ ہو گا مجھے اور اس کے بعد شاید میں کسی سے سچ نہ بولوں۔"

سندرا دیوی نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا اور پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا اندازہ غلط تو نہیں تھا۔"

"کیسا اندازہ دیوی جی۔" میں نے سوال کیا۔

"یہی کہ تمہارے اندر کوئی گہرا دکھ پل رہا ہے۔ بیٹھو، بیٹھ جاؤ۔"

"مجھے زمین پر بیٹھنے کی اجازت دیں۔"

"نہیں میں انسانوں کی بے قدری نہیں دیکھ سکتی۔ اگر بیٹھ سکتے ہو تو سامنے کرسی پر بیٹھو ورنہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔"

اس سے زیادہ اور کیا سوچتا ان کے بارے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا دیوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیر سنگھ بھی یہ بات مجھے بتا رہا تھا کہ تم ایک باسلیقہ نوجوان ہو اور تمہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ تمہارا تعلق اچھے اور کھاتے پیتے گھر سے ہے۔ خیر یہ بات تو میں نے ایسے ہی کہہ دی۔ اب بھی تمہیں اس بات کا پورا پورا حق دے رہی ہوں۔ جو مناسب سمجھو وہ بتانا اور جو مناسب نہ سمجھو وہ مت بتانا میں تم سے ضد نہیں کروں گی۔"

"دیوی جی مجھے بس اس بات کا خطرہ ہے کہ آپ مجھ سے میری داستان سننے کے بعد مجھے اپنے گھر سے نکال دیں گی۔ آپ یقین کیجئے میں خود بھی یہ بالکل نہیں چاہوں گا

کہ میری ذات سے آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ جب تک خاموشی سے یہ سلسلہ چلتا رہے اچھا ہے اور جب میری حقیقت یہاں آپ پر کھل جائے یا میرے دشمن یہاں مجھے نقصان پہنچانے کے لئے پہنچ جائیں تو میں خود یہ جگہ چھوڑ دوں۔ آپ جیسی عظیم شخصیت کو کوئی نقصان پہنچانا میرے لئے بالکل مناسب نہیں ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔"

سندرا دیوی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"اگر تم یہ بات سوچ رہے ہو تو پھر بے دھڑک مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہوگا وہ تمہیں پورے خلوص کے ساتھ سچ سچ بتادوں گی۔"

☆======☆======☆

عجیب سی بات تھی۔ زندگی میں میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے مجھے ایک بے یقینی کا شکار کر دیا تھا کسی سے سچ بولنے کو دل نہیں چاہتا تھا لیکن سندرا دیوی کے سامنے نہ جانے کیوں میں پانی کی طرح پگھل گیا تھا۔ اس وقت میں نہیں میری زبان بول رہی تھی، میرے اختیار کے بغیر۔ میں نے اسی عالم بے اختیاری میں کہا۔

"بڑی عجیب کہانی ہے میری میڈم۔"

"اس کا تو مجھے اندازہ ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

تمہاری کہانی عجیب ہی ہو سکتی ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم خود عجیب ہو۔"

"میں تو ایسی کوئی بات نہیں سمجھتا۔"

"انسان اپنے بارے میں زیادہ نہیں جانتا.......... خیر چھوڑو.......... میں تمہاری سننا چاہتی ہوں۔"

"آپ بہت اچھی ہیں سندرا دیوی، ممکن ہے میرے بارے میں جاننے کے بعد آپ کے خیالات میرے بارے میں خراب ہو جائیں۔"

"تو پھر؟"

"میں ایسا نہیں چاہتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میڈم۔ اگر ایسی بات ہے تو آج میں بھی دل کی کتاب کھول دیتا ہوں۔ بڑی معمولی ہے میری ہستی بے حد معمولی، میں نے تو آج تک یہی کوشش کی تھی کہ میرا بھرم رہ جائے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے سامنے سارے بھرم کھل جاتے ہیں۔ میرا تعلق ایک چھوٹی سی بستی علی جاہ سے ہے جہاں کی مسجد میں میرے والد نماز پڑھاتے تھے۔ میں آوارہ لڑکوں کی صحبت میں زندگی گزار رہا تھا اور میں نے اپنے والد کی کسی نصیحت پر کبھی کان نہ دھرے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ جب مجھے روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے تو میں نے بستی چھوڑ دی۔ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا دولت حاصل کروں اور اس کے لئے میں نے نہ جانے کیا کیا جتن کئے۔ تب مجھے ایک سادھو کالی چرن ملا جس نے اپنے کالے علم کی تکمیل کے لئے مجھ سے گھناؤنے کام لینا چاہے جن سے میں اتفاق نہیں کر سکا۔ سادھو کے پاس سے فرار حاصل کر کے میں بھٹک رہا تھا کہ ایک اور خوفناک وجود چمپاوتی مجھے مل گئی جس نے مجھے ایک اور ہی راستے پر لگا دیا۔"

میں نے الف سے لے کر یے تک پوری کہانی سنادی۔ سندرا دیوی بہت غور سے یہ کہانی سن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم کہتے ہو تم معمولی آدمی ہو۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے کہا۔

"میں کہتی ہوں تم انتہائی بیلنس آدمی ہو۔"

"وہ کیسے میڈم.........."

"کالی چرن نے بھی تمہیں دولت کی پیش کش کی ہوگی۔"

"ہاں۔"

اور چمپا کے بارے میں بھی تم بتا چکے ہو۔"

"ہاں۔"

"خیر.......... تم اچھے انسان اس لئے ہو کہ تم نے اپنے ضمیر کی چبھن کو محسوس کیا اور دولت ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لیا۔ تم فکر مت کرو میں تمہیں ایک ایسی بزرگ ہستی کے پاس لے چلوں گی جن کے پاس تمہاری تمام مشکلوں کا حل موجود ہے لیکن اس سے پہلے تمہیں ایسے انسان سے ملانا چاہتی ہوں جو دولت کا شکار ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دولت کا شکار............؟" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں ڈیئر شعبان........... اس کمبخت دولت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ انسان اس کے حصول کے لئے اتنا گر جاتا ہے کہ انسانیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے' اور ج اس کی زد میں آنے کے باوجود اپنے ضمیر کو زندہ رکھ سکیں وہ قابل احترام ہوتے ہیں۔ جیسے تم۔" سندرا دیوی مسکرا کر بولی۔

"آپ یقین کریں میڈم میں تو خود کو دنیا کا پست ترین انسان سمجھتا ہوں۔"

"جبکہ تم پست نہیں ہو۔"

"شکریہ کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے نیاز مندی سے کہا۔ اور پھر میں عبرت کی تصویر بننے والے تنویر سے ملا۔ اسے دیکھ کر میں کانپ گیا تھا۔ سندرا دیو اس کا علاج کرا رہی تھی اور اس کے سارے اخراجات اٹھا رہی تھی۔ میرے استفسا پر اس نے روتے ہوئے مجھے بتایا۔

میرا نام تنویر ہے۔ باپ بچپن میں مر چکا تھا۔ ماں کے ساتھ زندگی گزاری۔ با کا چھوڑا ہوا پیسہ ساتھ دے رہا تھا اور زندگی گزر رہی تھی۔ ماں بیمار رہتی تھی بمشک تمام میں نے میٹرک پاس کیا اور باپ کا چھوڑا ہوا پیسہ اسی وقت تک ساتھ دے سکا جب تک میں نے میٹرک نہ کر لیا۔ میٹرک کر لیا تو ماں کا انتقال ہو گیا۔ گویا وہ اس انتظار کر رہی تھی کہ میں میٹرک پاس کر لوں۔ چھوٹی سی جگہ رہنے کے لئے تھی ج جھونپڑی ہی کہنا مناسب ہو گا۔ ہمیشہ سے یہاں رہتا تھا تمام لوگ جان پہچان والے تھے ایک چھوٹی سی ملازمت مل گئی تھی جس سے بہت معمولی سی تنخواہ ملتی تھی۔ ایک شا کی دکان پر کام کرتا تھا لیکن جس بستی کا رہنے والا تھا۔ وہاں میٹرک بہت بڑی حیثیہ رکھتا تھا کیونکہ وہاں میٹرک پاس بہت کم تھے۔ دکان پر کام کرتا رہا مگر جی نہیں لگتا تھا پھر بھی کئی سال گزار لئے اور یوں وقت گزارتا رہا لیکن دل میں نہ جانے کیا کیا سوچ پروان چڑھ رہی تھیں۔ بڑا آدمی بننے کے خواب آنکھوں میں بسے ہوئے تھے اور خواب کبھی کبھی حد سے گزر جاتے ہیں۔

پھر دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی کسی بڑے شہر جا کر قسمت آزمائی جائے۔ جی میں کچھ نہیں تھا۔ چند جوڑے کپڑے اور وہ چھوٹی سی جھونپڑی۔ دکان سے جو کچھ تھا وہ کھانے پینے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ یا پھر چھوٹی موٹی کوئی تفریح کر لی بستی کے وا سینما گھر میں لگنے والی فلم تو میں ہمیشہ ہی دیکھ لیا کرتا تھا۔ بڑے شہر کی بات ہی بڑی ہو

ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جھونپڑی بیچ دوں۔ اونے پونے یہ جھونپڑی بیچی اور ریل میں بیٹھا اور شہر چل پڑا۔ تیز آدمی تھا اور زمانے کو کسی کی سرپرستی کے بغیر دیکھا تھا۔ اس لئے اس سے کچھ زیادہ ہی شناسائی ہو گئی تھی۔ شہر بہت بڑا تھا لیکن میں نے اپنے آپ کو وہاں اجنبی نہ محسوس ہونے دیا ایک عارضی جگہ رہائش اختیار کر لی۔ جو مہنگی بے شک تھی لیکن اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جانتا تھا کہ نوکری کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔ ہر طرف سے کوشش کر رہا تھا بالآخر ایک مل کے اسٹور میں اسٹور کلرک کی نوکری مل گئی اور یوں لگا جیسے زندگی کو بہت بڑا سہارا حاصل ہو گیا ہو۔ کام کرتا رہا۔ مل میں بے شمار مزدور تھے لیکن جلال کچھ ایسا مجھ سے گھلا ملا کہ میرا گہرا دوست بن گیا۔ مل کی کینٹین میں ایک میز پر کھانا کھاتے ہوئے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ خوبصورت نقوش والا تندرست و توانا لڑکا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ بھی کہیں باہر سے آیا ہے اور یہاں مل میں کام کرتا ہے۔ دل کی باتیں ہوئیں۔ جلال نے بتایا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتا ہے جو اس نے تین سو روپے مہینے پر حاصل کیا ہوا ہے اور یہ تین سو روپے اسے بہت سخت محسوس ہوتے ہیں کیونکہ اس کی کل کمائی آٹھ نو سو روپے ماہوار ہے۔ میں نے فوراً ہی اسے پیش کش کر دی کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ تمام اخراجات آدھے آدھے کر لیں گے۔ جلال خوشی سے تیار ہو گیا تھا۔ تب میں وہ مہنگی رہائش چھوڑ کر اس چھوٹے سے کمرے میں آ گیا۔ جو ایک معمولی سی بستی میں واقعہ تھا۔ میری اور جلال کی دوستی گہری ہوتی چلی گئی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے بے تکلف دوست بن گئے۔ ہر وقت کے ساتھی ہر تفریح ساتھ کیا کرتے تھے۔ جلال اب ذرا بہتر حالت میں آ گیا تھا۔ تین سو روپے اہوار وہ اپنے گھر بھیجا کرتا تھا۔ باقی سارے اخراجات خود کرتا تھا۔ شوقین تھا اور زندگی کو میری طرح حسین دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی مستقبل کے سنہری خواب بسے ہوئے تھے اور وہ بڑے معصومانہ انداز میں اس کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ ہم دونوں مل کر خواب دیکھتے تھے اور ایسی احمقانہ باتیں کیا کرتے تھے کہ بعد میں خود ان پر ہنسی آئے۔ مستقبل کچھ بھی نہیں تھا۔ دور دور تک ویران کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے۔ ایک اسٹور کلرک اور دوسرا کپڑا بننے والا دیور۔ بھلا ان کا مستقبل کیا ہو سکتا تھا لیکن خواب دیکھنے پر تو کوئی پابندی نہیں تھی اور ان خوابوں میں ہم نے خود کو نہ جانے کیسے کیسے محلوں میں دیکھا تھا گفتگو کرتے تھے اور آپس میں ہنستے تھے۔ جلال کہتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔

"یار میں جو اپنا گھر بناؤں گا نہ اُس میں رہنے کی جگہ تو تھوڑی سی ہوگی ایک بہت بڑا لان بناؤں گا مجھے گھر کے احاطے میں لان بہت پسند ہے۔ جہاں شام کو بیٹھ کر چائے پی جائے۔ کیسا لگتا ہوگا تنویر.........."

"بہت اچھا.......... تو فکر نہ کر میں بہت جلد تجھے ایک ایسا مکان دوں گا۔"

"کہاں سے؟" وہ ہنس کر پوچھتا۔

"یار یہ تو کبھی میں نے خود بھی نہیں سوچا۔" پھر ہماری زندگی میں قمرالنساء آئی۔ قمرالنساء محلے میں سامنے والے گھر کی اوپری منزل پر رہتی تھی۔ اس کے ماں باپ اپنی اپنی دھن میں مست۔ بھائی اور بھاوج بھی تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس گھر میں ہر ایک کا راج ہو۔ قمرالنساء عموماً محلے کے گھروں میں گھسی نظر آتی تھی۔ پھر اس نے ہم دونوں سے آنکھ لڑائی شروع کردی۔ جلال چونکہ شکل و صورت میں مجھ سے زیادہ خوبصورت تھا چنانچہ اس کی طرف قمرالنساء کی توجہ زیادہ ہوگئی۔ ہم دونوں کے دلوں میں ایک ہلکا سا بال آگیا جب قمرالنساء جلال سے متوجہ ہوتی تو میرے دل میں دھواں سا بھرنے لگتا تھا اور اگر کبھی اس نے مجھ سے بات کرلی تو جلال کا منہ پھول جاتا تھا۔ غرض یہ کہ یہ کھیل ہم دونوں کے بیچ چلنے لگا اور ہم دونوں دنیا کے ہر موضوع پر گفتگو کرنے کے باوجود قمرالنساء کے موضوع پر گفتگو نہ کرسکے۔ جلال ان دنوں کچھ زیادہ ہی خوش نظر آرہا تھا۔ ایک دن اس نے بڑے شاہانہ انداز میں مجھ سے کہا۔

"تنویر صاحب آپ تو کوئی محل وحل تیار نہیں کرسکے لیکن میں نے اس محل کی جانب قدم بڑھا دیئے ہیں۔"

"کیسے؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"یہ دیکھئے.......... یہ کیا ہے؟" اس نے ایک چھوٹا سا کاغذ نکال کر میرے سامنے کردیا۔ میں نے اسے دیکھا ریفل ٹکٹ تھا جو اس نے دس روپے کا خریدا تھا۔ میں ہنس پڑا۔

"یہ کیا ہے۔"

"بیس لاکھ روپے نقد۔" جلال نے جواب دیا۔

"خوب.........."

"نمبر نوٹ کرلو اس کا عزیزی دیوار پر۔ اس مہینے ہی ٹکٹ نکلنا ہے۔ میں دعویٰ

کرتا ہوں اس بات کا۔" اس نے خود ہی دیوار پر پنسل سے ٹیڑھے میڑھے الفاظ میں ٹکٹ کا نمبر لکھ دیا۔ میں ہنس کر بات ٹال گیا تھا اور یوں یہ بیس لاکھ روپے کا مسئلہ ذہن سے نکل گیا۔ جلال نے ایک شام مجھ سے کہا۔

"کچھ پیسے ہوں گے تنویر۔"

"خیریت۔ پیسوں کی ضرورت کیوں پیش آگئی..........؟"

"وہ بس یار میں نے اس بار گھر ذرا زیادہ پیسے بھجوا دیئے ایک پچاس روپے دے دو۔ تنخواہ ملے گی تو واپس کردوں گا.........."

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور اسے پچاس کا نوٹ دے دیا۔ جلال پچھلے دنوں سے کچھ زیادہ ہی خوش و خرم نظر آرہا تھا۔ اس نے کپڑے وغیرہ بھی نئے سلوائے تھے اور عموماً شام کو مجھ سے چھپ کر نکل جایا کرتا تھا۔ آج میں نے سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی۔ جلال کیا کرتا ہے چنانچہ جب وہ تیار ہوکر گھر سے نکلا تو میں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ جلال کافی دور تک پیدل چلتا رہا تھا پھر اس کے بعد وہ ایک سینما ہاؤس کے باہر رکا اور چند ہی لمحات کے بعد میں نے قمرالنساء کو اس کے قریب دیکھا۔ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے جلال کے پاس آگئی تھی۔ جلال نے اس دوران فلم کے دو ٹکٹ خرید لئے تھے اور پھر وہ قمرالنساء کے ساتھ پکچر ہاؤس میں داخل ہوگیا۔ میرا دل بری طرح سلگ اٹھا تھا۔ جلال بے ایمان آدمی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ پچھلے دنوں وہ قمرالنساء کے ساتھ کافی رنگ رلیاں مناتا رہا ہے اور مجھے دھوکا دیتا رہا ہے۔ یقینی طور پر اس نے اپنی اس ماہ کی آمدنی قمرالنساء پر خرچ کی ہوگی۔ میں بری طرح حسد اور جلن کا شکار ہوگیا۔ جلال کے لئے دل میں بے پناہ نفرت بھر گئی اور پھر اس رات جب وہ واپس آیا تو میں نے اس سے سوال کرہی دیا۔

"کہاں گئے تھے؟"

"وہ بس یار.......... کچھ دوستوں نے بلایا تھا۔ ان کے ہاں دیر ہوگئی تاش کھیلنے بیٹھ گئے تھے۔"

"جلال۔ مجھ سے جھوٹ بولتے ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" اس نے سوال کیا۔

"تم قمرالنساء کے ساتھ پکچر ہاؤس گئے تھے۔" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر ہنس پڑا اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یار اس مہینے میں نے پانچ فلمیں دیکھی ہیں اس کے ساتھ 'کیا بات ہے تنویر۔ اور............ اور وہ مجھ سے شادی کا وعدہ بھی کر چکی ہے۔ اس کے گھر والے بڑے لالچی قسم کے لوگ ہیں۔ میں نے دو سو انہیں قرض دے دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے میرا ہاتھ تنگ ہو گیا۔"

"بہر حال یہ تمہارا معاملہ ہے۔ جلال میں ان دنوں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

یہ کہ میں یہ جھونپڑی چھوڑ دوں۔ یہاں مجھے رہنے میں خاصی تکلیف ہوتی ہے۔ پہلی تاریخ کے بعد یہ جھونپڑی چھوڑ دوں گا۔"

"ارے ارے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ کہاں جاؤ گے پھر............"

"جہاں بھی جاؤں لیکن کم از کم تم جیسے غدار دوست سے تو پیچھا چھوٹ جائے گا۔" نہ جانے کیوں جلال کو بھی غصہ آ گیا۔ کہنے لگا۔

"میں نے کوئی غداری نہیں کی ہے۔ اگر قمرالنساء کی بات کرتے ہو تو یہ تو دلوں کے معاملے ہیں وہ تمہیں نہیں مجھے چاہتی ہے۔ اور آج جب تم نے یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو اب میں تم سے صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اسے اپنی بھابی سمجھو اور اس کی طرف کبھی نگاہ نہ ڈالو۔"

"وہ ابھی تمہاری بیوی نہیں ہے جلال اور میں بھی اس کا حق رکھتا ہوں کہ اس جیسی لڑکی کو پھانسنے کی کوشش کروں۔" جلال کا تھپڑ میرے منہ پر پڑا تھا اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے دوبارہ اس کے لئے اپنے منہ سے ایسی بات نکالی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا تنویر۔ فوراً یہاں سے اپنا سامان اٹھاؤ اور نکل جاؤ۔ کیا سمجھتے ہو تم۔ یہ معاملے ایسے نہیں ہوتے کہ انسان اس قسم کی باتیں کرے۔ تم انتہائی پنچ اور کمینے قسم کے انسان ہو۔" میں نے خاموشی سے جلال کی باتیں سنتا رہا اپنے رخسار پر اس کے تھپڑ کا احساس مجھے اب بھی ہو رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے جلال! اب تو رات زیادہ ہو گئی ہے کل صبح کو اپنا مختصر سامان لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"فوراً چلے جاؤ............"

"تم نے مجھ سے پچاس روپے قرض لئے ہیں۔ بہتر ہے وہ واپس کر دو۔"

"کوئی پیسے نہیں ہیں میرے پاس سمجھے۔ ہوں گے جب واپس کر دوں گا اور ویسے
ی میں نے تم سے پہلی تاریخ کے لئے پیسے قرض لئے تھے۔" میں خاموش ہو گیا۔ جلال
غصے میں بھر گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ جا کر لیٹ گیا لیکن اسے یہ احساس نہیں تھا کہ میرے
ن میں چنگاریاں دوڑ رہی ہیں میرا ذہن مختلف منصوبے بنا رہا ہے۔ قمرالنساء جلال
ساتھ سینما گئی تھی وہ اکثر جاتی رہتی ہے اور اس نے جلال سے مستقبل کے وعدے
لئے ہیں۔ یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت تھی۔ چلو جلال کا گھر چھوڑ دیتا میں
یں بھی اپنی جگہ بنا لیتا لیکن قمرالنساء کے معاملے کو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جلال کو
رے راستے سے ہٹنا چاہئے۔ اسے میرے راستے سے ہٹنا ہی چاہئے۔ وہ خیال میرے
ن میں طوفان کی طرح چلا تا چلا گیا۔ جلال کروٹ بدلے گہری نیند سو چکا تھا اور میں
ب رہا تھا۔ میرے بدن میں چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔ میرے ہاتھوں میں تشنج پیدا ہو
ا تھا۔ پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے جلال کو دیکھا
ر بے آواز چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے اس سے بے پناہ نفرت محسوس
رہی تھی۔ ایسی نفرت جس کا لاوا میرے ذہن میں کھول رہا تھا اور میرے ہاتھ اس
ی گردن کی جانب بڑھ گئے۔ پھر میں نے اسے اتنی قوت سے دبوچ لیا کہ وہ جنبش بھی
کر سکا۔ بے شک اگر اسے موقع مل جاتا اور اگر وہ ہوش میں ہوتا تو سخت مدافعت
رتا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور تھا لیکن میرے اندر چونکہ جنون جنم لے چکا تھا اور
ری وحشت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس لئے اس وقت اس کی ایک بھی نہ چلی۔
رے ہاتھوں کے نیچے اس کی گردن دباتے رہے اور میں نے اس کی زبان باہر نکلتے
یکھی۔ اس کی آنکھیں ابل پڑی تھیں۔ اس کا سینہ پھول رہا تھا اور وہ کوئی جدوجہد
یں کر پا رہا تھا۔ میں نے اس کا نرخرہ دبا لیا تھا اور نہ جانے کتنی دیر میں اسے اسی طرح
بوچے بیٹھا رہا۔ میری خونی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں اور میں اسے
م توڑتے دیکھ رہا تھا۔ اس کا خوبصورت چہرہ انتہائی دہشت ناک ہو گیا تھا۔ پھر جب
س کے جسم کی ہر جنبش ختم ہو گئی۔ جب اس کی سانس رک گئی اور جب اس کے
ورے بدن نے کام کرنا چھوڑ دیا تو میں نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

اس نے میرے رخسار پر تھپڑ مارا تھا۔ اس نے............ اس نے قمرالنساء کو
ھ سے چھین لیا تھا اور............ اور............ اور میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ پھر
ں نے اس کے دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی اور جب کوئی آواز نہ پائی تو دفعتاً

ہی میرے دماغ میں سناٹا چھا گیا۔ بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ مرچکا تھا۔ جلا
مرچکا تھا۔ جلال زندگی سے محروم ہوگیا تھا اور میں' میں قاتل تھا۔ ہاں میں نے قتل کرد
تھا۔ میرے پورے اعصاب جھنجھنانے لگے۔ اب کیا ہوگا اب کیا ہوگا۔ میرا ذہن کا
دیر تک سناٹے میں گم رہا اور پھر میں نے اپنے مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

پھانسی کا پھندہ میری نگاہوں کے سامنے جھولنے لگا۔ نہیں نہیں میں ابھی مرنا نہیں
چاہتا۔ میں زندہ رہنے کا خواہش مند ہوں اور............ اور............ او
اگر............ اگر جلال میرے راستے میں نہ ہوا تو پھر قمرالنساء تک پہنچنے کی راہیں
ہموار ہوسکتی ہیں لیکن اس قتل کو کیسے چھپایا جائے؟ میں جھونپڑی کے چھوٹے سے صحن
میں نکل آیا۔ کچا صحن تھا اور اس میں جگہ جگہ کیاریاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کیاریوں میں
ایسے ہی اوٹ پٹانگ پودے لگے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں فوراً ہی ایک منصوبہ
آگیا۔ اگر جلال کو کہیں جھونپڑی کے صحن میں دفن کردیا جائے تو۔ اور میں نے اس
منصوبے کے ایک ایک پہلو پر غور کیا۔ دوسرے دن میں اپنے اس کام کے لئے تیا
تھا۔ نہ جانے کہاں سے میرے اندر یہ قوتیں ابھر آئی تھیں۔ صبح سات بجے سے تین
بجے تک کی ڈیوٹی ہوا کرتی تھی اور اس کے بعد چھٹی ہوجاتی تھی۔ میں نے جلال کی
لاش کو پلنگ کے نیچے رکھا اوپر سے چادر بچھادی اور اس کے بعد گھر سے باہر نکل آیا۔
جھونپڑی کے دروازے کو تالہ لگایا اور ڈیوٹی پر چلا گیا۔ اکثر میں اور جلال ساتھ ہی
ڈیوٹی پر جاتے تھے۔ بہرحال میں نے پوری ہمت کے ساتھ اس دن اپنا کام کیا اور شام
کے لئے تمام منصوبے مکمل کرلئے۔ مقررہ وقت پر میں گھر واپس آیا اور تھوڑی دیر
کے بعد میں نے محلے کے ایک دور دراز حصے میں جاکر ایک کدال اور پھاوڑا حاصل کیا
اور خاموشی سے اپنی جھونپڑی میں آگیا۔ کسی سے ہمارے بہت زیادہ گہرے مراسم
نہیں تھے۔ بس یونہی سلام دعا تھی۔ چنانچہ نہ کسی نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے
کسی کو کچھ بتایا۔ قمرالنساء البتہ دو تین بار کھڑکی پر آئی تھی لیکن اس کا سامنا بھی
دروازے پر ہی جاکر ہوسکتا تھا۔ رات ہوگئی۔ جلال کے جسم سے ہلکی ہلکی بدبو اٹھنے لگی
تھی۔

چاروں طرف گہری خاموشی اور سناٹے کا راج ہوگیا۔ میں نے ایک کیاری کے
پاس زمین کھودنا شروع کردی اور اسے کافی گہری قبر کی شکل میں تیار کرلیا۔ بہت مشکل
کام تھا لیکن مجھے یہ کام بہرطور سرانجام دینا تھا۔ میری بے انتہا محنت نے ایک قبر تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی اور میں نے لاش کو اٹھا کر اس قبر میں لٹا دیا۔ پھر میں اس قبر کی مٹی برابر کرنے لگا
ں نے بڑی احتیاط سے مٹی اس طرح ہموار کردی کہ دیکھنے والے کو کوئی شک نہ
سکے اور جب اس کام سے فارغ ہوا تو صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی۔ میں
ے ایک دن پہلے ہی دوسرے دن کے لئے چھٹی حاصل کرلی تھی کیونکہ یہ دن میں ذرا
رام کرتے ہوئے گزارنا چاہتا تھا۔ میں باقاعدہ قاتل نہیں تھا اور یہ قتل کرکے جو
صابی خوف مجھ پر طاری ہوا تھا اسے بمشکل تمام میں نے سنبھالے رکھا تھا۔ دوسرے
ن پورا دن چھٹی میں گزارا اور اس کے بعد شام کو کافی حد تک پُرسکون ہوگیا۔ کسی کو
وں کان خبر نہیں ہوسکی تھی چونکہ کیاری کے قریب میں نے قبر بنائی تھی اس لئے
ئی ایسی بات نہیں تھی جس پر کسی کو شبہ ہوسکے۔ ویسے بھی یہاں کوئی آتا نہیں تھا۔
النساء کو البتہ میں نے خاصا بے چین دیکھا۔ پھر اس کے چھوٹے بھائی نے مجھ سے
ال کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتایا کہ جلال اچانک ماں کی بیماری کی وجہ سے
ی بستی چلا گیا ہے۔

میں اس مکان میں دن گزارتا رہا جلال کی موت کو آٹھ یا نو دن گزر گئے تھے
نکہ اس کے شعبے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے کسی نے مجھ سے اس کے
ے میں پوچھا بھی نہیں تھا اور بات بالکل خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ بیس
یس دن گزر گئے ان دنوں میں بہت سی بار مجھے راتوں کو دہشت محسوس ہوئی مجھے
ں لگا جیسے جلال میرے اردگرد چکرا رہا ہے۔ مجھے گھور رہا ہے اور ایسے لمحات میں
رابدن کانپنے لگتا تھا لیکن ابھی تک قمرالنساء میری جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اکثر
ھر سے باہر نکلتے ہوئے اس کا سامنا ہوجاتا لیکن اس کی آنکھیں سوالیہ انداز میں میری
نب اٹھتی تھیں۔ میں اب اس سے بھی بددل ہوگیا تھا۔ بلاوجہ اس کمینی لڑکی سے
ابطہ قائم کیا۔ بہرحال کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا میں چاہتا تو یہ جگہ چھوڑ بھی سکتا تھا۔ قمر
نساء سے میرا کوئی معاملہ نہیں ہوسکتا چنانچہ بلاوجہ وقت گزار رہا ہوں یہاں اور پھر
اں سے نکل جاؤں تو اس خوف سے بھی نجات مل جائے گی لیکن ابھی تو یہاں خاصا
قت گزارنا پڑے گا چونکہ اتنی سستی جگہ دوسری نہیں مل سکتی۔

غالباً مہینے کی ستائیس یا اٹھائیس تاریخ تھی اور میں یونہی دفتر میں بیٹا ہوا تھا کہ
یری نگاہ اخبار پر پڑی۔ ریفل ٹکٹ کی قرعہ اندازی ہوچکی تھی اور اس کے نمبر چھپے
وئے تھے۔ اچانک ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ریفل ٹکٹ کا جو پہلا نمبر تھا وہ

میرا جانا پہچانا سا نظر آ رہا تھا۔ میں نے حیران نگاہوں سے اس نمبر کو دیکھا اور اپنے ذہن میں وہ نمبر دہرانے لگا جو جلال نے دیوار پر لکھ دیا تھا۔ بڑی بے چینی سے میں وقت کا انتظار کرتا رہا میں نے اخبار سے وہ نمبر نوٹ کرلیا تھا اور اس کے بعد ہانپتا کانپتا میں گھر میں داخل ہوا اور دیوار پر اس نمبر کو دیکھنے لگا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ جسم سائیں سائیں کرنے لگا۔ سر چکرا گیا کیونکہ اخبار میں چھپا ہوا پہلے انعام کا مستحق یہی نمبر تھا۔ جو جلال نے دیوار پر لکھا تھا۔ میں دیوانوں کی طرح جلال کے سامان کی تلاشی لینے لگا۔ مجھے وہ ریفل ٹکٹ درکار تھا جو جلال نے دس روپے کا خریدا تھا۔ آہ۔ بیس لاکھ روپے کا انعام پورے بیس لاکھ روپے کا انعام۔ میں پاگلوں کی طرح جلال کے سامان کی تلاش لیتا رہا۔ اس کے ٹرنک میں رکھے ہوئے کپڑے' ایک ایک چیز جو اس کی تھی۔ میں نے دیکھ ڈالی لیکن ریفل ٹکٹ مجھے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

میں پریشانی سے سوچنے لگا کہ ریفل ٹکٹ کہاں جاسکتا ہے۔ باہر بادل گڑگڑا رہے تھے اور شاید بارش بھی شروع ہوگئی تھی۔ میرا ذہن بری طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر جلال نے وہ ٹکٹ کہاں رکھ دیا اخبار سے جو نمبر نوٹ کیا تھا وہ بھی میرے پاس محفوظ تھا اور دیوار پر لکھا ہوا نمبر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ سو فیصدی وہی سو فیصدی وہی۔ دفعتاً باہر بجلی چمکی اور اس کے ساتھ ہی ایک خیال میرے ذہن میں کوند گیا۔ ہوسکتا ہے ریفل ٹکٹ جلال کے لباس میں ہی ہو۔ آہ.......... لیکن میں نے تو اس کو لباس سمیت ہی زمین کی گہرائیوں میں دفن کردیا تھا۔ اگر ریفل ٹکٹ اس کے لباس میں موجود ہے تو میں اسے بھلا کہاں سے حاصل کرسکوں تھا۔ میرے دل میں خوف و دہشت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ کیا قبر کھود کر جلال کے لباس کی تلاشی لی جائے۔ قبر کھود کر' قبر کھود کر میرا ذہن چیخنے لگا۔ بارش چھما چھم ہو رہی تھی۔ سرِ شام ہی بادل چھا گئے تھے لیکن اس وقت یہ بادل بری طرح برس رہے تھے نہ جانے کیوں۔ میں دہشت زدہ انداز میں جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا صحن پر اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں جلال دفن تھا۔ زمین کے نیچے زمین کی گہرائیوں میں بیس لاکھ روپے اس کے ساتھ دفن ہوگئے تھے۔ پورے بیس لاکھ' بیس لاکھ جو میرے سنہری مستقبل کو تابناک کردیں گے۔ جو میری زندگی میں روشنی پھیلا دیں گے ہمت کرنا پڑے گی۔ ہمت کرنا پڑے گی میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہت غور کیا اور اس کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ قبر کھودنا پڑے گی۔ یقیناً ضرور کھودنا پڑے گی لیکن اس سلسلے میں جلد بازی سے کام لینا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مناسب نہ ہوگا دوسری رات کا انتظار کرنا پڑے گا دوسری رات کا۔ اور رات بھر میں جاگتا رہا۔ بارش شاید آدھی رات کے بعد بند ہوگئی تھی کیونکہ اب اس کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی صبح کو موسم خاصا خوشگوار ہوگیا تھا۔ دروازے سے باہر نکلا تو قمرالنساء کو اپنے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تو وہ کھڑکی سے ہٹ گئی اور میں ہونٹ سکوڑے اپنے کام پر چل پڑا کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے کسی کو شبہ ہوجائے لیکن اب بھلا کام مجھ سے کب ہوسکتا تھا۔ آفس میں سر پکڑ بیٹھا رہا ایک دو بار جو کام کرنے پڑے وہ نہ جانے کیسے کئے۔ تین بجنے کا انتظار تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی دن کے اوقات میں' میں نے اپنے مستقبل کے لئے ہزاروں منصوبے بنا رکھے تھے۔

دل تھا کہ کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور بس یہی احساس کہ کیا ریفل ٹکٹ اس کے لباس میں محفوظ ہوگا۔ کیا اس کی قبر کھودنے کے بعد اگر میں اس کے لباس کی تلاشی لوں تو مجھے ریفل ٹکٹ مل جائے گا۔ نہ جانے کس طرح ہانپتا کانپتا میں گھر پہنچا۔ وہی دونوں چیزیں ایک بار پھر کرائے پر حاصل کی تھیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ البتہ بڑا چھپا کر ان دونوں چیزوں کو یہاں لایا تھا۔ ابھی تک تو کسی نے بھی جلال کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں کی زندگی بڑی محدود تھی۔ زیادہ لوگوں سے شناسائی ہی نہیں تھی۔ بہرحال خدا خدا کرکے رات ہوئی اور میں کچھ کھائے پئے بغیر خاموش بیٹھا غور کرتا رہا۔ قبر کھودنے کے احساس سے دل میں بڑے خوف کے جذبے ابھر رہے تھے لیکن یہ کرنا تھا۔ یہ ضرور کرنا تھا اور جب چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا راج ہوگیا تو میں کیاریوں کے قریب پہنچ گیا۔ وہ جگہ ذرا سی زمین میں دھنس گئی تھی جہاں میں نے جلال کو دفن کیا تھا یہ اس بارش کا نتیجہ تھا۔ میں نے پھاوڑے سے زمین کھودنا شروع کردی اور مٹی چونکہ نرم ہوگئی تھی اس لئے اسے ہٹانے میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آئی لیکن کافی وقت لگا اور وزنی مٹی کو میں نے قبر کے کنارے دور دور تک پھیلا دیا پھر مجھے جلال کا لباس نظر آیا۔ حالانکہ آسمان پر بادل نہیں تھے لیکن ابھی چاند بھی نہیں نکلا تھا۔ مجھے شدید بدبو محسوس ہونے لگی۔ جلال کا گوشت گل رہا تھا میں نے رات کی تاریکیوں میں اس کے مدہم مدہم نقوش محسوس کئے اور میری خوف سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

اندر حشرات الارض رینگ رہے تھے۔ نہ جانے کیسے کیسے کیڑے جلال کے جسم

سے چمٹے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ بالکل گل چکا تھا۔ گردن کے پاس بھی گوشت پگھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ لباس کافی بوسیدہ ہو چکا تھا اور مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔ میں اس کے چہرے کو دیکھتا رہا اس کی ایک آنکھ پگھل کر غائب ہو گئی تھی اور اس میں ایک گہرا گڑھا نظر آرہا تھا۔ دفعتاً آنکھ کے گڑھے سے میں نے ایک سیاہ سی چیز کو نکلتے ہوئے دیکھا اور میرے حلق سے آواز نکل گئی۔ یہ ایک بڑا کھنکھجورا تھا۔ جو اس کی آنکھ سے نکل کر اس کی پیشانی پر رینگتا ہوا بالوں کے عقبی حصے تک پہنچ گیا۔ خوف و دہشت کی وجہ سے میرے رونگٹے پسینہ چھوڑ رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے عقب سے مجھ پر کسی نے روشنی ڈالی ہو۔ اور میں دہشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھنے لگا۔ آسمان سے چاند نے جھانکا تھا اور اس کی روشنی مجھ پر پڑی تھی لیکن اس طرح جنبش کرنے سے دفعتاً میرے پیروں کے نیچے سے زمین پھسل گئی تھی اور میں پوری طرح جلال کے مردہ بدن پر آپڑا۔ اس وقت میں اپنی چیخ نہ روک سکا تھا۔ دفعتاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جلال کے دونوں ہاتھ اٹھے ہوں اور انہوں نے میرے گرد احاطہ کر لیا ہو۔ میں دہشت زدہ نگاہوں سے اس کے جسم پر اپنی ہتھیلیاں ٹکا کر اپنے آپ کو اس کے جسم سے دور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس کے گلے ہوئے گوشت کے ٹکڑے جگہ جگہ میرے جسم پر چپک گئے تھے اور میں جہاں بھی ہاتھ جما کر اٹھنے کی کوشش کرتا وہاں میرے ہاتھ اس کے گوشت میں اندر دھنس جاتے۔ میں نے شدید جدوجہد کر کے اس کے دونوں بازوؤں کو خود پر سے ہٹایا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے جلال کے استخوانی ہاتھوں نے مجھے پکڑ لیا ہو اور اب وہ مجھے چھوڑنا نہ چاہتا ہو۔ دہشت و خوف کا جو احساس اس وقت میرے دل میں بسا ہوا تھا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں تھا نہ جانے کس طرح میں اپنے آپ کو جلال کی گرفت سے آزاد کر سکا۔ ایک لمحے کے لئے جی چاہا کہ اچھل کر قبر سے باہر نکل جاؤں اور جہاں بھی سینگ سمائیں بھاگ جاؤں لیکن ریفل ٹکٹ کا خیال میرے ذہن میں اب بھی تھا۔ میں نے اپنے حواس کو بمشکل تمام قابو میں کیا اور اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا اور اس وقت میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب مجھے اس کی جیب میں اس کا مل کا کارڈ اور اس کارڈ میں رکھا ہوا ریفل ٹکٹ نظر آگیا۔ چاند کی روشنی میں، میں نے ریفل ٹکٹ کو دیکھا اور ایک لمحے کے لئے میں خوف و دہشت کے تمام احساس کو بھول گیا۔

آہ میں بیس لاکھ روپے کا مالک بن گیا تھا۔ بیس لاکھ روپے میری مٹھی میں تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس کے بعد میری ہمت بڑھتی چلی گئی۔ میں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو اس قبر سے باہر نکالا۔ جلال کے چہرے کو الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور پھر باہر نکل کر میں نے وہ مٹی برابر کرنا شروع کر دی۔ جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ڈھیری مٹی کو میں جلال کے جسم پر ڈالتا رہا یہ کام جس قدر خوفناک اور دہشت ناک تھا اس کا احساس میرے دل و دماغ پر اب بھی تھا لیکن ٹکٹ مل جانے کی خوشی نے بہت حد تک اس خوف کو کم کر دیا تھا۔ نہ جانے کس طرح میں نے یہ قبر برابر کی شدید محنت کرنے سے میرا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ حالانکہ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ جو پہلی رات ہونے والی بارش سے پیدا ہو گئی تھی لیکن میں پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور جب میں نے قبر کو برابر کر دیا تو مجھے ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا۔ میں نے آس پاس سے گھاس کی جڑیں اٹھا کر قبر پر جمانا شروع کر دیں اور اس کام سے فارغ ہو کر آخری نگاہوں سے قبر کو دیکھا پھر پھاوڑا اور کدال اٹھا کر ایک جانب رکھی اور اندر کی جانب چل پڑا۔ میرے جسم سے شدید بدبو اٹھ رہی تھی اور یہ بدبو جلال کے گلے ہوئے گوشت کے ان ٹکڑوں کی تھی جو میرے جسم اور چہرے وغیرہ سے چپک گئے تھے۔ میں وہاں سے سیدھا اندر پہنچا ریفل ٹکٹ نکال کر ایک جگہ رکھا اور اس کے بعد نہانے کے لئے غسل خانے کی طرف چل پڑا میں نے اپنا لباس اتارا تو دفعتاً ہی کوئی شے رینگتی ہوئی میرے ہاتھ پر سے گزرنے لگی میں نے اسے دیکھا تو وہی بڑا کھنکھجورا تھا۔ جو لاش سے نکل کر میرے لباس میں کہیں پوشیدہ ہو گیا تھا۔ میں نے بری طرح اسے اپنے ہاتھ سے جھٹکا اور دیوار پر زور سے ہاتھ مارا۔ کھنکھجورا نیچے گرا اور رینگتا ہوا ایک نالی میں داخل ہو گیا۔ بہر حال میں نے نہ جانے کس طرح اپنے جسم کو صاف کیا۔ دوسرا لباس پہنا اور پھر میں نے احتیاط کے طور پر وہ لباس اسی وقت دھو ڈالا جو میں پہنے ہوئے تھا اور جس پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ میرے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی میں ہی جانتا تھا لیکن رہ رہ کر جب بھی مجھے ریفل ٹکٹ کا خیال آتا میری دہشت کم ہونے لگتی۔ پھر میں نے روشنی جلا کر ریفل ٹکٹ نکالا اور دیوار کے قریب کھڑے ہو کر اس کا نمبر ملانے لگا۔ آہ وہ بیس لاکھ روپے کا نوٹ۔ بیس لاکھ روپے کا نوٹ جو اب میری ملکیت تھا۔

فرط خوشی سے میں دیوانہ ہو گیا۔ مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی گویا تعبیر مجھے تنہا ملی تھی اور جلال اس میں شریک نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں کیا کرتا اس کی تقدیر میں ہی یہ سب کچھ نہیں تھا۔ بعد میں، میں نے اس سلسلے میں غور کرنا شروع کر دیا کہ اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دولت ہاتھ میں تھی تو عقل بھی دماغ میں آگئی اور میں نے ایک منصوبہ ترتیب دے دیا۔ دوسری صبح میں کافی پُرسکون تھا۔ کدال اور پھاوڑا میں نے اس کے مالک کو واپس کردیا اور کرائیہ ادا کرنے کے بعد اپنے دفتر کی جانب چل پڑا۔ مستقبل کے سنہرے خواب میری آنکھوں میں موجود تھے اور پھر میں نے رفتہ رفتہ ان تمام کارروائیوں کو کرنا شروع کردیا جو اس کے بعد کی جاسکتی تھیں۔ ٹیکس وغیرہ کٹنے کے بعد لاکھوں روپے کی رقم مجھے مل گئی۔ اس دوران میں دفتر میں یہ ظاہر کرچکا تھا کہ میں اپنے والدین سے ملنے باہر جارہا ہوں۔ چھٹی کی درخواست بھی میں نے دے دی تھی۔ منصوبہ یہ تھا کہ اب میں اپنی شخصیت کو بالکل تبدیل کرلوں گا اور ایک نئے نام سے زندگی کا آغاز کروں گا۔ بالآخر میں نے یہ کام شروع کردیا سب سے پہلے میں کچھ بروکر سے ملا اور میں نے ایک فلیٹ کی خریداری کا سودا کیا۔ خوبصورت فلیٹ میری ملکیت بن گیا تو میں اس کی ڈیکوریشن میں مصروف ہوگیا۔ خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ دولت کے انبار میرے پاس موجود تھے اور زندگی میرے سامنے آسان سے آسان تر ہونے لگی تھی۔ اپنے حسین فلیٹ میں پہلی رات کا قیام میرے لئے اتنا دلکش تھا کہ میں خوشی سے ناچنے لگا تھا اور پھر بستر پر لیٹنے کے بعد میں نہ جانے کن کن خیالات میں گم ہوگیا۔ اب قمرالنساء جیسی لڑکیاں میرے قدموں کی خاک تھیں۔

صبح کو نہ جانے کیوں مجھے ہلکا ہلکا بخار ہوگیا تھا۔ غالباً یہ اتنے دنوں کی تھکن تھی جو اب جسم پر نمودار ہو رہی تھی۔ میں نے اس بخار کو کوئی اہمیت نہیں دی البتہ دوسرے دن ذرا جسم درد کرتا رہا مجھے کئی کام کرنے تھے۔ مکان کی ڈیکوریشن کے لئے کچھ نئی چیزیں خریدنا تھیں۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا اور یہ خریداری کرنے لگا۔ گھر واپس لوٹا دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر آرام کرنے لیٹ گیا۔ بخار کچھ زیادہ ہی تیز محسوس ہونے لگا تھا۔ اس کے علاوہ جسم پر جگہ جگہ کھجلی سی ہونے لگی تھی۔ میں نے اپنے بازو پر کھجایا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھال ادھڑتی جارہی ہے۔ میں نے حیرانی سے اپنے بازو کو دیکھا۔ درحقیقت کھال ادھڑ گئی تھی اور اس میں خون کے ذرات چمک رہے تھے۔ غالباً کھجلی زیادہ تھی اور میں نے زیادہ زور سے جسم کھجالیا تھا لیکن یہ کھجلی یہ کیسی کھجلی ہے۔ جگہ جگہ جسم میں کھجلی ہو رہی تھی اور سب سے خوفناک بات یہ تھی کہ میں جہاں بھی کھجاتا میرے جسم سے کھال ادھڑنے لگتی۔ میں پریشان ہوگیا۔ رات تک یہ کھجلی جسم میں رہی اور اس کے بعد دفعتاً رک گئی۔ ہلکا ہلکا بخار بدستور محسوس ہو رہا تھا میں

نے سوچا کہ اس سلسلے میں کل کسی ڈاکٹر سے مل لوں گا۔

دوسرے دن بھی بخار کی یہی کیفیت رہی۔ کھجلی البتہ جسم میں نہیں ہو رہی تھی لیکن جہاں جہاں بھی میں نے کھجایا۔ وہاں ادھڑی ہوئی کھال میں سوزش ہو رہی تھی۔ میں گھر سے باہر نکل آیا اور کسی اچھے ڈاکٹر کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک جگہ مجھے ایک ڈاکٹر کا بورڈ نظر آیا جس کے آگے بہت ساری ڈگریاں لکھی ہوئی تھیں۔ کلینک بھی اچھا خاصہ تھا۔ چنانچہ میں اندر داخل ہوگیا اور تھوڑی دیر انتظار کے بعد بالآخر میں ڈاکٹر کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے انہیں صورت حال بتائی تو اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ انہوں نے کافی غور سے میرا معائنہ کیا۔ میرے جسم پر ان نشانات کو دیکھا اور پھر محدب شیشے سے میرے جسم کے مختلف حصے دیکھنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ کو کچھ ٹیسٹ کرانے ہوں گے۔ یہ بات ذرا حیرتناک ہے میرے لئے کہ جسم میں جگہ جگہ عجیب عجیب سے نشانات پڑ گئے ہیں۔ جیسے کھال اپنی جگہ چھوڑتی جا رہی ہو............"

"ڈاکٹر صاحب مجھے بخار بھی ہے۔"

"جی ہاں میں نے دیکھ لیا ہے۔ آپ یوں کریں کہ میں یہ چند دوائیں لکھے دیتا ہوں بازار سے خریدلیں اور انہیں باقاعدگی سے استعمال کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کسی اچھی لیبارٹری سے اپنے خون کی یہ دو رپورٹیں حاصل کرلیں۔" ڈاکٹر صاحب نے ایک کاغذ پر مجھے ان رپورٹوں کے بارے میں تفصیلات لکھ دیں اور میں ان کا شکریہ ادا کرکے اور فیس ادا کرکے باہر نکل آیا۔ ایک میڈیکل اسٹور سے میں نے دوائیں خریدیں اور گھر جاکر انہیں استعمال کرنے لگا۔ طبیعت کا گراگراپن اب بھی برقرار تھا لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ بیماری تو آنی جانی ہوتی ہے۔ اس کے لئے بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے دن صبح میں نہار منہ ایک لیبارٹری پہنچا اور وہاں اپنے خون کے نمونے دے آیا۔ رپورٹ شام کو ملنے والی تھی دن میں دوپہر کے بعد طبیعت خاص حد تک بحال ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس دن ایک فلم دیکھی۔ میں نے اپنا نام تنویر سے بدل کر احسان رکھ لیا تھا اور اب میں اپنے آپ کو اسی نام سے اپنے شناساؤں میں روشناس کرانا چاہتا تھا۔ میرا فلیٹ ڈیکوریشن کا بہترین نمونہ پیش کرتا تھا ہر قسم کی چیزیں میں نے اس میں مہیا کرلی تھیں۔ رنگین ٹی وی، فریج، وی سی آر،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈیک وغیرہ اور ڈیک پر اب میں اکثر اپنی پسند کے نغمے سنا کرتا تھا۔ میرے دل میں بارہا یہ آرزو پیدا ہوئی تھی کہ اب اس حسین زندگی میں کسی اور کی شمولیت ضروری ہے اور اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دو چار بار قمرالنساء کا خیال آیا لیکن اس نام کے ساتھ اب ایک ہیبت ناک تصور وابستہ تھا یعنی جلال کا تصور' میں نہیں جانتا تھا کہ وہ جگہ جو میں نے چھوڑ دی ہے اب کس کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں کبھی جلال کی لاش دریافت بھی ہو جائے لیکن اب مجھے تلاش کرنا ایک ممکن عمل نہیں تھا اور میں اپنے آپ سے پوری پوری طرح مطمئن تھا۔ قمرالنساء کا تصور ذہن سے مکمل طور پر جھٹک دینا ہوگا۔ ویسے بھی وہ اس معیار کی لڑکی نہیں تھی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ خونی ناگن جلال کی زندگی لے چکی تھی۔ درحقیقت اسی کی وجہ سے میرے دل میں جلال کے خلاف نفرت کا لاوا ابلا تھا۔ ورنہ شاید اس وقت صورت حال دوسری ہوتی۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کو خون کی وہ رپورٹ پیش کردی اور وہ بہت دیر تک اس رپورٹ کا معائنہ کرتے رہے پھر انہوں نے مزید کچھ دوائیں لکھ کر مجھے دیں اور کہا کہ میں ان دواؤں کو اپنی پرانی دواؤں میں شامل کرلوں اور ایک ہفتے تک باقاعدہ انہیں استعمال کرنے کے بعد چھ دن کے بعد ان کے پاس پہنچوں۔ طبیعت کا گراگراپن بدستور برقرار رہتا تھا۔ ہر رات مجھے یوں محسوس ہوتا کہ مجھے بخار آگیا ہو۔ اس کے علاوہ بدن میں ایک سنسنی سی ہر وقت طاری رہتی تھی۔ گو کھجلی اس شدت کی اس کے بعد کبھی نہ اٹھی تھی لیکن میں اپنے جسم پر ہاتھ پھیرتا تو مجھے اپنی کھال کھردری کھردری سی محسوس ہونے لگتی تھی۔ چھ دن کے بعد میں ڈاکٹر صاحب سے ملا اور انہوں نے میری کیفیت دیکھنے کے بعد بڑے سنجیدہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

"براہ کرم آپ ایک بار پھر اپنا خون ٹیسٹ کرالیجئے۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب! مجھے آخر بیماری کیا ہے۔" ڈاکٹر صاحب مجھے پریشان نگاہوں سے دیکھنے لگے پھر بولے۔

"آپ خون کی دوسری رپورٹ حاصل کرلیں اس کے بعد میں آپ کو اس کی تفصیلات بتاؤں گا۔" ڈاکٹر صاحب کے لہجے نے مجھے تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق میں نے خون کی دوسری رپورٹ حاصل کی اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ نہ جانے کیوں دل کو کسی پریشانی کا احساس تھا مسرت بھری زندگی میں ایک انوکھا خلا آگیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ دوسری رپورٹ دیکھی اور پھر سنجیدہ لہجے میں مجھ

سے بولے۔

"اگر آپ میری بات مانیں تو فوری طور پر جذام کے ہسپتال چلے جائیں۔ آپ کے جسم پر کوڑھ کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ ابھی ابتدا ہے اگر فوری طور پر اس کا تدارک ہو گیا تو آپ کے حق میں بہتر رہے گا۔" میرے پورے جسم میں دہشت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ دماغ بری طرح جھنجھنا کر رہ گیا تھا میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر صاحب کو دیکھنے لگا۔ انہوں نے کہا۔

"اور آپ کو مستقل احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ جو دوائیں میں نے دی ہیں انہیں ملتوی کردیجئے۔ وہ آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گی۔ کوڑھ کے جراثیم آپ کے پورے جسم میں پھیل چکے ہیں اور آپ کے خون میں سرخ اور سفید ذرات کے ساتھ ساتھ کچھ انوکھے جراثیم پائے گئے ہیں۔ جنہیں بظاہر کوڑھ کے جراثیم ہی کہا جاسکتا ہے۔ آپ براہ کرم فوراً یہاں سے چلے جائیں اور جذام کے ہسپتال جاکر وہاں اپنا معائنہ کرائیں۔" میں لڑکھڑاتے قدموں سے ڈاکٹر کے ہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے ان الفاظ نے میرے دل و دماغ کو منتشر کرکے رکھ دیا تھا۔ دل ڈوبا جارہا تھا۔ کوڑھ۔ جذام' کوڑھ جذام یہی دو الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور میرا دل دہشت سے کانپنے لگا تھا۔ میں مایوس فلیٹ میں واپس آگیا۔

بہت بڑی رقم حاصل ہوئی تھی مجھے جلال کو قتل کرنے کے بعد اور میں نے زندگی کے نہ جانے کیا کیا پروگرام بنا ڈالے تھے لیکن اب کیا ہوگا' میں کوڑھ کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا تھا۔ بس تھوڑا بہت پڑھا تھا اور ایک دو ایسے افراد کو دیکھا تھا جو سڑکوں پر بھیک مانگتے تھے اور کوڑھی سمجھے جاتے تھے۔ کیا میرا بھی یہی حال ہوگا۔ آہ کیا میرا بھی یہی حال ہوگا۔ اپنے فلیٹ کے ایک خوبصورت صوفے پر بیٹھ کر میں نے اپنے تمام منصوبوں پر غور کیا۔ کیا کیا سوچا تھا میں نے۔ دولت کے حصول کے بعد زندگی کس طرح گزرے گی۔ بڑے بڑے لوگ میرے دوست بن جائیں گے اور قمرالنساء جیسی درجنوں لڑکیاں میرے گرد چکرائیں گی۔ میں یہ جانتا تھا کہ دولت کی قوت کیا ہوتی ہے لیکن' لیکن میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا جواب کسی سے مانگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے میرا جواب میرے اندر سے ہی مل گیا تھا۔ جلال بھی تو انسان تھا۔ نوجوان تھا۔ مجھ سے زیادہ خوبصورت تھا۔ مجھ سے زیادہ ارمان بھرا تھا۔ میں نے............ میں نے اس کی زندگی چھین کر اپنے آپ کو زندگی دینا چاہی تھی۔ کیا یہ مناسب تھا۔

جلال! آہ جلال! یقینی طور پر یہ میرے لئے سزا ہے۔ یہ جاننے میں مجھے دقت نہیں ہوئی کہ یہ جراثیم اس کے گلے ہوئے جسم سے ہی میرے اندر منتقل ہوئے ہیں اس نے موت کے بعد بھی مجھ سے انتقام لیا ہے۔ فلیٹ میں ہر چیز بے مثال تھی۔ آہ کیا یہ دولت مجھے میری زندگی واپس کردے گی۔ مجھے وہی پرانا تنویر واپس کردے گی۔ جو بہرطور تندرست و توانا تھا اور کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی رہا تھا۔ جو کچھ کرچکا تھا اس کی واپسی اب ناممکن تھی۔ اگر یہ تمام دولت خرچ کرکے مجھے جلال واپس مل جاتا اور میں اس سے معافی مانگ کر اپنی زندگی کے وہ حسین لمحات واپس لاسکتا تو یقیناً یہ تمام دولت اس مقابلے میں بے مقصد ہوتی لیکن کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ میں ایک ایک چیز کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔ میرا تروتازہ چہرہ آئینے کے سامنے اب جو نقوش پیش کرتا تھا وہ بڑا عجیب ہوتا تھا۔ میرے چہرے کی کھال اب سوکھتی جارہی تھی اور اس پر مچھلیوں کے جسم جیسے نشانات نمودار ہوتے جارہے تھے۔

تین چار دن تک گھر میں رہا۔ عجیب وغریب کیفیت طاری تھی۔ ہلکا ہلکا بخار ہمیشہ محسوس ہوتا تھا۔ پھر ڈاکٹر ہی کی ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر جذام کے ہسپتال پہنچ گیا۔ عام لوگوں کی طرح میں نے بھی اپنا معائنہ کرایا اور ایک ذہین ڈاکٹر کے سامنے مجھے پیش کردیا گیا۔ ڈاکٹر نے میرا بڑی دلچسپی سے معائنہ کیا مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے میرے خون کی رپورٹ دیکھی اور اس کے بعد مجھ سے کہا۔

"اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ایک دو دن کے لئے ہمارے یہاں داخل ہوجائیں۔ میں آپ کے اندر کچھ عجیب سی کیفیتیں پارہا ہوں۔ اس کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"جیسا آپ پسند کریں ڈاکٹر۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے مجھے ایک کمرہ دے دیا۔ جذامیوں کے ہسپتال کے اس کمرے میں' میں نے ایک اور کربناک وقت گزارا۔ یہاں بدقسمتی سے مجھے کوڑھیوں کو دیکھنے کا موقع ملا تھا اور میرا دل کانپ کر رہ گیا۔ ان کے جسم گل رہے تھے اور ان کے اعضا تھوڑے تھوڑے رستے جارہے تھے۔ بڑی خوفناک صورتیں میری نگاہوں کے سامنے آتیں۔ دیکھ کر دہشت ہوتی۔ کیا میں بھی ایسا ہی ہوجاؤں گا اور اس کے بعد کیا انسانوں کی دنیا میں میرا کوئی مقام ہوگا۔ وہ جو خراشیں میرے جسم پر کھجلی کی وجہ سے آئی تھیں بڑھتی جارہی تھیں اور ان سے مسلسل خون رستا رہتا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھ پر کافی توجہ دی اور میرے کئی خون کے ٹیسٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہیں سے گئے۔ تین دن تک مجھے وہاں رکھا گیا۔ چوتھے دن ایک شخص نے مجھے ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا۔ ڈاکٹر خاصی گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا اس کے سامنے ایک فائل رکھا ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا۔

"مسٹر حیران کن بات یہ ہے کہ آپ کو کوڑھ نہیں ہے۔" ایک لمحے کے لئے میرا دل خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

"ڈاکٹر یہ کوئی عارضی چیز ہے۔ کیا میں ٹھیک ہوسکتا ہوں۔" میں نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن آپ کے خون میں ایک نئے جرثومے کا انکشاف ہوا ہے ہم نے یہ خون محفوظ کرلیا ہے۔ آپ کم از کم یہ خیال دل سے نکال دیجئے کہ آپ کو کوڑھ ہے۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ کو یہ بات کہتا ہوں کہ آپ کو کوڑھ نہیں ہے۔ یہ ایک نیا جراثیم ہے جس کے لئے ہمیں ابھی تفصیلات معلوم کرنا ہوں گی۔ میں اس جراثیم کو آپ کے خون کے ساتھ باہر بھیج رہا ہوں۔ آپ ہم سے رابطہ رکھئے ہوسکتا ہے کہ آپ کے لئے کوئی بہتر علاج تجویز ہوسکے۔" ڈاکٹر کے ان الفاظ نے دل میں امید کی کچھ کرنیں روشن کردیں تھیں۔ میں فلیٹ میں واپس آگیا اور لمحہ لمحہ اپنا جائزہ لیتا رہا وہ کھجلی جو میرے جسم میں جگہ جگہ ہونے لگتی تھی۔ اب ختم ہوگئی تھی لیکن اس رات میں اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا کہ دفعتاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پنڈلی میں کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔

اتنی تکلیف ہوئی تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی پنڈلی کو دیکھا اور حیران ہوگیا۔ ایک باریک سا سوراخ میری پنڈلی میں ایک جگہ تھا اور اس سے زرد زرد پانی بہہ رہا تھا۔ یہ پانی میری پنڈلی پر نیچے تک پھیلتا جارہا تھا۔ میں سمجھ نہ پایا کیونکہ یہ پانی خون نہیں تھا۔ اس میں ہلکی سی زردی ضرور تھی لیکن خون بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر وہ سوراخ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یہی ہونے لگا۔ میرے جسم کے کسی نہ کسی حصے میں کوئی نہ کوئی باریک سوراخ ہوجاتا اور اس سے پانی رسنے لگتا لیکن اس کے نتائج پہلے سے بھی زیادہ ہولناک تھے پانچویں دن میں نے اپنی پنڈلی کے اس حصے کو دیکھا جہاں پہلا سوراخ نمودار ہوا تھا۔ وہاں کا سارا گوشت پانی بن کر بہہ چکا تھا اور وہاں سے ہڈی صاف نظر آرہی تھی۔ پھر میرے جسم کے دوسرے حصوں میں بھی یہی کیفیت نمودار ہونے لگی۔ ڈاکٹر کے پاس دوبارہ نہیں جاسکا تھا جو کچھ ہورہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا وہ انتہائی ہولناک تھا اور اب میں نے گھر سے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ہر وقت دل میں یہی احساس رہتا تھا کہ میں نے جو جرم یا گناہ کیا ہے اس کی سزا مجھے مل رہی ہے۔ یہ احساس مجھے اور زیادہ فنا کر رہا تھا کئی دن سے تقریباً کھانا پینا بھی بالکل ہی بند ہو گیا تھا۔ بھوک ہی نہیں لگتی تھی کسی نہ کسی جگہ کوئی سوراخ نمودار ہوتا اور اس سے پانی رسنے لگتا۔ پھر ایک دن گھر سے بہت زیادہ طبیعت اکتائی تو میں باہر نکل آیا لیکن چلا تک نہیں جا رہا تھا صحیح طریقے سے۔ بدن میں کافی کمزوری ہو گئی تھی۔ زیادہ دور نہ جا سکا اور واپس آگیا اور اس رات' اس رات میں گہری نیند سو رہا تھا کہ دفعتاً مجھے اپنے دائیں رخسار میں وہی ٹیس محسوس ہوئی۔ بالکل یہی لگتا تھا جیسے کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔ چونک کر جاگا تو تکیہ بھیگا ہوا پایا۔

یہ سوراخ اب میرے چہرے پر نمودار ہو گیا تھا۔ جسم کے بے شمار حصے سوکھ چکے تھے اور وہاں سے سفید سفید ہڈیاں برآمد ہو گئی تھیں۔ یہ چیز پھیلتی جا رہی تھی حالانکہ زرد پانی اس کے بعد اس جگہ سے بند ہو جاتا تھا۔ جہاں سے وہ نمودار ہوتا لیکن اپنے جو اثرات وہ اندر ہی اندر چھوڑ جاتا وہ جسم کے دوسرے حصوں کو بھی گلانا شروع کر دیتا اور اب ایک عجیب و غریب کیفیت تھی۔ وہ یہ کہ میری ران سے پنڈلی تک کا سارا گوشت غائب ہو گیا تھا اور پوری ہڈی نمایاں تھی اس میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی تھی لیکن کہیں اندر ہی اندر یہ چیز پھیلتی جا رہی تھی اور جسم کا گوشت آہستہ آہستہ غائب ہوتا جا رہا تھا۔ غالباً دس یا بارہ دن گزر چکے تھے۔ گھر میں جو تھوڑا بہت کھانے پینے کو تھا وہی کبھی کبھی زہرمار کر لیا کرتا تھا۔ آئینے کے سامنے جانا نصیب ہی نہیں ہوتا تھا۔ کیا دیکھتا اپنے آپ کو کس صورت میں دیکھتا لیکن اس دن بدقسمتی سے آئینے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ میں اپنے رخسار کا وہ حصہ دیکھا دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ وہاں کا گوشت گل چکا تھا اور اندر سے دانت نظر آ رہے تھے۔ میرا دل خون کے آنسو رو پڑا۔ آہ میرا چہرہ اور اس کے بعد میں ایک بھانک ڈھانچے کی شکل میں رہ جاؤں گا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو گئی خدایا' خدایا رحم کر۔ کوئی ایسا ذریعہ نکال دے میرے لئے جس سے میں اپنے ان گناہوں کا ازالہ کر سکوں۔ آہ میں انسان سے آسیب بننے سے محفوظ رہ سکوں لیکن جو گناہ میں نے کیا تھا اس کی سزا ابھی بہت زیادہ باقی تھی۔ میرے چہرے کا گوشت بھی باقاعدگی سے گلنا شروع ہو گیا اور اندر کا تمام منظر سامنے سے نظر آنے لگا۔ میں نے گھر سے سارے شیشے ہٹا دیئے۔ انہیں توڑ دیا۔ کوئی

مجھ سے ملنے نہیں آتا تھا۔ میں خود ہی کسی سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ حالانکہ ایک دن چند پڑوسی آئے تھے۔ غالباً چھٹی کا دن تھا۔ انہوں نے دستک دی میں نے اپنے چہرے پر ایک چادر ڈال دی اور دروازے پر پہنچ گیا۔

"کون ہے؟"

"بھئی دروازہ کھولئے ہم آپ کے پڑوسی ہیں۔"

"کیا کام ہے آپ کو مجھ سے۔"

"میاں ملنا چاہتے ہیں۔ اتنے عرصے سے آپ اس فلیٹ میں رہ رہے ہیں نہ سلام نہ دعا نہ ملنا نہ جلنا۔ آخر ایسی بھی کیا بے رخی؟"

"معافی چاہتا ہوں۔ میں دراصل بیمار ہوں۔ آج آپ سے نہ مل سکوں گا۔ پھر کبھی سہی۔" انہوں نے شاید اس بات کا برا مانا تھا۔ واپس چلے گئے اور شکر ہے کہ اس کے بعد کسی نے اس طرح رجوع نہ کیا لیکن اب کھانے پینے کی تمام اشیاء گھر میں ختم ہو چکی تھیں اور تھوڑا بہت کچھ نہ کچھ آخر باہر سے آنا ہی چاہئے تھا۔ اس دن میں چادر اوڑھ کر شام کے وقت گھر سے باہر نکلا۔ جھٹپٹا پھیل چکا تھا۔ ایک دکان کے سامنے جا کر رکا اور میں نے دکاندار سے کچھ اشیاء طلب کیں۔ دکاندار نے مشکوک نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ کیونکہ میں نے چہرہ وغیرہ پوری طرح ڈھک لیا تھا۔ میں نے دکاندار سے وہ اشیاء خریدنے کے بعد اسے رقم ادا کی اور دکاندار عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نگاہ میرے ہاتھ پر پڑ گئی۔ میرے اس ہاتھ کا سارا گوشت گل چکا تھا اور انگلیاں ہڈیوں کی شکل میں نظر آتی تھیں۔ دکاندار کے چہرے پر دہشت کے آثار پھیل گئے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں فوراً ہی واپس پلٹ پڑا۔ اپنے فلیٹ میں آنے کے بعد بہت دیر تک روتا رہا تھا کہ زندگی کیسے گزرے گی۔ آخر زندگی کیسے گزرے گی۔ کچھ تو ہونا چاہئے۔ اس عمارت میں' میں نے اکثر لوگوں کو آتے جاتے دیکھا تھا کچھ ملازمین وغیرہ بھی تھے۔ جو یہاں فلیٹوں میں کام کرتے تھے۔ ایک دن میں دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ چہرہ وغیرہ میں نے مسلسل ڈھکا ہوا تھا ایک شخص کو میں کئی بار اپنی بالکونی سے دیکھ چکا تھا۔ یہ نوکر ٹائپ کا آدمی تھا۔ میں نے اس وقت بھی اسے دیکھا اور روک لیا۔

"سنو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"فیض خان۔" اس نے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فیض خاں میں اس فلیٹ میں رہتا ہوں اکیلا رہتا ہوں اور بیمار ہوں مجھے بھی یہاں کام کرنے کے لئے کوئی آدمی چاہئے کیا ایسا کوئی آدمی تم مہیا کرسکتے ہو۔"

"صاحب میں نے آج ہی اپنے مالک کے ہاں سے نوکری چھوڑ دی ہے بلکہ انہوں نے خود مجھے نکال دیا ہے کیونکہ وہ شہر سے باہر جارہے ہیں۔ ان کا تبادلہ ہوگیا ہے۔ آپ کو کیا کام کرانا ہوگا۔"

"بس یہی تھوڑا بہت کھانا پکانا۔ گھر کو صاف ستھرا کرنا' بالکل گندا ہوچکا ہے گھر۔ میں بیمار ہوں۔"

"میں تیار ہوں صاحب۔ آج ہی سے یہ ڈیوٹی آپ میرے سپرد کردیں۔"

"ٹھیک ہے فیض خان۔ آؤ اندر آجاؤ۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی صاحب جی۔"

"دیکھو۔ مجھ سے کبھی یہ تقاضہ نہ کرنا کہ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں۔ گھر کا کام کاج کرنا تنخواہ جو تم مانگو گے وہ میں دے دوں گا۔ تھوڑا بہت کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ صفائی ستھرائی کرنا ہوگی اور جب یہ کام کرلو تو پھر تم اپنے گھر جاسکتے ہو۔ یہ کام جتنی جلدی کرلو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے صاحب ویسے بھی نوکروں کو مالکوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر آپ کو کیا بیماری ہے؟"

"بس یہی میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھو۔" فیض اللہ نے گھر کا پورا کام کیا۔ صفائی ستھرائی کی میرے کہنے کے مطابق کچھ اشیاء پکائیں۔ بازار سے سودا بھی لے آیا۔ ذرا سا اطمینان ہوا کہ اب کم از کم مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنا پڑے گا ورنہ مصیبت بن جاتی۔ فیض اللہ پانچ دن تک کام کرتا رہا۔ بڑا اچھا آدمی تھا۔ ہنسی خوشی رہنے کا عادی۔ دلچسپ لطیفے سناتا رہتا تھا مجھے لیکن اس نے کئی بار عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ اس دوران میں نے کوشش کی تھی کہ میرے جسم کے کسی حصے پر اس کی نظر نہ پڑے لیکن پھر آخر یہ ہو ہی گیا۔ وہ غالباً کسی کام سے اچانک میرے کمرے میں داخل ہوگیا تھا اور اس وقت میں نے اپنے جسم پر چادر نہیں اوڑھی ہوئی تھی۔ میری یہ کیفیت تھی کہ پیشانی کا سارا گوشت غائب ہوچکا تھا۔

سر کے بال اڑ چکے تھے رخساروں کی ہڈیاں اندر سے نظر آتی تھیں اور دانت سوکھے ہوئے تھے۔ بس ایک زبان تھی جو تھوڑا سا گوشت رکھتی تھی اور غالباً وہی اب

میرے چہرے میں محفوظ رہ گئی تھی۔ گردن کی ہڈیاں بھی ایک جانب سے گلتی جارہی ہیں اور گوشت ایک سمت سے ختم ہوچکا تھا میں اسی عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ فیض اللہ نے مجھے دیکھا اور اس کی سانس رک گئی۔ اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگیں اور پھر وہ پھرتی سے واپس چلا گیا۔ میں نے جلدی سے چادر اٹھا کر اپنے منہ پر ڈھک لی تھی۔ پھر میں نے فیض اللہ کو کئی آوازیں دیں لیکن باہر سے اس کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل گیا کچن میں' کچن میں دوسرے کمروں میں فیض اللہ کو دیکھا مگر وہ بھاگ چکا تھا۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ یہ اچھا ہوا تھا کہ فیض اللہ نے شور نہیں مچادیا تھا اس کے بعد فیض اللہ نہیں آیا۔ میرا کام ایک بار پھر رک گیا تھا۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہونے کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا۔ جب بھی کبھی اپنے آپ پر غور کرتا مجھے وہ رات یاد آجاتی جب میں جلال کی قبر کھود کر نیچے اترا تھا اور میں نے اس کے جسم کو گلا ہوا دیکھا تھا۔ میری کیفیت بالکل ویسی ہی ہوتی جارہی تھی۔ جگہ جگہ سے ہڈیاں نظر آنے لگی تھیں اور کہیں کہیں بس گوشت چپکا ہوا تھا۔ پگھلا ہوا نرم نرم گوشت جس سے ہمیشہ زرد پانی رستا تھا۔ یہ کوڑھ نہیں تھا۔ یہ سزا تھی میرے اعمالوں کی اور مجھے یہ سزا بھگتنا ہی تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ دل میں بارہا یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آہ کاش موت ہی آجائے۔ کیا فائدہ ایسی زندگی کا اب کیا رہ گیا ہے۔ نہ بھوک لگتی تھی نہ پیاس لگتی تھی۔ کئی کئی دن اسی طرح گزر جاتے تھے۔ بس میں تھا اور میری تنہائیاں' یا پھر زار وقطار رونے میں دل ذرا ہلکا ہوجاتا تھا۔ کیا کروں کیا کرنا چاہئے مجھے۔ آہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ تمام دولت اب میرے لئے بے مقصد ہوکر رہ گئی تھی۔ جس کے لئے میں نے ایک انسان کو قتل کردیا تھا بلکہ اصل بات تو دولت کی تھی بھی نہیں۔ بات صرف ایک لمحے کی تھی۔ جس میں' میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا تھا۔ میں حالانکہ میرے اور جلال کے درمیان تنازعہ کا باعث قمرالنساء تھی۔ قمرالنساء جو جلال کو نہیں مل سکی تھی لیکن کیا اس کے بعد میں اسے حاصل کرسکا۔ آہ کاش! میں اتنی ہمت سے کام لے لیتا۔ اتنا ظرف پیدا ہوجاتا میرے اندر کہ میں قمرالنساء اور جلال کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا۔ وہی بے چارے کیا کررہے تھے۔ اور یہ کیسے کہا جاسکتا تھا کہ قمرالنساء جلال کی زندگی میں داخل ہوجائے گی لیکن میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ آہ کاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیوانگی کا یہ ایک لمحہ ٹل جائے تو انسان زندگی بھر کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ کاش میں اپنے جیسے انسانوں کو نصیحت کر سکتا کہ وہ لمحہ ٹال دو جو جنون کا لمحہ ہوتا ہے اور اس کے بعد دیکھو زندگی کس قدر خوشگوار ہو جاتی ہے۔ ایک لمحہ صرف ایک لمحہ زندگی بھر کا گناہ بن جاتا ہے اور اس گناہ سے چھٹکارا پھر تا حیات مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو موت بھی تم سے خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ جیسے مجھ سے۔ کاش میں جلال کو واپس لا سکتا۔ کاش کاش میں اس سے معافی مانگ سکتا لیکن یہ سب احمقانہ تصورات تھے۔ میں نے تو خود اسے اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا میں نے اس کی گردن دبا کر اسے قبر میں دفن کرنے کے بعد یہ سوچا تھا کہ دنیا کو میرے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکے گا۔ قمرالنساء میری ملکیت بن جائے گی لیکن کیا ملا تھا مجھے جو ملا تھا وہ میرے سامنے تھا دل پر بہت زیادہ دباؤ پڑنے لگا تھا۔ چہرہ بھیانک سے بھیانک تر ہوتا جا رہا تھا۔ اب میں ایک انسان نما ڈھانچہ رہ گیا تھا ڈھانچہ پھر بھی کم از کم ایسا ہوتا ہے کہ اس سے خوف نہیں کھایا جا سکتا۔ یا اگر خوف محسوس بھی ہو تو کم از کم اس سے گھن نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے جسم کا سارا گوشت صاف ہو چکا ہوتا ہے لیکن میرے چہرے پر اب بھی کئی مقامات پر گوشت باقی تھا جس نے میری صورت کو اور زیادہ بھیانک کر دیا تھا اس بار کافی دباؤ پڑ رہا تھا ذہن و دل پر اور میں عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا۔

پھر میں نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا مجھے اعتراف گناہ کر لینا چاہئے۔ جلال کی لاش برآمد کروا دینا چاہئے اور اس کے بعد قانون سے اپنے لئے سزا طلب کرنی چاہئے کم از کم مجھے سزائے موت ہو جائے گی میں اپنے ہاتھوں تو اپنی زندگی ختم نہیں کر سکتا کیونکہ میں ایک بزدل انسان تھا لیکن قانون اگر مجھے موت کی سزا دے دے تو مجھے اس بھیانک زندگی سے نجات مل جائے گی۔ آہ یہ انتہائی ضروری ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔ وہ پوری رات میں نے اپنے فلیٹ میں گھومتے ہوئے گزار دی۔ ایک ایک چیز کو عجیب نگاہوں سے دیکھا۔ کیا قیمتی اشیاء تھیں۔ اگر ان اشیاء کے ساتھ ایک حسین لڑکی میری زندگی میں شامل ہو جاتی اگر میں خود بھی ایک گوشت پوست کا انسان ہوتا تو کیا ہم اس زندگی کو ایک حسین ترین زندگی نہیں کہہ سکتے تھے۔ یہاں کائنات کی تمام آسائشیں جمع تھیں لیکن میں کیا تھا۔ یہ صرف میرا دل جانتا تھا۔ میرا دل جانتا تھا ہاں یہ سب کچھ گناہ کی پیداوار ہے۔ میں نے یہ باعزت طریقے سے

ں حاصل کی۔ کاش جلال بھی اس میں میرا شریک ہوتا۔ کوئی بات نہیں جلال میں ارا مجرم ہوں لیکن میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو سزا کی جانب لے رہا ہوں۔

ساری رات میں نے انہی خیالات میں گزار دی اور دوسرے دن بڑا اہتمام کیا۔ ں کو ایک سکون سا نصیب ہوا تھا۔ اگر قانون مجھے گرفتار کرے اور اس کے بعد مجھے ل کی کرسی نصیب ہو جائے تو اس ہولناک زندگی سے نجات مل جائے گی۔ جس سے ں لمحہ لمحہ مرتا تھا ہاں اگر کوئی میری صحیح کیفیت کا اندازہ کر سکتا ہے تو کرے کہ مجھے تو لمحہ موت کا لمحہ محسوس ہوتا تھا۔ موت تو بہت آسان اور دلکش شے ہے۔ جو زندگی ں گزار رہا تھا دوسرے دن تمام اہتمام کے ساتھ چادر اوڑھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ یر چادر کے میرا گھر سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔ نہ جانے کیا ہو جائے گا چادر وڑھنے کے بعد میں چل پڑا۔ پولیس اسٹیشن کے بارے میں مجھے علم تھا میں جانتا تھا کہ یرے علاقے سے کون سا تھانہ لگتا ہے۔ دن کے تقریباً ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ھانے میں زندگی رواں دواں تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے تھانے کے انچارج صاحب اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے اور دو سپاہی ان سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں کڑی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ تھانیدار صاحب کا چہرہ میری جانب اٹھ گیا تھا۔ نہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"کون ہے بھئی تو۔ کیوں گھسا چلا آ رہا ہے۔" میں خاموشی سے تھانیدار صاحب کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"سر میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کسی سے اجازت تو لینا ضروری ہوتی ہے نا یا منہ اٹھایا اور گھسے چلے آئے۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"سر میں ایک جرم کا اعتراف کر رہا ہوں آپ کے سامنے۔ آپ مجھے گرفتار کر لیجئے اور مجھے موت کی سزا دلا دیجئے۔"

"ٹھیک ہے کیا جرم کیا ہے تم نے۔" تھانیدار صاحب نے کسی قدر مسخرے پن سے پوچھا۔

"سر میں نے ایک قتل کیا ہے۔ اپنے دوست کو قتل کیا ہے اور اس کی لاش اپنے گھر کے صحن میں دفنا دی ہے۔ ہر چند کہ اب وہ گھر میں نے چھوڑ دیا ہے اب وہاں کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور رہتا ہو گا لیکن وہ لاش وہیں ہو گی میں اسے برآمد کرانا چاہتا ہوں۔"

"کیوں قتل کیا تھا تم نے اپنے دوست کو؟"

"بس ایک ایسا مسئلہ تھا میرے اور اس کے درمیان جس میں رقابت چل گئی تھی۔"

"کوئی چھوکری شوکری۔" تھانیدار صاحب نے پوچھا.........

"جی یہی سمجھ لیجئے۔ عورت اور دولت........."

"دنیا کے سارے جرم انہی دو تین چیزوں کے گرد گھومتے ہیں۔ چادر اتارو اپنے چہرے سے۔"

"نہیں تھانیدار صاحب آپ ایسا نہ کریں۔ آپ مجھے گرفتار کر کے لاک اَپ میں بند کر دیں اور پھر کسی مناسب وقت جا کر میرے ساتھ وہ لاش دریافت کر لیں۔"

"اوئے زیادہ اداکاری مت کر۔ چادر اتار اپنے چہرے سے میں ذرا شکل تو دیکھوں تیری۔" تھانیدار نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"تھانے دار صاحب........"

"او رفیق چادر کھینچ لو اس کی۔" تھانیدار نے کڑک کر اپنے سامنے کھڑے ہوئے ایک کانسٹیبل سے کہا اور پولیس کانسٹیبل غرا کر میری جانب بڑھا۔ اس نے چادر پر ہاتھ مارا اور ایک جھٹکے سے اسے میرے جسم سے اتار لیا۔ تھانیدار صاحب کرخت نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے میرا چہرہ اور میرا جسم دیکھا اور ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اِدھر وہ کانسٹیبل جس نے میرے جسم سے چادر کھینچی تھی مجھے دیکھ کر دہشت سے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے جو کانسٹیبل کھڑا ہوا تھا اس نے اس سے زیادہ پھرتی دکھائی اور ایک لمبی چھلانگ مار کر دروازے سے باہر بھاگ گیا۔ رفیق عجیب انداز میں ہو ہو ہو کر رہا تھا اور قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ پھر اس نے دروازے کے بجائے دیوار میں سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور اس سے بری طرح ٹکرا گیا۔ چادر اس نے نیچے پھینک دی تھی چند لمحات کے بعد وہ بھی دروازے سے بھاگ گیا۔ دونوں کے حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں جو یہاں مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ ادھر تھانیدار نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے اپنی پیٹی سے پستول نکال کر اس کا رخ میری جانب کر دیا۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے اور دو دو قدم پیچھے ہٹ رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ مجھے ڈانٹتے بھی جا رہے تھے۔

"ہے خبردار، خبردار! گولی ماردوں گا۔ گولی ماردوں گا۔" یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پستول چلانے ہی والے ہوں لیکن درحقیقت وہ بھی دروازے سے نکل بھاگنے کی فکر میں تھے اور جوں ہی دروازہ ان کی پشت پر آیا۔ انہوں نے پھرتی سے باہر چھلانگ لگا دی اور اس کے بعد باہر جا کر وہ چیخنے لگے۔

"بزدلو۔ ڈرپوکو۔ پکڑو اسے۔ پکڑلو۔ خبردار خبردار۔" میں ان بزدلوں اور ڈرپوکوں کے اندر آنے کا انتظار کرتا رہا لیکن دیر گزر گئی کوئی نہ آیا۔ البتہ باہر کافی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ میں بحالت مجبوری تھانیدار کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ کانسٹیبلوں نے دھڑ دھڑ کر کے اپنے دفتروں کے دروازے بند کرنا شروع کر دیئے تھے اور باہر احاطے میں جو لوگ موجود تھے وہ مجھے دیکھ کر جس کا جدھر منہ اٹھا دوڑ پڑے تھے۔ غالباً باہر جانے والے کانسٹیبلوں نے کافی سنسنی پھیلا دی تھی۔ چاروں طرف خاموشی پھیل گئی۔ باہر رونقیں بحال تھیں کیونکہ باہر والے لوگوں کو یہ نہیں پتا تھا کہ اندر تھانے میں کیا ہو رہا ہے۔ میں حیرانی سے برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کمال ہے یہاں مجھے گرفتار کرنے والا بھی نہیں تھا۔ تھانیدار صاحب خود نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ غالباً کانسٹیبلوں کی طرح وہ بھی کسی دفتر کے دروازے کے پیچھے ہوں گے۔ میں نے گردن جھٹکی اور پھر زور زور سے چیخنے لگا۔

"میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے آیا ہوں اور تم لوگ مجھ سے خوف کھا رہے ہو۔ گرفتار کرلو۔ میں قاتل ہوں۔ ہاں میں قاتل ہوں۔"

لیکن گرفتار کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ بہت دیر تک میں چیختا رہا اور اس کے بعد میں بد دل ہو کر باہر نکل آیا۔ مجھے ان سب سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ بڑی جھنجھلاہٹ تھی میرے ذہن میں۔ باہر آنے کے بعد میں ایک سمت چل پڑا۔ اب چادر بھی میرے جسم پر موجود نہیں تھی۔ لوگوں نے مجھے دیکھا اور اِدھر اُدھر سے چیخیں بلند ہونے لگیں۔ وہ دوڑنے لگے تھے۔ سامنے جانے والی دو گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ غالباً ڈرائیور کی نگاہیں مجھ پر پڑی تھیں۔ جہنم میں جائیں یہ سب جہنم میں۔ اب کیا کرنا چاہئے مجھے۔ کیا کرنا چاہئے۔ آہ یہ سب یہ سب مجھ سے کس قدر خوف کھا رہے ہیں۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہی تو ہے۔ میں سڑک پر چلتا رہا اور سڑک پر حادثے رونما ہوتے رہے میرا رخ اپنے فلیٹ کی جانب تھا۔ مجھے ان حادثوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہاں تک کہ میں اپنی بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔ سیڑھیوں سے ایک

موٹی عورت اپنے شوہر کے ساتھ سامان لے کر اتر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کرختگی کے آثار تھے۔ غالباً شوہر سے لڑائی ہوئی تھی کیونکہ شوہر کے چہرے پر بھی ایسے ہی آثار نظر آرہے تھے۔ عورت نے مجھے دیکھا اور دفعتاً ہی اس کے ہاتھ سے سامان چھوٹ پڑا پھر وہ سیڑھیوں کے بغیر ہی نیچے آرہی۔ شوہر نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا اور بھلا پھر اسے اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ محترمہ بغیر سیڑھیاں طے کئے ہوئے نیچے کیسے پہنچ گئی ہیں۔ وہ خود چیختا ہوا اوپر بھاگ گیا تھا۔ میں سیڑھیاں عبور کر کے اوپر پہنچا اور دن کا وقت ہونے کی وجہ سے یہاں بھی خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا لیکن میں اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ باہر کیا ہو رہا ہے اب مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں تھی۔ میرے ذہن میں اب ایک ہی تصور تھا۔ مجھے مر جانا چاہئے۔ کیا کروں۔ دل چاہا کہ بلڈنگ کی کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔ اس طرح ہو سکتا ہے زندگی سے نجات مل جائے۔ کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر نیچے سڑک کو دیکھنے لگا لیکن ہمت نہ پڑی اور میں کھڑکی بند کر کے واپس اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

بہت کچھ یاد آرہا تھا۔ اپنا ماضی ایک حسین ماضی جس میں دولت تو نہیں تھی لیکن زندگی کے حسین منصوبے تھے۔ جلال تھا اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ ہم بہت برے حالات کا شکار ہونے کے باوجود بہت خوش رہتے تھے۔ کیا ہو گیا۔ کیا ہے یہ زندگی بھی اور اس کے بعد باہر کیا ہو رہا ہے میں نے اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا۔ ہاں جب رات آدھی کے قریب ہو گئی تو میں اپنے فلیٹ سے باہر نکلا اور اس کے بعد جدھر منہ اٹھا چل پڑا۔ بدن میں جتنی قوت تھی اسے صرف کرتے ہوئے میں سفر کرتا رہا۔ دور بہت دور انسانوں کی بستی سے بہت دور کہ مجھے انسان نظر نہیں آرہے تھے۔ میں چلتا رہا اور پھر ایک سمت مجھے یہ کھنڈرات نظر آئے جو میرے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے تھے۔ میں نے انہی کھنڈرات کا رخ کیا اور ان میں آگیا۔ آج بھی میں انہی کھنڈرات میں ہوں۔ کچھ نہیں درکار مجھے۔ یہ زندگی میرے لئے سزا ہے۔ ایک بدترین سزا اور مجھے یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ سزا مجھے بھگتنا پڑے گی۔ ورنہ انسان اس طرح زندہ نہیں رہتے اور میں انسان ہوں بھی کہاں۔ میں تو ایک سزا ہوں ایک داستان عبرت ہوں اس کائنات میں رہنے والوں کے لئے۔ تم اپنے چھوٹے چھوٹے خواب پورے کرنے کے لئے نہ جانے کیا کیا کرتے ہو۔ سڑکوں پر گولیاں چلاتے ہو۔ بموں کے دھماکے کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔ لوگوں کو اغوا کرتے ہو۔ ان کے گھروں کو زندگی کی خوشیوں سے محروم کر دیتے ہو۔ کاش ایک لمحہ وہ صرف ایک لمحہ تمہاری زندگی میں آجائے۔ جب تم اپنے آپ پر بھی غور کر لو۔ یہ جان لو کہ اس کے بعد کیا ہے۔ کیا یہ سب کچھ جو تمہیں ان تمام بُری کارروائیوں کے کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تمہیں زندگی کی خوشیاں دے سکتا ہے۔ نہیں تمہارے اندر ضمیر ہے اگر تم انسانی وجود رکھتے ہو یہ ضمیر تمہاری حرکتوں پر چیختا ہے روتا ہے کراہتا ہے تمہیں ان تمام کاموں سے روکتا ہے۔ کاش تم ایک بار صرف ایک بار اس کی آواز سن لو۔ کبھی برا نہ کرو۔ اور............ اور میری طرح زندگی سے دور نہ ہو جاؤ۔ کاش............ کاش............"

☆======☆======☆

حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ دنیا میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور اس دوران میرے تجربات میں اچھا خاصا اضافہ ہوا تھا۔ مجھے اچھے لوگ بھی ملے تھے لیکن اگر توازن دیکھا جاتا تو پھر ایسے ہی لوگ زیادہ ہوتے ہیں اس دنیا میں جو اپنے کسی کام سے دوسرے کے لئے کچھ کرتے ہیں ورنہ کوئی کسی کو اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ اب تو صاف صاف کہا جاتا ہے کہ میاں! کچھ دو کچھ لو۔ یہی زندگی کا دستور ہے لیکن سندرا دیوی نہ جانے کون سی دنیا کی انسان تھی۔ لمحہ لمحہ میں اس کی عقیدت کا شکار ہوتا جارہا تھا۔ کوئی غرض ہی نہیں تھی اسے کسی سے بس بے لوث ہر ایک کی خدمت کرتی تھی۔ بیچارے تنویر کی کہانی نے جو اثرات مجھ پر مرتب کئے تھے میں کئی دن ان کا شکار رہا تھا۔ اس دوران سندرا دیوی بھی کسی اہم مسئلے میں مصروف ہو گئی تھی۔ وہ دو تین دن گھر سے باہر بھی رہی تھی لیکن اس دوران اس نے میرے لئے جو انتظامات کئے تھے انہوں نے مجھے مزید اس کا احسان مند بنا دیا تھا۔ میرے لئے مسلمان باورچی کا انتظام کیا گیا تھا جو میرے سامنے ہی سامان لے کر آتا تھا۔ ہر چیز فراہم کرتا تھا وہ مجھے اور میں خاصا شرمندہ ہو گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب سندرا دیوی آئے گی تو میں اس سے بات کروں گا کہ اس کے احسانات کا میں کیا صلہ دے سکتا ہوں اور ایسا ہی ہوا چوتھے دن جب وہ وہاں واپس آئی تو ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے بھی آئی اور بڑی نرمی اور محبت سے بولی۔

"کہو شعبان! سوچ رہے ہو گے کہ اچھی میزبان ہے۔ مہمان کو چھوڑ کر بھاگتی پھر رہی ہے بس کچھ ایسے ہی کام تھے۔ جن کی وجہ سے جانا بے حد ضروری ہو گیا۔"

"میڈم حقیقت یہ ہے کہ آپ نے مجھے سخت حیران کر دیا ہے۔"

"حیران............ کیوں؟"

"بس معافی چاہتا ہوں ان الفاظ کی دنیا کا کچھ ایسا تجربہ ہوا ہے مجھے کہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ دنیا میں اچھے لوگوں کا وجود ہی نہیں ہے لیکن بڑی مشکل سے ملتے ہیں اچھے لوگ اور پھر خاص طور سے آپ جیسی بے لوث خاتون۔ میں یہ کہتا ہوں کہ دنیا کے لئے کچھ کرنے کا تصور ہے تو بہت آسان لیکن بہت کم لوگ اسے نباہ پاتے ہیں۔" نہ جانے کیوں سندرا دیوی کے چہرے پر ایک غم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ گھائل کا دکھ گھائل ہی جانتا ہے۔ میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل نہیں بتاؤں گی شعبان! وجہ یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ انسان اپنی ذات میں ہی گھسا رہے تو زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ بس یہ سمجھ لو دنیا نے مجھے بہت ٹھکرایا ہے۔ اور جب ٹھوکریں کھانے کے بعد میرے وجود میں اس قدر پختگی پیدا ہوگئی کہ میں دنیا کو ٹھوکریں مار سکوں تو میں نے سوچا کہ مجھ میں اور دنیا میں کیا فرق رہ جائے گا۔ دنیا کو اس کا الٹا ہی صلہ دوں یعنی جتنی میری اوقات ہے اتنا ہی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کروں اور یقین کرو اس سے مجھے بڑا سکون ملا۔ جو زخم میرے سارے وجود پر سجے ہوئے تھے ان کی تکلیف ختم ہوگئی انسان کو اور کیا چاہئے۔ یہ تو صرف سوچنے کا فرق ہے۔ میں دیوتا یا اوتار نہیں بن رہی انسان بن کر یہ بات کہہ رہی ہوں کہ اگر کوئی تمہیں دکھ دے اور تم اسے سکھ دو تو اسے تو کچھ نہیں ملے گا تمہیں جو کچھ ملتا ہے اس کا تجربہ کر کے دیکھو۔" اس کی باتیں بہت بڑی تھیں وہ تھی بھی ایسی ہی۔ اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"بس اب میں فارغ ہوگئی ہوں۔ تنویر کے پاس تو نہیں گئے دوبارہ۔"

"نہیں۔ ہمت نہیں پڑتی اس کے پاس جانے کی۔"

"ہاں۔ کچھ لوگ زندگی سے اتنی ہی دور ہو جاتے ہیں۔ مگر میں نے تمہیں اس کے پاس صرف اس لئے بھیجا تھا کہ تم یہ دیکھو کہ دنیا میں انسان سب کچھ پا لینے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی کبھی اس طرح خالی ہاتھ ہو جاتا ہے کہ وہ سب کچھ پایا ہوا اس کے کسی کام نہیں آتا۔ تو میں تم سے یہ کہہ رہی تھی کہ اب میں فارغ ہوگئی ہوں۔ ہمیں چلنا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں۔"

"میں نہیں چاہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ کل دوپہر کے بعد چلیں گے۔ ہمیں بذریعہ ٹرین سفر کرنا ہوگا۔"

"جیسے آپ پسند کریں۔" میں نے جواب دیا ہے۔ میں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔ سندرا دیوی نے بس ایک بار ایسے عالم کا ذکر کیا تھا۔ جو میری مشکل میں میرے کام آسکتا تھا۔ میں نے سوچا حرج ہی کیا ہے۔ سب کچھ بتا چکا تھا اپنے بارے میں۔ غرض یہ کہ دوسرے دن کوئی ساڑھے بارہ بجے کے قریب سندرا نے کہا۔

"شعبان! چلنا ہے میں نے ٹرین کے ٹکٹ منگا لئے ہیں۔"

"جی! میں تیار ہوں۔" انتہائی سادہ لباس میں اور بڑی سادگی سے وہ میرے ساتھ ریلوے اسٹیشن پہنچی تھیں اور پھر ہم دونوں ریل میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔ میں نے خاص طور سے محسوس کیا کہ میڈم کے ویسے تو بڑے ٹھاٹھ باٹھ ہیں لیکن اس وقت وہ جتنی سادگی سے جا رہی ہیں وہ قابل دید تھی ساتھ میں صرف ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا جس میں کچھ لباس وغیرہ ہوں گے مجھے بھی اس نے ایک بیگ دیا تھا اور کہا تھا کہ اس میں چند جوڑے لباس ہیں میں تو شاید واپس آجاؤں لیکن اگر تمہیں وہاں رہنا پڑا تو یہ تمہارے کام آئیں گے۔ میں نے ان سے کہا۔

"میڈم ایک بات بتائیے۔"

"ہاں پوچھو۔"

"وہ سادھو مہاراج جن کے پاس آپ مجھے لے جا رہی ہیں کسی مندر وغیرہ میں رہتے ہیں۔" جواب میں میڈم ہنس پڑیں پھر بولیں۔

"وہ سادھو مہاراج نہیں ہیں بلکہ مولوی صاحب ہیں مولوی فصاحت علی۔"

"کیا؟" میں حیرت سے چونک پڑا۔

"ہاں۔ مسلمان ہیں وہ۔ کیوں تمہیں حیرت کیوں ہے؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ ان کی عقیدت مند ہیں۔"

"دیکھو۔ میرا خیال ہے پہلے بھی تم سے اس موضوع پر ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو ہو چکی ہے۔ بات دین دھرم کی نہیں ہے بات اندر کی ہے کون کیا ہے کس طرح کا انسان ہے کسی کے لئے کیا کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ ویسے مولوی صاحب کے لئے میں نے یہ روپ دھارا وہ خود سادے سے انسان ہیں اور سادگی ہی پسند کرتے ہیں۔ شان

وشوکت سے جاتے تو تم دیکھتے کہ وہ ہمیں کبھی منہ نہ لگاتے۔"

"بڑی بات ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور گہری سوچوں میں ڈوب گیا۔

☆======☆======☆

ٹرین ہرن پور کے ایک چھوٹے سے پلیٹ فارم پر جا رکی تو سندرا دیوی نے جلدی سے مجھے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آؤ۔ یہاں یہ زیادہ نہیں رکے گی۔" میں میڈم کے ساتھ پلیٹ فارم پر اتر آیا۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ رات کا کوئی ڈیڑھ بجا ہوگا۔ جگہ بہت چھوٹی سی تھی۔ میں نے میڈم سے کہا۔

"مسئلہ تو بڑا ٹیڑھا ہے۔ یہ تو بہت چھوٹا سا شہر معلوم ہوتا ہے رات کے اس حصے میں ہم کیا مولوی صاحب کے پاس جاسکیں گے۔" جواب میں سندرا دیوی ہنس پڑی اور مور جیسی گردن اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میری بات کا جواب دیئے بغیر اس نے کہا۔

"آؤ۔ آجاؤ۔" پلیٹ فارموں پر قلی مسافروں کا سامان اٹھا رہے تھے۔ میں میڈم کے ساتھ باہر نکل آیا باہر کے ماحول میں بھی ایک عجیب سی کیفیت رچی ہوئی تھی۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ یہاں کافی مسافر نیچے اترے تھے۔ میڈم ایک جانب بڑھ گئی میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ اس جانب کیوں جارہی ہے۔ جہاں ہم پہنچے وہاں ایک قلی، دو ہولڈال، دو سوٹ کیس اور چھوٹی موٹی کچھ چیزیں اپنی بغل میں دبائے باہر نکلا تھا اور سامان نیچے اتار رہا تھا۔ یہ سامان ایک ہندو مسافر کا تھا۔ بیوی ساڑھی باندھے ہوئے نیچے کئی بچوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ قلی نے سامان نیچے رکھا اور ہندو مسافر اسے پیسے دینے لگا۔ قلی نے پوچھا۔

"پنڈت جی مہاراج تانگہ لے کر آؤں آپ کے لئے۔"

"نہیں ہم خود تانگہ کرلیں گے۔" میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ابھی میڈم کس کا انتظار کررہی ہیں کہ اچانک ہی میڈم نے ایک آواز لگائی۔

"مولوی صاحب۔ مولوی صاحب۔" میں نے اِدھر اُدھر چونک کر دیکھا۔ اس وقت اس قلی کے علاوہ اِدھر اُدھر کوئی نہیں تھا۔ تب میں نے گہری نگاہوں سے قلی کا جائزہ لیا اچھے مضبوط بدن کا مالک کوئی ساٹھ باسٹھ عمر کا آدمی تھا۔ نہایت ہی پُرنور سفید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

داڑھی بڑا روشن چہرہ۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا اور پھر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ آیا تھا۔

"ارے سندرا بٹیا! آپ۔"

"جی۔"

"ابھی آرہی ہیں۔"

"جی مولوی صاحب۔"

"بھئی دل باغ باغ ہوگیا آپ کو دیکھ کر یہ کون ہیں۔"

"ان کا نام شعبان ہے ہم دونوں آپ کے مہمان بننے کے لئے آئے ہیں۔"

"اللہ کا احسان ہے کہ مجھ جیسے غریب انسان کے گھر بھی مہمان آئے ہیں۔ آجاؤ بیٹا! آجاؤ۔"

"آپ اپنا کام تو کیجئے۔"

"کیا بات کررہی ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ بھلا تمہیں دیکھنے کے بعد کام کسے یاد رہتا ہے۔ بیٹیاں باپ کے گھر آئیں تو باپ کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا مقام اور کوئی نہیں ہوتا بیٹے! اور پھر اب اور کوئی ٹرین نہیں آئے گی۔ یہ آخری ٹرین تھی۔ اب ہمیں صبح ساڑھے دس بجے تک کی آزادی ہے کیونکہ اس کے بعد پہلی ٹرین ساڑھے دس بجے آئے گی۔ چلو آجاؤ۔ لاؤ میاں یہ سامان ہمیں دے دو۔ لاؤ بیٹا آپ بھی یہ بیگ مجھے دے دو۔"

"کیا ایسا ممکن ہے۔" سندرا نے کہا۔

"ارے ہاں بیٹا! کیوں نہیں ممکن ہے چار چار، چھ چھ بکس اٹھا لیتے ہیں عادت پڑی ہوئی ہے لاؤ بیٹا دو نا۔" انہوں نے میری جانب ہاتھ بڑھائے تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کاش! میں وہ سارے بوجھ اپنے اوپر لاد لیتا جو آپ اٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں۔ کیا آپ اس بات کی توقع رکھتے ہیں محترم! کہ میں یہ بیگ آپ کے حوالے کردوں گا۔"

"اچھا بھئی ضدی ہو تم دونوں۔ لاؤ سندرا تم تو دے ہی دو۔"

"ہرگز نہیں دوں گی۔ میں نے تو ہمیشہ آپ کو پیش کش کی ہے کہ اپنے سارے بوجھ مجھے دے دیجئے۔"

"آؤ تو سہی۔ روز محشر میرا بوجھ کون اٹھائے گا۔ اگر اس بات کا وعدہ کرلو کہ

اس دن بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گی تو ٹھیک ہے میں اپنا بوجھ تمہارے حوالے کردوں گا۔" سندرا خاموش ہوگئی۔ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر ایک تانگہ روکا۔ ہمیں اس میں سوار کرایا۔ خود آگے بیٹھ گئے اور تانگہ چل پڑا۔ میرے پورے بدن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ تو یہ ہیں مولوی فصاحت علی۔ کمال کی شخصیت ہیں۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں لگا جیسے وہ کچھ کرہی ڈالیں گے۔ کیونکہ جو لوگ اس طرح کی زندگی گزارتے ہیں اور دنیا کی برائیوں سے اس طرح دور ہوتے ہیں ان کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ہم لوگوں نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ کچھ دیر کے بعد تانگہ ایک گلی کے کنارے جاکر رک گیا۔ تو مولوی صاحب نے نیچے آکر پیسے تانگے والے کو دیئے اور بولے۔

"آجاؤ بیٹے! تھوڑا سا گلی میں چلنا پڑے گا کچے پکے مکانوں کا علاقہ ہے۔" رات کے اس حصے میں پورا محلہ گہری نیند سو رہا تھا۔ مولوی صاحب ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔ ہاتھ ڈال کر کنڈی خود کھولی اور ہم سے بولے۔

"اندر آجاؤ۔" پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"آجاؤ بیٹا! آپ بھی آجاؤ۔ بات یہ ہے کہ پردہ بڑا ضروری ہے لیکن میں نے تھوڑی سی آزادی دی ہے اپنی بچیوں کو۔ لبنٰی اور جمیلہ تمہیں خوش آمدید کہیں گی۔" اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اچانک ہی دو نوجوان لڑکیاں باہر نکل آئیں اور حیرت سے ہم کو دیکھنے لگیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ارے اباجی! دروازہ بھی نہیں بجایا آپ نے ہم کوئی سو تھوڑی رہے تھے اور یہ........... اوہو سندرا باجی سندرا باجی..........." دونوں ہی تیزی سے سندرا کی جانب لپکیں اور انہوں نے اسے لپٹالیا۔ مولوی صاحب خاموش کھڑے ہوئے۔ مسکراتی نگاہوں سے یہ تمام مناظر دیکھ رہے تھے۔ پھر دونوں لڑکیوں نے مجھے دیکھا اور بے اختیار سلام کیا تو میں نے وعلیکم اسلام کہا۔ میڈم کہنے لگیں۔

"کیسی ہو تم لبنٰی! اور تم بتاؤ جمیلہ۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"یہاں آکر میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنا سر پھوڑلوں۔"

"اندر چل کر پھوڑ لیجئے یہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی۔" جمیلہ نے کہا۔

"بدتمیز۔ پھر تُو نے شروع کردیں فضول باتیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نن........... نہیں ہم تو میزبان ہیں۔ مہمان کی ہر ضرورت کا خیال رکھیں۔ سندرا باجی! آپ کون سی چیز سے سر پھوڑیں گی آیئے نا اندر۔"

"آؤ بیٹے۔" ہم دالان میں بچھے ہوئے تخت تک پہنچ گئے۔ تین لالٹین روشن کردیئے گئے تھے اور خوب روشنی پھیل گئی۔ تخت پر چادر بچھی ہوئی تھی گاؤ تکیئے لگے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا۔

"چلو چارپائیاں بچھاؤ دالان میں' آج کی رات سونے کے لئے نہیں ہے۔"

"ابھی سب کچھ ہوا جاتا ہے ابو۔" اس بار لبنٰی نے کہا تھا۔ لڑکیاں بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔ میں وہاں کے ماحول کو جاننے کی کوشش کررہا تھا۔ بہت دیر تک وہ لوگ مصروف رہے اِدھر میں یہ دیکھ رہا تھا کہ ایک مسلمان گھرانے میں سندرا دیوی کس قدر مقبول ہیں۔ حالانکہ وہ ایک سوشل ورکر تھیں بہت سوں کی مشکلات میں حصہ بٹانے والی یہ گھرانہ جس قدر مفلوک الحال نظر آرہا تھا میرے اپنے حساب سے تو سندرا دیوی کو اس کی بھرپور مدد کرنی چاہئے تھی لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ ضعیفی کی عمر میں جبکہ میرے اندازے کے مطابق مولوی فصاحت علی کی عمر اچھی خاصی ہوگی وہ ایک مشکل کام کرتے تھے۔ قلی کا کام کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہوتی لیکن وہ یہ سب کچھ کررہے تھے۔ عمر کا اندازہ بھی ہوجاتا تھا۔ نوجوان بیٹیاں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بیچاری باپ کے مسائل میں خاص طور سے ہاتھ نہیں بٹا سکتی تھیں۔ بہرطور بہت سے معاملات بالکل ہی ذاتی نوعیت کے تھے۔ مولوی صاحب کچھ دیر کے لئے اٹھ کر باہر چلے گئے تو سندرا نے کہا۔

"میں بہت شرمندہ ہوتی ہوں یہاں آکر۔ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ مولوی فصاحت علی کس قدر خوددار انسان ہیں۔ اس عمر میں بیٹیوں کا بوجھ کندھوں پر اٹھائے ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتے ہیں۔ تمہارے ذہن میں یہ خیال ضرور آیا ہوگا شعبان کہ چراغ تلے اندھیرا کیوں ہے۔ میں بہت سارے سوشل کام کرتی ہوں لیکن ان لوگوں کی مدد کیوں نہیں کرتی یقین کرو۔ یہ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ میں انہیں محل بنا کر دے دوں ان کے سارے مسائل اپنے کندھوں پر اٹھالوں لیکن مولوی صاحب اس قدر خوددار ہیں کہ میری کوئی بات نہیں مانتے البتہ میں نے بڑی مشکل سے ایک وعدہ ان سے لیا ہے وہ یہ کہ جب دونوں بیٹیوں کی شادی ہوگی اور کوئی اچھا رشتہ انہیں مل جائے گا تو کم از کم ان کی شادی کے اخراجات میں اٹھاؤں گی۔ بڑی افسردگی کے ساتھ انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے یہ بات قبول کرلی ہے۔ میں خود بھی بڑی کوششوں میں مصروف ہوں کہ کوئی اچھا رشتہ ان لوگوں کے لئے مل جائے تو میں مولوی صاحب کی زندگی میں انہیں نمٹا دوں۔"

"ان کی بیگم نہیں ہیں۔"

"نہیں۔ وہ مرچکی ہیں۔"

"یہ بیچارے میرا خیال ہے کوئی تکلف کرنے کے لئے گئے ہیں۔"

"باز تھوڑی آئیں گے اب پتہ نہیں کہاں مارے مارے پھریں گے اور کیا لینے گئے ہیں اور کہاں سے لائیں گے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" میں نے چونک کر سندرا دیوی کو دیکھا ان کے منہ سے اللہ کا نام سن کر ذرا سی حیرت ہوئی تھی کیونکہ یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ وہ ہندو ہیں۔ بہرحال میں نے پھر کہا۔

"یہ صرف میرے لئے انتظام کرنے گئے ہیں۔"

"کیوں تمہارے لیے کیوں؟"

"کیا آپ یہاں کا کھانا کھالیتی ہیں۔"

"تبرک ہے میرے لئے ویسے بھی میں بہت صاف ستھرے ذہن کی مالک ہوں۔ ظاہر ہے وہ مجھے کوئی غلاظت تو کھلانے سے رہے۔ خود پاکیزہ فطرت کے انسان ہیں پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔ میں انہیں بہت بڑا مانتی ہوں ان کے ہاں کی چیزیں تو میں تبرک کے طور پر کھاتی ہوں۔ بھلا اس میں اعتراض کیسا؟"

"آپ واقعی کمال کی شخصیت ہیں۔ میڈم! بہت بڑی ہیں آپ۔"

"ارے چھوڑو خاک بڑی ہوں جتنی بڑی ہوں میں خود جانتی ہوں۔" اتنی دیر میں مولوی صاحب واپس آگئے ادھر لڑکیاں بھاگی دوڑی پھر رہی تھیں۔ میں نے ایک بار گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا حالانکہ نگاہوں میں کوئی برائی نہیں تھی۔ مجھے وہ لڑکیاں بہت دلکش لگی تھیں۔ کیچڑ کے پھول انہی کو کہتے ہیں بہت ہی دلکش سادگی کا پیکر' لبنٰی بڑی تھی جمیلہ چھوٹی دونوں کے انداز میں ذرا سی شوخی بھی پائی جاتی تھی۔ بہرحال ان لوگوں نے فوراً کھانے کا بندوبست کیا۔ رات کے اس پہر تازہ پکا ہوا کھانا کھا کر بڑا لطف آیا۔ خاص طور سے میڈم کو دیکھ رہا تھا میں' میں ان کی شہری زندگی بھی دیکھ چکا تھا۔ زبردست رکھ رکھاؤ کی مالک تھیں لیکن اس وقت بچی بنی ہوئی تھیں ان لوگوں کے ساتھ۔ آخر کار جب رات خوب گہری ہوگئی تو انہوں نے دونوں لڑکیوں کی جانب دیکھ

کر کہا۔

"لبنٰی اور جمیلہ! تم دونوں جاؤ اور اپنے کمرے میں جاکر آرام سے سوجاؤ۔ صبح کو ہمیں ناشتہ بنا کر نہیں دینا ہے کیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم اب سو گئے تو جاگیں گے نہیں صبح کو۔"

"بھئی انسان تو ہونا۔ ظاہر ہے اتنی رات گئے اگر سوؤگی تو صبح ہونے میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔"

"اور آپ لوگ؟"

"ہم ذرا باتیں کریں گے مولوی صاحب سے جس کام کے لئے ہم آئے ہیں وہ کام انہیں بتائیں گے اب بلاوجہ تھوڑی آئے ہیں۔"

دونوں لڑکیاں نہ جانے کیا سمجھیں اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ مولوی صاحب خاموشی سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو گے تم لوگ مجھے ذرا نماز پڑھ لوں۔ آج کی نماز قضا ہو رہی ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور۔ ہم انتظار کریں گے۔" جب مولوی صاحب نماز پڑھنے چلے گئے تو سندرا نے مجھے بتایا کہ مولوی صاحب تہجد گزار ہیں۔ آج ہماری وجہ سے بے چاروں کو بہت سے مسئلے چھوڑنے پڑے ہوں گے۔ میں نے انہیں ریلوے پلیٹ فارم پر بھی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ ایک بار پہلے بھی آئی تھی اور ٹرین لیٹ ہوگئی تھی۔ انہیں تلاش کیا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

"بہت بڑے انسان ہیں اصل میں انہوں نے مجھے بے حد متاثر کرلیا ہے۔"

"بڑے کام کے آدمی ہیں شعبان!" کوئی آدھا گھنٹہ ہمیں اسی طرح گزرا پھر مولوی صاحب تسبیح کے دانوں پر پھونکتے ہوئے ہمارے پاس آگئے۔ ان کے چہرے پر کسی قدر تشویش کے آثار تھے۔ کچھ لمحے خاموش رہ کر وہ مجھے گھورتے رہے۔ میں نے ایک عجیب سی کیفیت ان کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ پھر انہوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہر کام ایک وقت مقررہ پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔ برائی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ تم نے اس کا تجزیہ کرلیا۔ نیکیوں کی راہ میں کانٹے بچھے ہوتے ہیں ان کانٹوں کو عبور کرلیا جائے تو پھر جو حسین مناظر سامنے آتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں وہ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" میں حیرت سے منہ پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔ سندرا دیوی کی آنکھوں میں عقیدت کے آثار تھے دفعتاً مولوی صاحب جیسے چونک پڑے۔ حیران نگاہوں سے اِدھراُدھر دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

"میں نے تمہیں سونے کے لئے اس لئے نہیں کہا کہ تمہارے ذہنوں میں جو کچھ ابل رہا ہے۔ وہ تم میرے سامنے لے آؤ۔ ورنہ میں تم سے کہتا کہ آرام کرو۔ صبح کو بات چیت ہوگی۔ ہاں میاں! کہو کیا بات ہے۔" میری آواز تو مولوی صاحب کے ان الفاظ سے ہی بند ہوگئی تھی۔ اس شخص نے وہ سب کچھ کہہ ڈالا تھا جو میرے دل میں چھپا ہوا تھا اور جس سے اب میڈم بھی واقف ہوچکی تھی۔ بس اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ مولوی صاحب نے اپنی زبان میں وہ کہانی مجھے نہیں سنادی تھی جو میرے سینے کے اندر پوشیدہ تھی۔ ویسے بھی میں اس شخص سے بے پناہ متاثر ہوگیا تھا۔ بے لوث بے غرض دنیا کی برائیوں سے دور لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سندرا دیوی کا بھی ایک کردار تھا۔ اچھے لوگ کس طرح نگاہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور جن کی نگاہیں ان تک پہنچ جائیں۔ سمجھو' انہیں ان کی مشکلوں کا حل مل جاتا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہورہا تھا کہ مولوی صاحب کے ساتھ میرا بہت اچھا کام ہوجائے گا۔ بہرحال بولنا ضروری تھا میں نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔

"محترم! آپ نے وہ سب کچھ کہہ ڈالا ہے جو میں کہنا چاہتا تھا۔"

"نہیں عزیزی دلوں کے بھید تو اللہ ہی جانتا ہے۔ بس ایک ہلکا سا خاکہ تمہارا میرے علم میں آگیا ہے۔ وہ یہ کہ تم شیطانی عمل کے زیراثر ہو اور شیطان تمہیں پریشان کررہا ہے یہ نہ کہنا کہ تم نے شیطان کو نہیں دیکھا اور براہ راست اس نے تم پر کوئی وار نہیں کیا۔ شیطان نے اپنی نسل کو اس قدر بڑھا رکھا ہے کہ اب انسانوں ہی میں شیطانوں کی زیادہ صفات ملتی ہیں۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو یہ تم ہزاروں جگہوں سے سن چکے ہوں گے میں تمہیں اس بارے میں کیا بتاؤں۔ ہاں تم مختصر الفاظ میں مجھے اپنی مشکل بتادو تاکہ میرے اندازوں کی تصدیق ہوجائے۔"

"جی۔" میں نے کہا۔ اب یہ کہانی بار بار دہراتے ہوئے مجھے شرمندگی تو ہوتی تھی لیکن کیا کرتا ساری تفصیلات بتائی اور مولوی صاحب نے بھی وہی الفاظ کہے جو سندرا دیوی نے کہے تھے وہ کہنے لگے۔

"بات اصل میں یہ ہے میاں برا مت ماننا۔ تمہارے اندر جو نیک جذبات پیدا ہوئے۔ تم نے کالی چرن کی وہ بات سنیں جس کے بدلے میں وہ تمہیں زندگی کی تمام آسائشیں دینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ تم نہیں ہو بلکہ تمہاری رگوں میں دوڑنے والا وہ خون ہے جو نیک اور حلال کمائی سے پروان چڑھا ہے یعنی تمہارے والد کی نیک اور حلال کمائی انہوں نے دنیا کو نیکیوں کے راستے دکھائے جس کی بناء پر تمہارے قدم بھی اسی جانب بڑھ گئے جبکہ تمہارے اندر طلب تھی ہوس تھی۔ تم نے ہمیشہ یہی چاہا تھا کہ اپنے سامنے دولت کے انبار لگالو۔ ایک بات تم اچھی طرح جانتے ہو رزق حلال شدید محنت سے حاصل ہوتا ہے اور وہی تمہارے بدن کا محافظ ہوتا ہے جبکہ ناجائز ذرائع سے تم دولت کے کتنے ہی انبار لگالو۔ کبھی ایسے دولت مندوں کو غور سے دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ دولت ہی ان کے لئے سانپ بچھو بن گئی ہے۔ وہ دولت کے انبار لے کر چھوٹی سی چھوٹی بیماریوں کے لئے ہسپتال جاتے ہیں اور یہ دیکھ لو کہ دولت کی کان ہیں اہل ہوس انہیں ہزاروں بیماریوں میں مبتلا کردیتے ہیں۔ بس سمجھو یہ دولت ہی ان کے لئے زہر بن جاتی ہے۔ ایسی لاکھوں مثالیں ہیں۔ خیر وہ ایک الگ بات ہے۔ میں تمہیں شیطان کے بارے میں بتا رہا تھا کہ شیطان لعنت کا مارا کس کس طرح انسانوں کو دھوکے دیتا ہے اور کیسے کیسے وہ اپنے شکاروں کو خراب کرتا ہے۔ سندرا! بیٹی یہ بہت پرانی بات ہے جب میری ملاقات فیروز گڑ والا سے ہوئی ایک عجیب وغریب کردار جو حیرت ناک واقعات سے گزرا تھا اور مجھے ان واقعات کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہیں۔ تم اگر یہ سوچو کہ شیطان کبھی اپنی اصل شکل میں انسان کے پاس نہیں آیا تو اس خیال کو دل سے نکال دو کبھی کبھی وہ اپنی اصل شکل میں بھی انسانوں کے سامنے آکر ان سے شرارتیں کرتا ہے۔ میں تمہیں فیروز گڑوالا کے بارے میں بتا رہا تھا اور یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ شیطان اور اس کے درمیان ایک عجیب و غریب کھیل چلا۔ فیروز گڑوالا جوئے کا رسیا تھا اور بس یوں سمجھ لو کہ اس کی زندگی کا ہر قدم ہی جوئے میں مصروف رہتا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ بہت بلند وبالا قدو قامت کا مالک' گھنگھریالے بالوں والا یہ شخص ایک عجیب وغریب شخصیت رکھتا تھا۔ وہ بچپن ہی سے جوئے کا سخت عادی تھا اور جو کچھ بھی اس کے ہاتھ لگتا تھا۔ جوئے کی نذر ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ جوا اس کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا۔ اس کی ساری کمائی جوئے کی جیت کا نتیجہ ہوتی تھی اور وہ ہمیشہ ایسے کھیل کھیلتا تھا جس میں صرف جیتنے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موقع فراہم ہو۔ قرب وجوار میں کوئی نہیں تھا سوائے تاشیا کے جو ایک دیسی عیسائی لڑکی تھی۔ فیروز اسے بہت چاہتا تھا لیکن تاشیا اور اس کے درمیان فیروز کا جوئے کا عمل حائل تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ فیروز جوا کھیلنا چھوڑ دے۔ شروع میں اس نے اپنی محبت کے سارے ذرائع استعمال کرتے ہوئے اسے جوئے کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جب بھی اسے موقع ملتا وہ یہی کہتی۔

"دیکھو فیروز بات اصل میں یہ ہے کہ میں کسی بھی طور ایک مخدوش زندگی کو پسند نہیں کروں گی۔ میں نہیں چاہوں گی کہ میرا شوہر ایک جواری ہو۔ جیت کر آئے تو ہنستا اور مسکراتا ہوا اور جب ہار کر آئے تو اس کے چہرے پر اداسی کی لکیریں تیر رہی ہوں۔ میں تو ایک ایسا باعمل انسان چاہتی ہوں جو اپنی محنت سے جو کچھ بھی کمائے میں اس کے ساتھ زندگی کی صبح وشام کروں۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں سب سے زیادہ مجھ سے محبت ہے تو یہ سمجھ لو کہ تمہیں اپنی دونوں محبوباؤں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ میرا یا جوئے کا۔" فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں ڈارلنگ! یہ تو صرف تمہاری جذباتی کیفیت ہے کہ تم میرے ایک چھوٹے سے عمل کو اپنی ذات پر مسلط سمجھتی ہو۔ قطعی ایسی کوئی بات نہیں ہے ٹھیک ہے میں جوا نہیں کھیلوں گا۔" فیروز تو بچپن سے اس لعنت کا شکار تھا۔ چنانچہ بھلا وہ کیسے نہ کھیلتا وہ اپنا وعدہ وفا نہ کرسکا۔ جب تک وہ ایک آدھ بازی نہ کھیل لے اسے مزہ نہیں آتا تھا۔ جوئے کی حیثیت اس کے لئے بالکل ایسی تھی جو ایک جاندار کے لئے خوراک کی ہوتی ہے جس طرح کوئی جاندار خوراک کے بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح فیروز جوئے کے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ تاشیا کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں۔ آخر کار اس نے ایک دن فیروز کی دی ہوئی منگنی کی انگوٹھی واپس کرتے ہوئے کہا۔

"سوری فیروز! ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے دل میں اپنے لئے ایک بڑا مقام پایا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ زندگی تمہارے ساتھ بہت اچھی گزرے گی لیکن جہاں کسی کی زندگی میں کسی دوسرے کا دخل ہو وہ زندگی اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ تمہیں اب میرا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔"

"تم بہت زیادہ جذباتی ہوگئی ہو تاشیا۔ میرا یہ معمولی سا عمل تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"لیکن میں یہ نہیں بھولوں گی کہ تم میرے لئے اپنی اس عادت کو نہیں چھوڑ

سکے۔ بس اس کے بعد مجھے اپنا تعین کرلینا چاہئے۔" فیروز بھی کچھ غصے میں آگیا تھا۔ چنانچہ اس نے انگوٹھی واپس لے لی اور تاشیا آنسو بہاتی ہوئی چلی گئی۔ بہت دیر تک وہ گم صم بیٹھا سوچوں میں ڈوبا رہا۔ پھر جب خوب اندھیرا پھیل گیا اور فضا میں تاریکی کی چادر پوری طرح پھیل گئی تب وہ اپنی جگہ سے اٹھا لیکن اس کے قدم ایک جوئے خانے کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔ اس وقت اس کے ذہن میں ایک شدید کشمکش ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی تاشیا کے بغیر اس کی زندگی کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ اس وقت وہ تاڑ کے درختوں کے ایک جھنڈ سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے قریبی درخت کے تنے سے ایک سایا اس کے سامنے آگیا ہو۔ فیروز نے سر جھٹک کر غور سے دیکھا۔ ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس بے حد خوبصورت تھا۔ سر پر ایک سیاہ ٹوپی اور ہونٹوں پر ایک پُرکشش مسکراہٹ۔ اس نے نرم اور میٹھی آواز میں کہا۔

"تم مجھے نہیں جانتے ہوگے لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔ فیروز گڑ والا۔" فیروز نے کئی بار پلکیں جھپکیں اسے گھورا پھر اپنے ذہن پر زور دے کر اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ البتہ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ یہ سایا اچانک ہی ایک درخت سے نمودار ہوا ہے۔ پھر ماحول بھی عجیب وغریب اور سنسان سا تھا۔ اس نے کہا۔

"مسٹر فیروز۔ یقیناً آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک مشکل کام نہیں ہے۔ میں وہ ہوں جس کا تعارف پوری دنیا سے ہے۔ چلو ٹھیک ہے وقت ضائع کئے بغیر میں الفاظ میں آپ کو اپنے بارے میں بتا دوں۔ میں شیطان ہوں۔" فیروز نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک گرم سی لہر دوڑ گئی۔ اگر یہ شخص اسے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کا مقصد کیا ہے اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"تم شیطان ہو یا نہیں لیکن میرے اندر کا شیطان تم سے زیادہ طاقتور ہے میں تمہیں اس فضول بکواس کا مزہ بھی چکھا سکتا ہوں۔ اگر تم کوئی لٹیرے ہو اور مجھے لوٹنے آئے ہو تو میں تمہیں بتا دوں کہ اگر تنہا ہو تو فوراً واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ میرے طاقتور بازوؤں میں تمہاری ہڈیاں توڑنے کی طاقت ہے۔"

"خیر ان ساری باتوں سے الگ میں تمہیں یہی سچ بتا رہا ہوں کہ میں شیطان ہوں

اور اگر تم یہ بات نہیں مانتے تو نہ مانو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چلو ٹھیک ہے میں شیطان نہیں ہوں پھر میں کون ہوں۔ اگر تم یہ ثابت کر دو تو میں تمہیں اتنی رقم دوں گا کہ ساری زندگی جوئے میں ہارتے رہو تب بھی ختم نہ ہو۔"

"تب تو تم شیطان ہی ہو۔" فیروز کے ہونٹوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم یہ بھی نہیں ثابت کر سکتے اگر تم یہی ثابت کر دو کہ میں شیطان ہوں تب بھی میں تمہیں یہ ساری رقم پیش کر سکتا ہوں۔ دیکھو اسے۔" اس نے عقب سے ہاتھ سامنے کئے اور کپڑے سے بنا ہوا ایک بڑا سا تھیلا فیروز کے سامنے ڈال دیا۔ تھیلے میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ فیروز کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لئے عجیب سی کیفیت نمودار ہوئی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" یہ کہہ کر فیروز نے تھیلے کی جانب ہاتھ بڑھایا تو شیطان نے جلدی سے اس تھیلے کو پیچھے کر لیا۔

"اس طرح کی رقومات میرے لئے بالکل بے معنی اور بے مقصد ہیں لیکن تم جیسے لوگوں کے لئے یہ زندگی میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ شاید تمہیں اس بات کا علم ہو کہ میں جب کسی کے سامنے آتا ہوں تو اسے مجھ سے تین شرطیں جیتنا ہوتی ہیں اس میں ان کی زندگی کا راز پوشیدہ ہوتا ہے ورنہ مجھے دیکھنے والا کسی اور کو کچھ بتانے کے لئے زندہ نہیں رہتا۔ مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے کم از کم تین شرطیں جیتو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن تم وعدہ کرو کہ اس کے بعد یہ دولت میرے حوالے کر دو گے۔"

"ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے تھے؟"

"ابھی تو میں کہیں نہیں جا رہا تھا لیکن یوں سمجھ لو کہ میری زندگی کا مقصد صرف جوا کھیلنا ہے اور اس کے لئے میں نے اپنی سب سے زیادہ چاہنے والی محبوبہ کو بھی چھوڑ دیا۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں تمہیں یہ بتادوں کہ تم اب کوئی شرط یا جوئے میں کبھی نہیں جیت سکتے اگر تم جیت گئے تو میں تمہیں فاتح تسلیم کرلوں گا ورنہ تم زندگی کی بازی ہار جاؤ گے۔" فیروز نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم مجھ سے تین شرطیں جیتنا چاہتے ہو۔"

"ہاں۔"

"اور اگر تینوں شرطیں میں جیت گیا تو تم میرے غلام ہو گے اور وہی کرو گے جو میں چاہوں گا۔"

"منظور ہے۔" فیروز نے کہا۔

"شرط کیا ہو گی۔"

"شرط بھی تم ہی طے کرو۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ اب میں جوئے میں شرط لگاؤں گا اور تم نہیں چاہتے کہ میں اس بار بھی کامیاب رہوں۔"

"ہاں۔ میں نے تم سے جو کہہ دیا ہے وہ میرا دعویٰ ہے۔ طاغوتی قوتیں تمہاری جیت میں ہمیشہ دیوار بنی رہیں گی۔ اب میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے اندر اندر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ فیروز کے لئے یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ شیطان مجسم ہو کر اس کے سامنے آیا ہے۔ بہت دیر تک وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور اس کے بعد اس نے اپنے گال پر دو تین تھپڑ لگائے۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ کھڑے کھڑے خواب دیکھ رہا ہے۔ بہرحال وہ اپنے گھر واپس چلا گیا۔ جوئے خانے جانے کا ارادہ اس نے ترک کر دیا تھا۔ رات کو بستر پر لیٹ کر وہ بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا رہا۔ تاشیا کے پاس ایک بار پھر جا کر معذرت کرے یا اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھول جائے لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ صبح کو جاگا تو اسے تاشیا کی جدائی کا بے حد غم تھا۔ غسل وغیرہ کرنے کے بعد اس نے گھر سے باہر قدم نکالے تو اس کے قدم خود بخود ریس کورس کی جانب اٹھ گئے کیونکہ ریس ہفتے میں دو دن ہوا کرتی تھی۔ آج کا دن وہ کبھی کسی اور مشغلے میں نہیں گزارتا تھا۔ اس نے سوچا کہ تاشیا کی جدائی کو برداشت کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ ریس کھیلے۔ بہرحال جب وہ ریس کورس پہنچا تو اچانک ہی اُسے شیطان کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔ گھوڑوں کے انتخاب میں اسے کافی دشواری پیش آئی تھی۔ بہرطور اس نے ٹکٹ خریدے اور ریس شروع ہو گئی۔ وہ محویت سے ریس کھیلنے لگا اور سب کچھ ہی بھول گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد اس کا منتخب گھوڑا دوسرے گھوڑے سے کوئی دس گز آگے نکل گیا تو فیروز نے اطمینان کی گہری سانس لی لیکن پھر اچانک ہی ایک عجیب بات ہوئی اس کا گھوڑا جیتنے کے مقام سے کوئی دس گز پہلے لڑکھڑا گیا اس کی رفتار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سُست ہو گئی اور ایک دوسرا گھوڑا اس سے آگے نکل گیا۔ فیروز ہار گیا تھا لیکن ابھی وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ ابھی چھ ریسیں باقی تھیں اور اس کی جیب میں اچھی خاصی رقم باقی تھی۔ دوسری ریس میں بھی اس کا گھوڑا آگے تھا لیکن نہ جانے کیسے اس کی ایک لگام ٹوٹ گئی اور وہ ہار گیا۔ تیسری ریس میں فیروز کا لگایا ہوا گھوڑا بے قابو ہو کر دوسری جانب نکل گیا۔ چوتھی ریس بھی پُرامید انداز میں شروع ہوئی۔ مگر یہ امید زیادہ دیر تک نہ رہ سکی کیونکہ اس کا گھوڑا عین جیت کے وقت ٹھوکر کھا کر گرا پھر نہیں اٹھ سکا۔

یہ واقعات بے حد تعجب خیز تھے۔ فیروز جو بھی گھوڑا چنتا اس کی شامت آ جاتی۔ اسے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چھٹی ریس شروع ہونے سے قبل وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اب اس کی جیب میں بڑی معمولی سی رقم رہ گئی تھی۔ ٹکٹ لینے کی بجائے وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ پھر اس نے اپنے ایک دوست کو تلاش کیا۔ ریس شروع ہوئی تو فیروز اسی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ گھوڑے جھنڈ کی شکل میں پل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ تقریباً چھ گھوڑے باقی گھوڑوں سے قدرے آگے تھے۔ فیروز نے اپنے دوست سے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کون سا گھوڑا اس وقت اول نمبر پر آ رہا ہے۔"

"سات نمبر۔"

"وہ نہیں جیت سکتا۔ میں تم سے ہزار روپے کے بدلے بیس ہزار روپے کی شرط لگاتا ہوں۔" اس کے دوست نے سخت تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ سات نمبر کا گھوڑا خاصا پیچھے اس کے جیتنے کا تو سرے سے کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ فیروز نے اپنے دوست کو پریشان دیکھ کر کہا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ اب میں بیس کی بجائے ایک لاکھ کی شرط لگاتا ہوں بولو۔ کیا تم شرط لگاؤ گے؟" اس کے دوست کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ایک ایسا گھوڑا جو سب سے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ بھلا جیت بھی کیسے سکتا تھا' اس نے منظوری کا اعلان کر دیا۔ ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ سات نمبر کے گھوڑے کو جیسے پر لگ گئے۔ اس نے درمیانی فاصلہ برق رفتاری سے طے کیا اور لوگوں نے اس کی تیزی طراری بہت غور سے دیکھی۔ یہ جیتنے والا پہلا گھوڑا تھا۔ اِدھر اس کا دوست مذاق اڑانے والی نظروں سے فیروز کو دیکھ رہا تھا۔ فیروز نے اپنی جیب کی آخری پونجی ایک لاکھ روپے کی گڈی اس کے حوالے کر دی۔ فیروز کا دوست اس سے فیروز کی اس

بیوقوفی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن فیروز سوال و جواب کے موڈ میں نہیں تھا اس نے ایک خالی جگہ سنبھال لی۔ اب اسے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ کل شام پیش آنے والا واقعہ بالکل درست تھا۔ کوئی خواب یا وہم نہیں تھا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا اور اس نے سوچا کہ شیطان اپنی شکست کے بعد اس سے انتقام لینے پر تل گیا ہے۔ اس کی تو گزر بسر ہی جوئے پر تھی اور اگر وہ مسلسل ہارتا رہتا تو شاید جوا کھیلنا ہی ترک کر دیتا۔

بہرحال اب آخری ریس شروع ہونے والی تھی۔ فیروز نے اپنی جیب کا جائزہ لیا اور اس آخری رقم کے ٹکٹ خرید لئے یہ مختلف گھوڑوں کے لئے تھے۔ اس ریس میں سارے گھوڑے حصہ لے رہے تھے۔ پھر اس نے ایک پر رقم لگا دی اور سوچا کہ اب دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے جیتنے سے کیسے روک سکتا ہے۔ ان ساتوں میں سے کوئی نہ کوئی گھوڑا تو ضرور جیتے گا۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا فیروز کے لئے اور وہ مسکرا رہا تھا کہ شیطان کو شکست دینے کا اس سے اچھا انداز کسی نے اختیار نہیں کیا ہوا تھا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ہوا کا ایک زوردار جھکڑ چل پڑا اور گراؤنڈ کے پاس لگے ہوئے شامیانے زمین بوس ہونے لگے۔ اگر جوکیوں نے گھوڑوں کو بروقت نہ روک لیا ہوتا تو کئی گھوڑے شامیانوں سے الجھ کر گر جاتے۔ ظاہر ہے اس حادثے کے بعد ریس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اور اسے نو ریس قرار دے کر لوگوں کی رقمیں واپس کر دی گئیں۔ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ شیطان اب فیروز کو کسی بھی شکل میں کامیاب دیکھنا نہیں چاہتا اور فیروز کے سامنے کامیابی کے سارے راستے ختم ہو گئے ہیں۔ بہرحال اس ریس کے خاتمے کے بعد فیروز واپس چل پڑا تھا۔ بڑی حیرت ناک دوڑ تھی ایک طرف تاشیا تھی اور دوسری طرف اس کی زندگی یہ ایک بہترین موقع تھا کہ جوئے کی زندگی چھوڑ کر اور شیطان سے ہار مان کر تاشیا کو اپنی زندگی میں شامل کر لے لیکن یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام تھا چونکہ اس کے علاوہ اس کا ذریعہ آمدنی اور کوئی نہیں تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ لاتعداد سوچیں دامن گیر تھیں یہاں تک کہ آخر کار ایک عمدہ سی ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی اور اس نے اپنا ایک جال بننا شروع کر دیا وہ جانتا تھا کہ وہ جہاں بھی کہیں شرط لگائے گا۔ شیطان اسے اس شرط میں جیتنے نہیں دے گا۔ چنانچہ اس کے برق رفتار ذہن نے شیطان کو شکست دینے کے لئے جو فیصلہ کیا وہ انتہائی دلچسپ تھا کہ وہ الٹی شرطیں لگائے گا چنانچہ وہ اپنے ایک دولت مند دوست سے ملا اور اس سے کہا۔

"اب جب تم ریس کورس میرے ساتھ جاؤ تو ذرا سی مجھ سے بات کرلینا۔ میں نے خود ریس کھیلنا چھوڑ دیا ہے لیکن تم یہ ریس کھیلو بس مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے مل لینا۔" پھر اس کا بہترین دوست اس کی بات مان کر تیار ہو گیا۔ دوسرے دن اس نے جب ریس کورس کے میدان میں اپنے دوست کے ساتھ قدم رکھا تو اس نے دوست سے ان گھوڑوں کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ جنہیں وہ تمام ریسوں میں کھیلنا چاہتا تھا۔ اس کے دوست نے اس کو بتایا کہ وہ کون کون سے گھوڑے کھیل رہا ہے تب فیروز نے شرط لگا کر کہا۔

"پہلی ریس میں تم جو دو گھوڑے کھیل رہے ہو یہ دونوں نہیں جیتیں گے۔ سمجھے۔"

"آہ.......... لیکن میں تو ان پر بہت بڑی بڑی رقمیں لگا چکا ہوں۔"

"مجھ سے شرط لگاؤ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں گھوڑے نہیں جیتیں گے۔"

"پتا نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھ سے شرط لگاؤ.........."

"ٹھیک ہے میں تم سے دس ہزار روپے کی شرط لگاتا ہوں کہ یہ دونوں گھوڑے جیتیں گے۔"

"اور میں کہتا ہوں کہ نہیں جیتیں گے' یہ فرسٹ اور سیکنڈ نہیں آئیں گے۔ ریس شروع ہوئی اور فیروز کا دوست خوشی سے اچھل پڑا چونکہ پہلا گھوڑا ون اور دوسرا پلیس پر آیا تھا۔ ایک بہت بڑی رقم میں سے نوٹ گنتے ہوئے اس نے کہا۔

"لاؤ دس ہزار روپے کی رقم.........."

"میرے پاس دس روپے بھی نہیں ہیں لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سننا اور اسی پر عمل کرنا دس ہزار روپے کا تمہارا مقروض ہو چکا ہوں لیکن اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کیا تو سمجھ لو تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے.........."

"بولو..........؟"

"اس بار تم نے جس گھوڑے پر رقم لگائی ہے اس کے بارے میں مجھ سے پچاس ہزار روپے کی شرط رکھتے ہو' میں کہتا ہوں وہی جیتے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیا بات ہوئی۔ میں تو خود کہہ رہا ہوں وہی جیتے گا۔"

"سوچ لو۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر میں یہ کہہ دوں گا کہ وہ جیتے گا تو وہ نہیں جیتے گا۔"

"تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آئی.........."

"چلو ٹھیک ہے مجھ سے شرط نہ لگاؤ' لیکن تجربہ کر کے دیکھ لو اور اس کے بعد تمہیں میرے ساتھ یہی طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا جس چیز کی میں نفی کروں گا وہ ہوگی اور جس کے لئے میں یہ کہوں گا کہ وہ ہوگی تو وہ نہیں ہوگی۔"

"لگتا ہے فیروز تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"تو پھر ٹھیک ہے جاؤ میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ تمہارا یہ گھوڑا جیتے گا۔" اور وہ گھوڑا بڑے اطمینان سے ہار گیا تھا اور فیروز کا دوست پاگل ہو جانے والی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کک.......... کیا بکواس ہے..........؟"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو پھر تماشا دیکھو۔" اور اس کے بعد جو تماشا ہوا وہ یہی تھا۔ فیروز کسی ایسے مریل گھوڑے کا نمبر بتا دیتا اور کہہ دیتا کہ وہ نہیں جیتے گا اور اس کا دوست اسی پر رقم لگا دیتا۔ نتیجے میں فیروز تقریباً دس لاکھ روپے لے کر ریس کورس سے واپس لوٹا تھا اور اس کے دوست کی تو خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ فیروز بے حد خوش تھا۔ شیطان کو شکست دینے کا ایک خاص ذریعہ اس کے ہاتھ آگیا تھا لیکن شیطان اب کیا کر رہا تھا وہی جانتا تھا البتہ فیروز نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا وہ اس رقم کے بعد صورتِ حال سے تائب ہو چکا تھا اس نے تاشیا سے ملاقات کی تاشیا اب اس سے نفرت کرنے لگی تھی فیروز نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں شرط لگاتا ہوں کہ تم اب مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو کہ اب تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی۔" تاشیا اس کی بات کی تائید کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی زبان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ روتے ہوئے فیروز کے قدموں میں گر گئی اور بولی.......... کہ وہ اس کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتی۔

"میرے دوست! فیروز اور تاشیا اب میاں بیوی ہیں اور آج تک فیروز اور شیطان کے درمیان ایک کشمکش چل رہی ہے۔ یہ ایک عجیب نگری ہے اور وہ جو اللہ

کے دربار میں مطعون ہوا ہے نہ جانے کیسے کیسے گُر کھیلتا رہتا ہے۔ البتہ ذہین لوگ اس کی شیطنت سے اب بھی آسانی سے بچ جاتے ہیں کیونکہ اللہ نے انسان کو عقل دی ہے فیصلے کرنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہئے۔ تم خود یہ بات جانتے ہو اچھی طرح کہ جب تم اپنی بستی سے نکلے تو تمہارے ذہن میں دولت کا شیطان کروٹیں لے رہا تھا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟" مولوی فصاحت علی خاموش ہو گئے لیکن میرے پورے بدن میں سنسناہٹیں دوڑ رہی تھیں تو انہوں نے کہا۔

"یہ بات تو ہوئی یہاں تک کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اب تم آرام کرو مطمئن تو ہو گئے ہو گے کہ وقت ضائع کرنے کے لئے یہاں نہیں آئے میں تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھادوں۔ کل دن بھر کی مصروفیات کے بعد بات چیت ہوگی۔ اس ریلوے اسٹیشن پر سات بجے ایک گاڑی گزرتی ہے اور اس کے بعد دوسری ڈیڑھ بجے گویا سات بجے سے ایک بجے تک کا وقت میں آرام کرنا چاہتا ہوں کیا خیال ہے۔ اب اجازت دو گے؟" ہم لوگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔

☆======☆======☆

جو جگہ ہم دونوں کے آرام کے لئے منتخب کی گئی تھی وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دو چارپائیاں وہاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے شرمندہ نگاہوں سے سندرا دیوی کو دیکھا اور کہا۔

"میڈم حقیقت یہ ہے کہ آپ سب کے اس مخلصانہ رویے نے پتا نہیں مجھے زندگی کے کون کون سے مراحل سے آگاہ کیا ہے۔ انسان بے لوث' بے غرض کسی کے لئے اتنا کرسکتا ہے۔ کہاں میں اور کہاں آپ۔ پھر ہم دونوں کا مذہب بھی ایک نہیں ہے لیکن آپ صرف میرے لئے اپنی عالیشان کوٹھی چھوڑ کر یہاں اس چارپائی پر آرام کررہی ہیں۔" سندرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"اصل میں بات ذرا سی سوچنے کی ہے ہم سب خوبصورت باتیں کرکے ایک دوسرے پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ انسان انسانیت کے لئے پیدا ہوا ہے اگر وہ تھوڑا بہت کسی کے کام آجائے تو انسانیت کا بھرم قائم رہ جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں وہ ایک بے بس اور بے کس ایک کمزور سا جاندار ہے جس کی تقدیر کے سارے فیصلے کہیں اور سے ہوتے ہیں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم بذات خود کچھ نہیں ہیں اگر ہم یہ سب کچھ کہتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے اس چھوٹے سے عمل پر حیرت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونی چاہئے۔ مجھے صرف ایک بات بتاؤ کیا تم یہاں آکر مطمئن ہوئے ہو............؟"

"میں تو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا کہ میری کیا کیفیت ہے۔ بلاشبہ پہلی بار ایک سچے اور اچھے انسان سے ایسی صورت میں میرا تعارف ہوا ہے مولوی صاحب واقعی قدرت کی دین سے مالا مال ہیں اور صحیح انداز میں اپنی قوتوں کو خرچ کررہے ہیں۔"

"وہ ضرور تمہاری رہنمائی کریں گے۔" پھر نہ جانے رات کے کون سے حصے میں اور نہ جانے کون کون سی سوچوں کے درمیان مجھے نیند آگئی تھی۔ بہت سی باتیں ہوئیں اور دوسری شام سات بجے مولوی صاحب گھر واپس آگئے۔ خوش و خرم تھے' کچھ پھل وغیرہ لائے تھے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ہمارے سامنے پیش کیے اور اس کے بعد انہوں نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر بولے۔

"ہاں بھئی' شعبان میاں! بڑے دلچسپ واقعات وابستہ ہیں تمہاری زندگی سے۔ اب تم سے میں ان دونوں کا تعارف کرادوں۔ وہ مکروہ قوتوں کا مالک سادھو کالی چرن اپنی قوتوں کو دوآتشہ کرنے میں مصروف ہے۔ انسان کی ہوس اسے دیوانہ کردیتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کا طاقتور ترین انسان بنانا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ طلسماتی قوتوں کا سہارا لے رہا ہے جو غلاظتوں کے عمل سے گزرتی ہیں لیکن اس دوران ایک ایسی اور ناپاک شخصیت سے اس کا واسطہ پڑ گیا ہے جو صدیوں جینے کے خواب دیکھ رہی ہے لیکن دونوں کو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی ضرورت ہے۔ جس منصب کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان میں سے کسی ایک کو ملے گا۔ سادھو کالی چرن' چمپاوتی سے زیادہ طاقتور ہے۔ چمپاوتی جو کالے چراغ روشن کرنا چاہتی ہے اگر اس نے وہ سارے چراغ اپنے مقصد کے مطابق روشن کرلئے تو اسے کالی چرن کے مقابلے میں زیادہ قوت حاصل ہوجائے گی اور وہ اسے فنا کرکے خود وہ تمام قوتیں حاصل کرلے گی جو وہ حاصل کرنا چاہتی ہے اور کالی چرن اگر ایک مخصوص وقت تک اسے قوتیں حاصل کرنے سے روک دیتا ہے تو پھر وہ اپنی موت مرجائے گی۔ یہ کھیل ہورہا ہے ان دونوں کے درمیان اور اتفاق کی بات ہے کہ اس کے لئے دونوں ہی نے تمہیں منتخب کیا۔ یہ بالکل اتفاق ہے کہ کالی چرن جو کچھ تم سے چاہتا ہے وہ ایک مسلمان کے لئے حرام ترین عمل ہے یعنی ایک بچے کو ذبح کرکے اس کا خون اور اس کے ساتھ کا غلیظ عمل دوسری طرف چمپاوتی ہے لیکن ان دونوں کا مرکز ایک ہے۔ اگر تم اس مرکز تک پہنچ جاؤ اور اس مرکز کو تباہ کردو تو یہ سمجھ لو کہ نہ صرف تمہارا ان سے پیچھا چھوٹ جائے گا بلکہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں فنا ہو جائیں گے۔ ہاں لیکن شرط وہی ہے اگر تم نفس کی آسودگی چاہتے ہو تو پھر تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ دینا چاہئے۔ بلاشبہ اپنا منصب پا کر وہ تمہیں مالا مال کر دیں گے لیکن دین، دنیا، دھرم، مذہب سب کچھ تم سے چھین لیا جائے گا اور اگر کاشانہ فقیری چاہتے ہو تو ان دونوں کا مرکز تباہ کر دو اور پھر بقیہ زندگی محنت مزدوری کر کے گزارو۔ یہ صرف تمہارا عمل ہو گا میں تمہاری راہنمائی کر سکتا ہوں فیصلہ کر لو۔ سندرا دیوی، بڑا اہم ہے یہ بچہ، بلاشبہ جن قوتوں کا میں نے تذکرہ کیا ہے، اگر یہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مکمل عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو تم یہ سمجھ لو کہ اسے دنیا کی ہر قوت مل جائے گی اور یہ بڑی اچھی حیثیت حاصل کر لے گا لیکن دوسری صورت کے بارے میں بھی میں نے تمہیں بتا دیا ہے..........."

"بات ختم ہو گئی ہے میں انہیں کوئی مشورہ تو نہیں دے سکتی کیونکہ بہرحال یہ ایک الگ سی بات ہے لیکن میں ان سے بات کروں گی۔" میں کسی کشمکش کا شکار نہیں تھا بہت کچھ دیکھ لیا تھا میں نے اس دنیا میں بہت کچھ مل چکا تھا مجھے، دولت تو آنی جانی چیز ہے کئی بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب میں ایک پُرسکون زندگی چاہتا تھا اس رات سندرا نے مجھ سے ایک اور بات کی۔ کہنے لگی۔

"سچ سچ بتاؤ تمہارے دل میں کسی کا گزر ہے کوئی تمہیں زندگی سے بہت قریب محسوس ہوا ہے؟" میں کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ میرا ذہن ایک بھٹکے ہوئے انسان کا ذہن ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ مجھے کسی سے عشق ہوا ہے لیکن نیلم نامی ایک لڑکی میرے عمل میں آئی تھی اور میں تھوڑا سا اس سے متاثر ہو گیا تھا مگر وہ تمام یادیں وہ ہیں جو اب میرے لئے ختم ہو چکی ہیں۔ ان لوگوں سے رابطے کا یہ مطلب ہے کہ ایک بار پھر زندگی کو شدید الجھنوں کا شکار کر لوں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ ایک مشورہ دوں؟"

"جی۔ جی۔ آپ ضرور مجھ سے کہئے بلکہ مشورہ کیا حکم دیں مجھے۔ سندرا دیوی آپ نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے میں اس کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکتا۔"

"مولوی صاحب کی دو بیٹیاں ہیں لبنیٰ اور جمیلہ۔ وقت اگر تمہیں موقعہ دے اور اپنی مشکلوں سے نکل آؤ تو ان میں سے کسی ایک کو اپنا لینا۔ یہ صلہ ہو گا اس عمل کا جو تمہیں زندگی کا سکون فراہم کرے گا۔" میں نے خاموشی سے گردن جھکا دی تھی اور

سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اب اس بات میں تو کوئی شک و شبہ رہا ہی نہیں تھا کہ سندرا دیوی ایک مخلص عورت تھی اور اس نے جو کچھ کہا تھا خلوص سے کہا تھا۔ جہاں تک میرا مسئلہ تھا میں اپنی اوقات کو اچھی طرح جانتا تھا۔ مولوی فصاحت علی نے جو بات کہی تھی وہ مکمل طور پر قابل غور تھی۔ بے شک برائی تو پھول کھلا دیتی ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بہت ہی بھیانک اور گھناؤنا ہوتا ہے۔ زندگی میں بہت سے نشیب و فراز دیکھ لئے۔ بستی علی جاہ سے نکلنے کے بعد جو تجربات ہوئے انہوں نے یہی بتایا کہ حرام کی کمائی کوشش کرنے سے مل تو جاتی ہے لیکن اس میں کوئی مزہ نہیں ہوتا۔ محنت سے حاصل کی ہوئی دو روٹیاں ہی زندگی کے اصل مقصد کو حاصل کرتی ہیں۔ چنانچہ اگر مولوی صاحب اس طرح مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں تو محنت مزدوری کر کے میں بھی اس دنیا میں عام آدمیوں کی سی حیثیت اختیار کر سکتا ہوں۔ ورنہ یہ سب کچھ جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب و غریب حیثیت کا حامل ہے معمول کے مطابق سندرا دیوی تو سو گئی لیکن میں جاگتا رہا اور فیصلے کرتا رہا تھا اور میرا آخری فیصلہ یہی تھا کہ مولوی صاحب کی ہدایت پر حرف بحرف عمل کروں اور اس کے بعد اگر ان مشکلات سے چھٹکارا پا جاؤں تو اگر وہ قبول کریں تو ان کی دونوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا کر خوشیوں کی آغوش میں سفر کروں۔ اس آخری فیصلے نے مجھے اتنا مطمئن کیا کہ گہری نیند آ گئی۔

☆======☆======☆

مولوی صاحب کے پاس آئے ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے تو سندرا دیوی پر حیرت تھی اس بیچاری نے میرے لئے تمام مشغولیات ترک کر دی تھیں اور صرف میرا کام کر رہی تھی۔ بہرحال اس نے وعدہ کیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے ایسی شخصیت سے ملائے گی جو میرے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہے اور بلاشبہ مولوی فصاحت علی کی ہر جنبش مجھے اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ ان سے میری قربت میرے لئے ہر حال میں بہتر ہو گی۔ میں نے خود مولوی صاحب سے کہا۔

"جناب عالی! بات اصل میں یہ ہے کہ جب سے آپ نے مجھے کچھ ہدایات اور نصیحتیں کی ہیں۔ میرے اندر ایک تڑپ بیدار ہو گئی ہے اور وہ تڑپ یہ ہے کہ میں ایک اچھے انسان کی حیثیت سے معاشرے میں اپنا کردار ادا کروں اور محنت مزدوری کر کے زندگی گزاروں۔ اگر ان دونوں نحوستوں سے میرا پیچھا چھوٹ جائے۔ کالی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چرن اور چمپاوتی مجھے بھول جائیں تو میں بڑی خاموشی کے ساتھ زندگی کے بقیہ ایام گزاروں۔" مولوی فصاحت علی نے سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولے۔

"برائی جب گلے لگ جاتی ہے بیٹے! تو آسانی سے اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ دیکھو تم سے کچھ کہتے ہوئے مجھے صرف یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں تمہاری دل آزاری نہ ہو۔ جب تم اپنی بستی سے نکلے تھے تو ایک بار بھی تم نے بہتر رزق کی جانب بہتر قدم نہیں اٹھایا جو کچھ کیا ہے میں نہیں کہوں گا تم خود اس کے بارے میں جانتے ہو۔ البتہ سادھو کالی چرن نے جو تمہیں رقم فراہم کی تھی اور تم سے کچھ دن چلہ کشی کرائی تھی یا پھر چمپاوتی نے جس طرح تمہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ یہ دونوں کام ایسے تھے جن سے تمہارے جسم میں وہ رزق پہنچا جو تمہارے لئے برے راستوں کا انتخاب کرتا تھا۔ ایسی صورت میں بیٹے تمہیں جب تک گناہوں کا خراج نہ ادا کر دینا پڑے۔ اس وقت تک تم اپنی مرضی سے کہیں نہیں بھاگ سکتے۔ انہیں نقصان پہنچانا اور ان سے چھٹکارہ حاصل کرنا یوں سمجھ لو فرض کی ادائیگی ہے جو تمہیں کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے مولوی صاحب! اگر کوئی راستہ مجھے بہتری کی طرف لے جاتا ہے تو آپ یقین کریں مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس اتنا کرم کریں مجھ پر کہ میری رہنمائی فرما دیں۔"

"تمہارے اوپر قتل کا الزام ہے اس کے علاوہ تم جیل سے مفرور ہو۔ یہ دونوں چیزیں تمہیں کسی بھی وقت نقصان پہنچا سکتی ہیں لیکن اگر تم کالی چرن اور چمپاوتی کو ختم کر دو تو ایک دم تمہاری شخصیت بدل جائے گی اس کے بعد تم اپنی زندگی کے کسی پرانے کردار سے روشناس نہیں ہو سکو گے۔ ایک بالکل نئی زندگی گزارنی ہو گی تمہیں۔"

"وہی میں چاہتا ہوں۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے تم جاؤ۔ وقت اور حالات تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کچھ نئے کردار تمہیں ملیں گے۔ میں تمہیں یہ بات بتائے دیتا ہوں کہ ان کرداروں میں الجھنا نہیں' یہ نہیں سوچنا کہ وہ کہاں سے آئے کون تھے۔ بس یوں سمجھ لو کہ وہ تمہیں ملیں گے تمہارے پاس خود بخود آئیں گے اور تم اپنے حالات کے مطابق ان سے نمٹو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر بس اب جاؤ اور ہمت سے جاؤ۔ اپنے آپ کو ظاہر کرو کہ تم ایک بے باک اور نڈر انسان ہو۔ بستی سے نکل کر سیدھے چلے جانا اور جہاں تمہیں ایک دھرم شالہ نظر آئے۔ بس سمجھ لو وہاں سے تمہاری زندگی کا آغاز ہے۔" میں وقت ضائع کئے بغیر اپنے عمل کا آغاز کر دینا چاہتا تھا۔ سندر راتوی وغیرہ سے ملاقات کر کے میں وہاں سے چل پڑا۔ اب میرے ذہن میں نفرتوں کا طوفان تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غلطیاں مجھ سے ہوئی تھیں لیکن سارا قصور میرا نہیں تھا میری جگہ کوئی بھی شخص ہوتا تو راستہ بھٹک سکتا تھا۔ میری عمر میں تجربہ ہی کتنا تھا۔ حمدو ملا تھا۔ حیات علی ملے تھے لیکن میرا ان کے ساتھ ابھی وقت ہی نہیں گزرا تھا۔ بہرحال اس دھرم شالہ تک پہنچ گیا ویرانوں میں ٹوٹا پھوٹا چبوترہ اور اس کے اوپر ٹوٹی پھوٹی چھوٹی سی عمارت جو بارش سے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ دے دے تو وہ کار آمد ہے ورنہ اور کچھ بھی نہیں وہاں چنانچہ میں مولوی صاحب کی ہدایت کے مطابق دھرم شالہ میں داخل ہو گیا لیکن جیسے ہی میں اندر داخل ہوا۔ میری نظر کالی چرن پر پڑی جو دھرم شالہ کی عمارت کے بیچ و بیچ آسن جمائے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تو سمجھا تھا کہ میرے ہاتھوں سے بچ جائے گا میرے خلاف کام کرے گا۔ سارے کے سارے کام تو ہماری مرضی کے خلاف کرتا رہا ہے اور میں آج تک تیرے لئے بہت کچھ کرتا رہا ہوں ورنہ کتے کی موت مارا جاتا تو۔"

"کتا تو تو ہے کالی چرن میں تجھے زندگی سے محروم کر دوں گا۔ سمجھ رہا ہے تو!"

جواب میں کالی چرن ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ارے رہا نا پاگل کا پاگل حرام زادے! میں نے تو تیری زندگی کو ایک اچھا راستہ دینے کے لئے ساری کوشش کر ڈالی لیکن تیری تقدیر ایسی ہے اگر تو سمجھتا ہے کہ وہ کتیا چمپاوتی مجھے کوئی نقصان پہنچا دے گی تو ابھی اسے بہت کچھ کرنا ہو گا۔ میں تجھے ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں جانتا۔"

"تو پاگل ہے۔ بالکل پاگل میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تو سمجھا۔"

"دیکھ بڑی عزت کرتے ہیں یہ سنسار والے۔ اگر تیرے ذریعے میرا ایک چھوٹا سا کام نہ ہوتا تو میں تجھے مٹی میں ملا دیتا۔ تو بہت برا انسان ہے کیا سمجھا۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں اب میں تیرے چکر میں نہیں آ سکتا۔"

"تو کیا اس کتیا نے تجھے اور کچھ سکھایا پڑھایا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیرے بارے میں جتنا مجھے معلوم ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔"

"اپنی اوقات کو نہیں پہچانے گا تو۔ ہیں' ایسے نہیں مانے گا تو۔ تُونے خود' خود کو کھو دیا ہے۔ پاگل تیری آنکھیں اندھی اور تیرے کان بہرے ہیں۔ میں جارہا ہوں ابھی تجھے کچھ اور ٹھوکریں کھانی چاہئیں۔ آج جس طرح میرا اپمان کیا ہے اس کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی واسطہ نہیں رہا۔ تُو سو فیصدی چمپاوتی کا آدمی ہے اور چمپاوتی اس سنسار میں میری سب سے بڑی دشمن۔ دیکھ اپنا آپ تو دیکھ۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دھرم شالہ کی سیڑھیاں اترتا ہوا غائب ہوگیا۔ میں خاموش کھڑا گھور رہا تھا اور نہ جانے میرا ذہن کیا کیا فیصلے کر رہا تھا۔ مولوی صاحب نے مجھے کسی مرکز کی تباہی کے لئے کہا تھا۔ اب وہی میری رہنمائی کریں گے۔ میں تو صرف عمل کر رہا ہوں البتہ مجھے ایک بات پر ذرا سی حیرت تھی۔ پتہ نہیں کالی چرن کیوں مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ اس نے ابھی تک مجھ پر کوئی ایسا وار کیوں نہیں کیا تھا جو میرے لئے جان لیوا ثابت ہوتا لیکن بہرحال وہ مجھے راستہ دے رہا ہے۔

بہرحال کافی دیر تک وہاں رکنے کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بس سفر.......... سفر.......... سفر اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں وہاں سے آگے بڑھتا رہا۔ پھر نہ جانے کتنا فاصلہ طے کیا تھا اور کہاں پہنچا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہے ایک دیوانگی سی فطرت پر سوار تھی۔ ایک مخدوش سی کیفیت اختیار کرتا جارہا تھا۔ نہ جانے میرا کیا ہوگا۔ کسی آبادی میں پہنچ گیا تھا۔ نہ جانے کس نے کھانے کو دیا اور نہ جانے کون سی جگہ تھی وہ جہاں ایک سائبان تلے لیٹ کر سو گیا۔ چونکہ خوب تسلی تھی اس لئے نیند بھی گہری آئی۔ صبح جاگا تو سائبان کے نیچے میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ بس اسی رہنمائی کا منتظر تھا۔ دفعتاً ہی مجھے ایک سایہ سا نظر آیا کسی طرف سے نکل کر وہ میرے قریب پہنچ گیا تھا اور جیسے ہی میں نے اس سائے کو دیکھا مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے خون کی گردش روک دی ہو۔ میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے اور میرا ذہن عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔ چمپاوتی کو میں نے پہچان لیا تھا۔ ایک سادہ سے لباس میں ملبوس وہ سرد نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کے چہرے پر اس وقت بڑی خطرناک کیفیت محسوس ہوئی۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ میرے منہ سے ایک مدہم آواز نکلی۔

"چمپاوتی۔"

"ہاں۔ نام تو میرا یہی ہے لیکن تیرا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔ چل آگے چل میں تیری ملاقات ایک ایسے شخص سے کراتی ہوں جسے تُونے میرا مالک بنا دیا ہے۔ بس تُو یہ سمجھ لے کہ میں تیری غلام نہیں ہوں۔ میں نے تجھ پر بڑا بھروسہ کیا۔ بڑا ساتھ دیا تیرا لیکن تُونے میری قدر نہیں جانی اور مجھے ایک ایسے شخص کی تحویل میں دے دیا۔"

"میں نے.........." میں حیرت سے بولا۔

"بکواس مت کر۔ چل اسے دیکھ۔" اور میں نے تھوڑی دیر کے بعد اس شخص کو دیکھا یہ ایک لمبے چوڑے بدن کا مالک ایک ہندو سادھو قسم کا آدمی تھا۔ میں نے چمپا سے کہا۔

"چمپا! یہ سب کچھ کیا ہے؟"

"کمینے! تیری غلطی ہے اور کچھ نہیں ہے۔" میں نے اپنی طاقت حاصل کرنے کے لئے سات چراغ روشن کرنا چاہے تھے اور اس کے لئے مجھے تیری ضرورت تھی۔ میں نے تجھے اپنا تن' من' دھن سب کچھ دے دیا۔ محبت کرنے لگی تھی میں تجھ سے لیکن تو ہمیشہ غیروں کے چکر میں پڑا رہا اور میں دھوکے میں ماری گئی۔ اب تُو اس شخص کی غلامی کر جو تجھے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود تیری تلاش میں ہے۔"

"کون ہے یہ اس کا کیا نام ہے۔"

"کھیا۔" اتنی دیر میں کھیا میرے سامنے آگیا تھا۔ کھیا ایک لمبے چوڑے بدن کا آدمی تھا۔ میرے قریب پہنچ کر بولا۔

"چمپا مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا چکی ہے۔ وہ یہ بھی بتا چکی ہے کہ تم نے اس کے لئے کام نہیں کیا اور سب کچھ اس سے حاصل کرلیا۔ اب وہ میرے قبضے میں ہے اور مجھے بھی تم سے بہت سے کام ہیں۔ چلو آؤ.......... میرے ساتھ چلے آؤ۔ آجاؤ۔ خبردار! کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو اس وقت تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔"

میں نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور پھر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک امید ایک آس پیدا ہوگئی تھی۔ یہ جو کچھ بھی کرلیں میں تو یہاں کسی اور ہی کی زیر ہدایت آیا ہوں اور اس بات کا پورا پورا یقین تھا مجھے کہ جنہوں نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ میری جانب سے غافل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ البتہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ چمپا پتہ نہیں کھیا کے قبضے میں کیسے آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک قبرستان کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت قبرستان کا منظر بے حد بھیانک لگ رہا تھا تاحدِ نظر قبریں

اور گہرا سناٹا یا پھر درختوں کے جھنڈ میں بولنے والے جانور۔ کھیا نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں۔"

"اب میں نہ کچھ جاننا چاہتا ہوں اور نہ ہی اس کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

"سنو! چمپا نے مجھے بتایا ہے کہ تم کالی چرن کے ساتھی ہو۔ کالی چرن بھی تم سے کھیلنا چاہتا ہے۔ ایک بات تمہیں کان کھول کر سن لینا چاہئے کہ چمپا اور کالی چرن ایک ساتھ اس سنسار میں نہیں رہ سکتے۔ کالی چرن چمپا کو ختم کرکے خود جینا چاہتا ہے اور چمپا کو اپنے جیون کا چراغ جلانے کے لئے سات کالے چراغ روشن کرنا ہوں گے۔ میں اس کی یہ آرزو پوری کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہوں لیکن ایک بات چمپا مجھے بتا چکی ہے کہ کالی چرن مسلسل تمہارے چکر میں ہے اور اگر اس نے تمہیں اپنے کام پر آمادہ کرلیا تو پھر چمپا کا سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے تمہیں اب زندگی سے محروم ہونا پڑے گا۔"

"کیا؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں۔ اس قبرستان میں ایک پرانا کنواں ہے جو سانپوں سے بھرا پڑا ہوا ہے۔ جس کی گہرائیاں بے پناہ ہیں اور سنا ہے کہ اس میں گرنے کے بعد انسان کا نام و نشان نہیں رہتا۔ زہریلے سانپ اسے ڈس لیتے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔ موت کے تو خیر بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ کالی چرن کو تمہارے جسم کا ایک حصہ بھی نہ ملے۔ وہ ایک شیطان صفت سادھو ہے اور بہت سے ایسے جادو منتر جانتا ہے جو نہ جانے کیسے کیسے چکر چلا لیتے ہیں۔ تمہیں خودکشی کرنا ہوگی نوجوان! اسی سے ہمیں اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔" میں گنگ سا کھڑا ہوا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ چمپا کی خون اگلتی آنکھیں میرا ہی جائزہ لے رہی تھیں اس نے نفرت بھری آواز میں کہا۔

"اور جب کسی سے شدید محبت کی جاتی ہے تو نفرت بھی اتنی ہی ہو جاتی ہے کیا سمجھے آگے بڑھو اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر یہی سہی۔" میں نے کہا اصل میں اب میرا ذہن سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے نجات کیسے حاصل کی جائے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور کنوئیں کے پاس پہنچ گیا وہ دونوں میرے ساتھ ساتھ ہی آ رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ میں چند لمحات خاموشی سے یہ منظر دیکھتا رہا اس کے بعد ایک آواز میرے کانوں میں ابھری اور اچانک ہی میرے وجود میں ایک عجیب سی قوت اُمڈ گئی اس آواز نے مجھ سے کہا۔

"تم اس سے کمزور نہیں ہو۔ بسم اللہ پڑھ کر اس کی طرف منہ کرکے پھونک دو۔ ابھی بہت سی دینی قوتیں تمہارا ساتھ دے رہی ہیں۔ تمہارے پاس بڑے اچھے الفاظ ہیں۔" میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اچانک ہی چاروں طرف ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ غالباً کوئی ایسی کارروائی ہوئی تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ایک تیز سی روشنی دیکھی اور جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں چاروں طرف دھوئیں کے بادل اٹھنے لگے۔ میں نے دہشت سے آنکھیں بند کرلیں۔ دیر تک آنکھیں بند کئے رہا۔ دھوئیں سے میرا سانس گھٹنے لگا تھا لیکن چند ہی لمحوں کے بعد یہ منظر ختم ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ہو۔ اس ہوا کے ساتھ ایک عجیب سی خوشبو فضا میں چکراتی ہوئی سی لگی اور میری آنکھیں خوبخود بدل گئیں۔ آہ، کوئی کبھی ایسے کسی سحر میں کب گرفتار ہوا ہوگا۔ میرے اطراف میں ایک حسین ماحول بکھرا ہوا تھا اور میں وہاں ان پھولوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک یہ منظر کیسے تبدیل ہو گیا۔ تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک جھونپڑی سی نظر آئی تو میں نے اس کی جانب قدم بڑھا دیئے اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جھونپڑی کے دروازے پر پہنچ گیا۔ سب کچھ ہو رہا تھا اور میرے اندر اعتماد کا ایک ایسا چراغ روشن تھا جو ان ساتوں چراغوں پر بھاری تھا۔ جو ایک جادوگرنی زندگی حاصل کرنے کے لئے روشن کر رہی تھی۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ میرے ساتھ اب جو قوتیں شامل ہو گئی تھیں۔ وہ ان دونوں شیطانی قوتوں پر حاوی تھیں۔ ایک لمحے تک میں جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا سوچتا رہا اور پھر میں نے آواز لگائی۔

"اندر کوئی ہے؟" دو آوازیں لگانے کے بعد جب اندر سے مجھے کوئی جواب نہ ملا تو میں نے اندر جانے کے لئے قدم آگے بڑھانا چاہے لیکن اسی وقت جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور ایک مکروہ صورت کا آدمی باہر نکل آیا۔ پتلی پتلی لمبی لمبی ٹانگیں۔ جیسے کسی سارس کی ہوں مکروہ اور ناپاک جسم جس سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سادھو کالی چرن میری آنکھوں کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ساری بہادری اور دلیری کے باوجود اس وقت اسے دیکھ کر میرے بدن کے

رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر میں دل ہی دل میں ہنسا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ لیجئے یک نہ شد دو شد' وہ محترمہ بھی مل گئی تھیں اور اب یہ جناب بھی تشریف لے آئے ہیں۔ کالی چرن تیوریاں چڑھائے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی نفرت اور غصہ اور بیزاری تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بڑا ہی سخت جان ہے تُو پتہ نہیں تیری تخلیق کہاں ہوئی ہے۔" اس کے الفاظ پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"اور تمہیں شرم آنی چاہئے کالی چرن! کہ تم لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔"

"بگڑے گا تو تیرا ایسا کہ دنیا دیکھے گی۔ پر اب کیا کیا جائے تُو نے اب ایسی شکل اختیار کرلی ہے کہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن کر رہ گیا' نگلا جائے نہ اگلا جائے۔ دیکھو ایک بات میں تجھے بتائے دیتا ہوں ساری زندگی کوشش کرلے اور اس کا ساتھ دیتا رہے تب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تُو میں تو چیز ہی دوسری ہوں۔ وہ تو اس کمینی کا مسئلہ ہے اور اب اس نے ایک اور کتے کو اپنے ساتھ شامل کرلیا ہے۔ جب تک وہ تیرے ساتھ تھی اس کی شکتی اکیلی تھی لیکن اب جس کے ساتھ وہ ہے وہ بڑا ہی پاپی مورکھ ہے۔ اس کا نام بھی میرے سامنے مت لینا میں اسے اکال کہتا ہوں۔ اکال ہی ہے وہ مورکھ ہے اور دیکھ لینا وہ کتیا اپنی موت ماری جائے گی۔ بڑا چالاک سمجھتی ہے خود کو ایسا ہی ہوتا ہے سیانا کوا ہمیشہ گندگی میں ہی مارا جاتا ہے تو دیکھ لینا جو میں کہہ رہا ہوں اگر وہی نہ ہوا تو تُو بھی سوچنا کہ کالی چرن کیا چیز تھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کالی چرن! دو پُراسرار قوتیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ مجھ غریب کو اس مصیبت میں کیوں گھسیٹا جارہا ہے۔"

"تُو غریب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سنسار کا سب سے زیادہ چالاک آدمی ہے تُو' اپنا اُلو سیدھا کررہا ہے ہم دونوں سے۔" جواب میں' میں ہنس پڑا میں نے کہا۔

"نہیں کالی چرن! میرا تو کوئی اُلو ہی نہیں ہے بلکہ میں تم دونوں اُلو کے پٹھوں کے درمیان پھنس گیا ہوں۔" میرے ان الفاظ پر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

ایسا لگا جیسے اسے بولنے کے لئے الفاظ ہی نہ مل رہے ہوں پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہم دونوں اُلو کے پٹھے ہی ہیں جو ہم نے تجھے زندگی دے رکھی ہے۔ اصل میں ہمارا یہ کھیل ہمارے اپنے ہی بیچ ختم ہوجاتا تو زیادہ اچھا تھا اس کتیا نے بھی تیرا ہی سہارا لیا اور میں بھی تیرے ہی پیچھے لگ گیا۔ ارے ہم دونوں ایک کنٹھ کے تھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمٹ لیتے آپس میں ایک کو تو ہار ماننا ہی پڑتی لیکن تُو اور اب وہ سسری بھی اکال کے پھیر میں آگئی معمولی بات نہیں ہے وہ خود بھی سنیاسی ہے اور نہ جانے کیا کیا چکر چلائے ہوئے ہے۔ اب وہ کمینی اس کے پھیر میں آگئی سن میں تجھ سے ایک کام لینا چاہتا تھا اور تُو نے شروع ہی سے اس کی مخالفت کی حالانکہ میں نے پہلے ہی یہ کہانی سنا دی تھی کہ اس سنسار میں سب اپنے اپنے پھیر میں رہتے ہیں کوئی کسی کے لئے نہیں مرتا۔ تُو اگر میرا کام کردیتا تو دولت تیرے چرنوں میں ڈھیر ہوتی اور اس وقت اس سنسار میں سب سے بڑی شکتی دولت کی ہی ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ سنسار کا بادشاہ ہے باقی ساری باتیں بعد کی آجاتی ہیں۔ دھن دولت ہوتی تیرے پاس تو تُو نیکیاں بھی کما سکتا تھا۔ تُو کیا سمجھتا ہے یہ سارے کے سارے جن کے نام کے ڈنکے ریڈیو اخباروں میں بجتے رہتے ہیں نیک کاموں ہی سے دولت کماتے ہیں۔ انہوں نے یتیم خانے کھلوا رکھے ہیں۔ مذہبی عبادت گاہیں بنوا رکھی ہیں اور لوگ ہیں کہ ان کے نام کے آگے نگاہیں جھکا لیتے ہیں۔ بڑا مہان سمجھتے ہیں انہیں۔ جاکر پوچھو تو سہی ان سے کہ جس دولت سے وہ اتنے بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ وہ انہوں نے کہاں سے کمائی' ساری نیکی اور بدی وہاں پر آکر ختم ہوجاتی ہے۔ باؤلے یہ سب کچھ مل جاتا تجھے تو سنسار میں تجھ سے بڑا نیک اور کوئی نہ ہوتا۔ پر مانا ہی نہیں تُو نے بھٹکتا رہا حالانکہ تیرے جیون کا مقصد دولت کمانا ہی تھا۔ پر وہی الٹی کھوپڑی اور اب سمجھ ہاتھ سے نکل گیا۔ پر سن میں اب بھی تجھے اس کا موقع دے سکتا ہوں۔ اب اس سمے وہ سب کچھ تو نہیں کراؤں گا میں تجھ سے۔ وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ یہ نئے جھگڑے تم لوگوں نے گھڑ دیئے ہیں۔ ان سے ہی نمٹنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ اصل میں اس نے بہت برا کیا ہے۔ جو اس پاپی اکال کو اپنے ساتھ لگالیا۔ دونوں کے لئے جان کا عذاب بن گیا ہے وہ پر تُو میرے کام آسکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"ایک تجویز ہے میرے ذہن میں اگر تُو میرا ساتھ دے اور اگر اب بھی تیرے من میں وہی کھوٹ اور وہی کمینگی ہے تو پھر تُو بھاڑ میں جا۔ بھاگ جا یہاں سے نہ میں تجھے کوئی نقصان پہنچاؤں گا نہ اب تجھ سے کوئی کام لینے کے بارے میں سوچوں گا۔"

ں نے گہری نگاہوں سے کالی چرن کو دیکھا یوں لگا جیسے وہ اس وقت سچ ہی بول رہا ہو۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بولو۔ کالی چرن کیا چاہتے ہو مجھ سے۔"

"کرے گا میرا کام۔"

"پہلے کام بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے ابے کمینے! تجھ سے اور کس بات کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ ایسا کرنا ہے کہ تجھے لے کر چلتا ہوں اس جگہ جہاں اس جادوگرنی نے کالے چراغ روشن کر رکھے ہیں۔ میں وہاں پہنچ کر اس کے چراغ بجھاتا ہوں بلکہ میں کیا بجھاتا ہوں۔ تُو انہیں بجھائے گا میں تو انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ یہ کالے چراغ اس نے بڑی محنت سے حاصل کئے ہیں۔ پتہ نہیں ایک دو یا تین چراغ روشن ہو چکے ہیں کیونکہ ایک پائل کو تُونے مارا تھا جس کا خون لے کر اس نے ان غاروں میں پہلا چراغ روشن کیا تھا۔ اس امید پر کہ باقی لوگوں کو مار کر وہ ان کے خون سے چراغ جلائے گی لیکن تُونے اس کا ساتھ نہیں دیا البتہ اکال کو کیا دقت ہو سکتی تھی۔ وہ تو ہے ہی پاپی اور اس نے دو تین چراغ اور روشن کرا دیئے ہیں۔"

"آہ۔ اس کا مطلب ہے کہ مونالیزا بھی ماری گئی۔"

"ارے بھاڑ میں جائے تیری مونالیزا۔ مجھے کیا دلچسپی ہے مونا سے اور لیزا سے تجھے وہاں جاکر وہ چراغ بجھانے ہیں اور ہم دونوں اس بات کی توقع رکھیں گے کہ ہو سکتا ہے اکال اس سسری کو لے کر وہاں پہنچ جائے۔ اسے تو میں دیکھ لوں گا۔ پر اکال سے تو نمٹنا اسے مار دینا سسرے کو۔ یہ کام بھی نہیں کر سکتا ہے تُو۔" میں نے کچھ دیر سوچا مولوی فصاحت علی کی ایک ہی بات میرے ذہن پر نقش ہو گئی تھی وہ یہ تھی کہ میں نے نیک راہ میں قدم اٹھایا ہے اور اب اس کے بعد حالات جو شکل بھی اختیار کریں گے وہ میری بہتری اور بقا کے لئے ہی ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے اس شخص کی بات مان کر وہاں چلے جانا چاہئے میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے وہاں جانے سے تمہارے حق میں کوئی بہتر صورت حال ہو سکتی ہے تو میں تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں۔" وہ میری صورت دیکھتا رہا۔ غالباً میرے چہرے پر جھوٹ یا سچ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ جانے کو تو سچ مچ ہی تیار تھا۔ چنانچہ وہ میرا جھوٹ کہاں سے پکڑ سکتا۔ چنانچہ اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے پھر اس نے کہا۔

"اکال راستے سے ہٹ گیا تو ہو سکتا ہے ہم کوئی فیصلہ کر سکیں۔ اگر اور کچھ نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر سکے تو کم از کم اس کے جلائے ہوئے چراغ تو بجھا ہی دیں گے۔"

"ایک بات بتاؤ کالی چرن۔"

"ہاں پوچھ۔"

"کیا تم تنہا یہ چراغ نہیں بجھا سکتے تھے وہاں جا کر۔"

"یہی تو نہیں کر سکتا ہائے۔ یہی تو نہیں ہو سکتا۔ ہم کالی کے پجاریوں کے درمیان بھی کچھ ایسے بھید بھاؤ ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کو براہ راست نقصان نہیں پہنچا سکتے ورنہ میں تو ابھی تک کبھی کا سسری کو مروڑ کر کھا چکا ہوتا۔" کالی چرن نے نفرت سے دانت پیستے ہوئے کہا پھر بولا۔

"اچھا تو تُو اب ایسا کر جا اس جھونپڑی میں چلا جا آرام کر یہاں تجھے ساری کھانے پینے کی چیزیں مل جائیں گی۔ کوئی چنتا مت کرنا اب تُو میرے پاس ہے۔ اس لئے ڈر خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم کہیں جا رہے ہو۔" میں نے سوال کیا کالی چرن نے ایک گہری نگاہ سے مجھے دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ البتہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مشکلات کے دن اب ختم ہونے والے ہیں۔ بات وہی تھی کالی چرن نے ایک بار پھر مجھے دولت مند بنانے کی پیش کش کی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی نیک دل اور حلال رزق کھانے والے کا تھوڑا سا نمک بھی کھا لیا جائے تو بڑی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کم از کم میرا تجربہ تو یہی تھا۔ مولوی فصاحت علی کو میں نے ریلوے اسٹیشن پر اس عمر کے باوجود قلی کا کام کرتے دیکھا تھا۔ ایک ایک پیسہ رزق حلال تھا اور میں نے یہی رزق حلال کئی دن تک ان کے ساتھ کھایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ کبھی کبھی کوئی ایسا رہنما مل جاتا ہے جو سارے راستے آسان کر دیتا ہے۔ مولوی فصاحت علی تک پہنچانے کا ذریعہ سندرا بنی تھی۔ کیا عجیب وغریب کھیل تھا۔ پہلے تو سچی بات یہ ہے کہ میں اسے بھی ایک غلط عورت سمجھا تھا لیکن انسانی سوچ بہت محدود ہوتی ہے۔ ہم نہیں سمجھ پاتے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بارے میں جو کچھ سوچ رہے ہیں وہی سچ ہے یا پھر حقیقت سات پردوں میں پوشیدہ ہے۔ بہرحال یہ بھی ایک دلچسپ مرحلہ تھا میں نے سوچا کہ کم از کم کالی چرن کا اس حد تک ساتھ ضرور دینا چاہئے کہ وہ جلتے ہوئے چراغ بجھا دے۔ اس طرح کم از کم اور کچھ نہیں تو کچھ برائیوں کا ہی خاتمہ ہو گا۔ چنانچہ میں ذہنی طور پر تیار تھا۔ تھوڑی دیر

تک تو وہ میں وہیں کھڑا رہا پھر جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ جھونپڑی اندر سے کشادہ تھی اس میں کھانے پینے کی اشیاء بھی موجود تھیں لیکن میں جانتا تھا کہ سب کچھ ایک ناپاک سادھو کا اثاثہ ہے اور اب میں اس میں سے کچھ اپنے وجود میں اتارنا نہیں چاہتا تھا۔ بھوک ہی کا مسئلہ تھا۔ کوئی بات نہیں۔ بھوک ختم ہو جائے گی البتہ کالی چرن کو مطمئن کرنے کے لئے میں نے ان میں سے کھانے پینے کی اشیاء اٹھائیں اور باہر نکل آیا۔ کالی چرن کا اب یہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ علاقہ بہت ہی عجیب اور انوکھا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک گہرے کھڈ میں وہ کھانے پینے کی اشیاء پھینک دیں اور خود صبر و سکون سے وقت گزارتا رہا شام کو کوئی پانچ بجے کا وقت ہوگا کہ کالی چرن واپس آیا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تجھے یہاں؟"

"بالکل نہیں۔ یہاں تو سب کچھ موجود ہے۔"

"کھایا پیا ہے تُونے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ تُونے مجھ سے تعاون کیا ہے۔ اب تھوڑی دیر باہر جا کر آرام کر میں ذرا اپنے کچھ جنتر منتر پڑھوں گا اور اس کے بعد ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"

میں باہر آگیا ماحول پر مدہم مدہم اندھیرا چھاتا جارہا تھا۔ ویسے یہ علاقہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ دیکھو اب کون سا معرکہ سرانجام دینا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اس کا انداز بے حد نرم تھا۔ اس نے کہا۔

"اب تیار ہے؟"

"میں تو بالکل تیار ہوں ظاہر ہے مجھے اور کچھ کرنا ہی کیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور کالی چرن آہستہ آہستہ وہاں سے آگے بڑھنے لگا۔ اس نے مجھے بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کرلے اور لا اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے۔" میں نے اس کی اس ہدایت پر بھی عمل کیا اور مجھے کرنا ہی کیا تھا اس کے سوا۔ حالانکہ بہت سی باتیں ذہن میں آئی تھیں لیکن میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ زندگی چلی جائے گی وہ تو جانی ہی ہے۔ جتنا وقت ملا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنا ہی گزارہ جاسکتا ہے۔ ان ساری سوچوں کے درمیان خاموش کھڑا رہا کالی چرن نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا پھر اس نے کہا۔

"اب آنکھیں ہی بند کئے رہے گا کیا۔"

"کھول دوں آنکھیں؟"

"تو اور کیا۔"

"چلو گے نہیں۔" میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگا۔

"آنکھیں تو کھول"۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر اس کی ہنسی کی وجہ سمجھ آگئی۔ منظر ہی بدل گیا تھا۔ اب میرے چاروں طرف کالے کالے پہاڑ تھے لیکن میں نے ایک نگاہ میں اسے پہچان لیا بے شک ایک ہی بار یہاں آیا تھا۔ چمپا وتی کے ساتھ خون کا چراغ روشن کرنے لیکن ان پہاڑوں اور غاروں کو میں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ انہی میں سے ایک غار میں وہ چراغ رکھے ہوئے تھے۔ بجھے ہوئے چراغ اور ان میں سے پہلا چراغ روشن کردیا گیا تھا۔ بہرحال اس جادو منتر کے کھیل میں حیرانی کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ جو کچھ بھی تصور میں آجائے یا زبان سے ادا ہوجائے۔ وہ حقیقت ایک سچائی ہے اور یہ سب کچھ بہت ہی حیران کن ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ سارا کام اس انداز میں ہوا اور کالی چرن مجھے لئے ہوئے چوروں کی طرح دبے قدموں اس غار میں داخل ہوگیا جہاں چار چراغ روشن تھے اور سب سے بڑی بات جو تھی وہ یہ کہ اب ان چراغوں کے پچھلے حصے میں کوئی دو فٹ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے پتھر رکھے گئے تھے اور ان پتھروں پر چار انسانوں کے کٹے ہوئے سر سجے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو سر میں نے پہچان لئے۔ ایک تو نیلم کا منگیتر تھا جسے میرے ذریعے قتل کرایا گیا تھا۔ دوسری مونالیزا تھی ایک حسین لڑکی جس کی کٹی ہوئی گردن اس کی مظلومیت کی کہانی سنا رہی تھی۔ دو اجنبی چہرے تھے مردوں ہی کے تھے ایک کوئی سترہ اٹھارہ سال کا نوجوان ایک پینتیس چالیس برس کا شخص یہ چاروں بے چارے اس خونخوار عورت کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ جو اپنے آپ کو امر کرنے کے لئے انسانیت کے ساتھ ایک بدنما کھیل کھیل رہی تھی۔ میرے بدن میں لرزشیں پیدا ہوگئی تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اس طرح کا انسان نہیں تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن انسانی زندگی لینے کا کھیل مجھے بالکل پسند نہیں تھا وہ میری طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔

"دیکھا تُونے کم بخت کافی کام کرچکی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ایسے مورکھ کا سہارا لیا ہے جو خود بھی آخر کار اسے پاتال میں دھکیل دے گا اور وہ برداشت نہ کر سکے گی۔" ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ مجھ کچھ سرسراہٹیں سی محسوس ہوئیں اور میں نے چونک کر غار کے دروازے کی جانب دیکھا۔ ایک بار پھر مجھ پر لرزشیں طاری ہو گئی تھیں۔ دروازے سے وہی شخص اندر داخل ہو رہا تھا جسے کالی چرن نے اکال کا نام دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے آثار تھے۔ اس نے مجھے اور کالی چرن کو دیکھ کر کہا۔

"ہوں۔ تو تم لوگ یہاں تک پہنچ گئے۔" کالی چرن خاموش کھڑا رہا لیکن میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ یہ تمہارے باپ کی زمین ہے۔" اس نے غضب ناک نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"تُو نے غلط فیصلہ کیا ہے شعبان! یہ شخص تجھے کچھ بھی نہیں دے گا ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ کیا سمجھے۔"

"دیکھو۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کا ساتھ دوں گا۔ اگر تُو زندگی چاہتا ہے تو واپس چلا جا ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ بن تُو نے اسے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ تُو جان اور تیرا کام۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔ چل آ گیا ہے تو ٹھیک ہے نمٹ لیتے ہیں تجھ سے۔" میرے ذہن پر نہ جانے کیا سوار ہو گئی تھی یا پھر وہی بات کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہونے کا ایک حصہ ہے اور ہو گا چنانچہ میں اس کا چیلنج قبول کر کے اس کے سامنے آ گیا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر حیرانی کے نقوش بیدار ہوئے اور اس نے کہا۔

"تُو اور مجھ سے مقابلہ کرے گا۔"

"ہاں۔"

"کون سی قوت ہے تیرے پاس؟"

"وہ تُو نہیں سمجھ سکے گا۔" میں نے جواب دیا اور دل ہی دل میں' میں نے اللہ کا نام لیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میری گردن پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے ایک گھونسہ اس کی پسلیوں کے درمیان مارا اور اس کے حلق سے آواز نکل گئی۔ وہ نیچے کی طرف جھکا تو میں نے دوسرا گھونسہ اس کے جبڑے پر مارا۔ کالی چرن ایک دیوار سے

جا لگا تھا۔ وہ غضب ناک انداز میں پلٹا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا لیکن اس بار میں نے اس کے پیٹ پر ایک لات ماری تھی اور دوسرے لمحے اس کی گردن پر سوار ہو گیا۔ میں اس کی گردن دبانے لگا اور وہ ہاتھ پاؤں مارتا رہا مجھے امید نہیں تھی کہ اس قدر تندرست و توانا شخص اس طرح میرے ہاتھوں شکست کھا جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔ کالی چرن خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا اور میری ہمت بندھا رہا تھا لیکن دفعتاً ہی اس کے حلق سے ایک دردناک آواز نکلی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ میرا شکار دم توڑ چکا تھا لیکن میں نے کالی چرن کو پلٹ کر دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ایک خوفناک شکل کا سانپ تھا۔ غالباً ناگن جس نے کالی چرن کی پنڈلی میں ڈسا تھا اور کالی چرن اپنی پنڈلی پکڑے کراہ رہا تھا۔

"کمینی۔ کتیا۔ میں.......... میں تجھ سے کم شکتی مان نہیں ہوں دیکھ لوں گا تجھے اچھی طرح دیکھ لوں گا۔" جواب میں ناگن نے پھر پھنکار کر کالی چرن پر حملہ کیا اور اس بار کالی چرن نے پیچھے کو چھلانگ لگا دی لیکن وہ بے خبری میں ناگن کے کاٹے کا شکار ہو گیا تھا میں نے ایک بار پھر زمین پر پڑے ہوئے مردہ شخص کو دیکھا جو میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور سمٹ کر ایک طرف ہو گیا۔ کالی چرن بھاگ کر ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا تھا اور سیاہ رنگ کی ناگن اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ دفعتاً دوسرے پتھر کے عقب سے ایک نیولہ نمودار ہوا اور اس نے ناگن پر پیچھے حملہ کر دیا۔ ناگن جو اس نیولے سے بے خبر تھی۔ بڑی تیزی سے پلٹی اور پتھر کی آڑ میں چلی گئی۔ نیولہ تھوڑا سا پیچھے ہٹ آیا تھا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ناگن پھر نمودار ہوئی اور نیولہ اس کے سامنے آ گیا۔ میں اب چونکہ ان لوگوں کے رازوں سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک ہی لمحے میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ نیولہ کالی چرن کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ کیا ہی دلچسپ صورت حال تھی اور میں یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہا تھا جو کسی انسان نے نہ دیکھا ہو۔ دو شیطان دو فریق اب ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ اچانک ہی ناگن نے ایک بار پھر کالی چرن پر حملہ کیا لیکن کالی چرن نے فوراً ہی جھکائی دے کر اس کا پھن اپنے دانتوں میں دبوچ لیا۔ اب نیولے اور سانپ کے درمیان شدید کشمکش ہو رہی تھی اور دونوں بڑی وحشیانہ جنگ لڑ رہے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اچانک ہی نیولے کے منہ سے ناگن کا پھن چھوٹ گیا اور ناگن نے انتہائی برق رفتاری سے ایک پتھر کے پیچھے پناہ لی اس کا پورا بدن پتھر کی اوٹ میں سمٹ گیا تھا۔ نیولہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے ہٹ کر دونوں پاؤں دبائے ناگن کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا لیکن میری نگاہیں اب صرف تماشا دیکھ رہی تھیں۔ میرا جو کام تھا وہ میں نے سرانجام دے دیا تھا۔

دفعتاً ہی ایک بار پھر میں دہشت سے لرز اٹھا۔ ایک بڑی سی پتھریلی کالی چٹان کے پیچھے سے چمپاوتی نمودار ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اس نے پوری قوت سے یہ ڈنڈا نیولے پر مارا لیکن ذرا سی چوٹ لگی۔ ڈنڈے کا سرا اس نے نیولے پر مارنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سرا زمین پر پڑا اور اس کے ساتھ ہی نیولے نے بھی اس پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ جس کے پیچھے غائب ہو کر چمپاوتی نے اپنا جسم حاصل کیا تھا۔ میری نگاہیں جادو کے اس عجیب و غریب کھیل کو دیکھ رہی تھیں۔ چمپاوتی پھرتی سے آگے بڑھی اور اس نے اس پتھر کو دھکیلنے کی کوشش شروع کر دی جو ایک بڑی چٹان کی شکل میں تھا اور یہ بھی میں نے حیران نگاہوں سے دیکھا کہ پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی لیکن نیولہ اس کے پیچھے نہیں تھا کالی چرن بھی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا اس نے خود بھی اپنا جسم حاصل کر کے ایک پتھر کے پیچھے پناہ لی تھی اور پھر اس کی خونخوار آواز ابھری۔

"ادھر دیکھ او کمینی! ادھر دیکھ۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تجھ سے میرا براہ راست کوئی مقابلہ ہو لیکن تُو نے آج مجھے مجبور کر ہی دیا۔" چمپاوتی ناگن کی طرح پلٹی تھی اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ڈنڈے سے کالی چرن پر وار کر دیا تھا۔ کالی چرن نے ڈنڈا اپنے دونوں ہاتھوں سے روکا اور پھر ڈنڈا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ دونوں زور آزمائی کرنے لگے۔ چمپاوتی کا چہرہ خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی گردن پر دانتوں کے نشان تھے اور اس سے مسلسل خون رس رہا تھا۔ غالباً یہ زخم اسے اس وقت لگا تھا! جب وہ ناگن کی شکل میں تھی اور کالی چرن نے نیولے کی شکل میں اس پر حملہ کیا تھا۔ چمپاوتی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اب دونوں ایک دوسرے پر پوری طرح قوت آزمائی کر رہے تھے۔ دفعتاً ہی ڈنڈا چمپاوتی کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور کالی چرن نے جھکائی دے کر ایک زوردار وار اس کے سر پر وار کیا۔ ڈنڈا پوری قوت سے چمپاوتی کے سر پر پڑا اور اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کالی چرن بھی اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا تھا۔ وہ اچھل کر نیچے گرا اور جب نیچے گرا تو چراغوں پر تھا۔ چراغ اس کے بدن کے بوجھ تلے دب گئے اور ایک دم بجھ گئے۔ چراغ بجھتے ہی چمپاوتی زمین پر پانی سے نکالی ہوئی کسی مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ ادھر کالی چرن بھی ان چراغوں پر پڑا ہوا تھا جو ٹوٹ گئے تھے

اور جن میں بھرا ہوا خون زمین پر بہہ رہا تھا۔ کالی چرن کا چہرہ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ چمپاوتی نے ناگن کی حیثیت سے اس کی پنڈلی میں کاٹا تھا اور زہر کالی چرن کے پورے وجود میں سرائیت کرتا جا رہا تھا صرف ایک خوفناک جدوجہد کے لئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا تھا ورنہ اس پر جو کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ پہلے ہی بے حد خوفناک تھی اور اب دنیا کا عجیب و غریب کھیل میری نگاہوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ چمپاوتی بھی زمین پر بیٹھ گئی تھی اس کا بھیجہ ناک کے راستے بہہ رہا تھا اور اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ لئے اور چیخنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز نہیں نکل سکی۔ البتہ اس کی زبان باہر لٹک گئی تھی ادھر کالی چرن بری طرح نڈھال ہو گیا تھا وہ چراغوں پر سے ہٹا بھی نہیں تھا اور اس کے چہرے کی نیلاہٹ گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھیں چڑھ گئی تھیں کچھ ہی دیر کے بعد ان دونوں نے دم توڑ دیا۔

غار کا منظر انتہائی بھیانک تھا۔ کالے چراغ بجھ چکے تھے اور جادو کا یہ کھیل ختم ہو گیا تھا۔ میرے سامنے تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور میں سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ میرے اندر خوف کا درخت لگتا آ رہا تھا۔ میں چیختا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد بے تحاشہ دوڑنے لگا۔ اس وقت میرے اوپر شدید ذہنی ہیجان سوار تھا۔ نہ جانے کتنا فاصلہ طے کیا تھا۔ شدید تھکن ہو گئی۔ تاحد نگاہ ویرانے پھیلے ہوئے تھے لیکن مجھے اب کوئی پرواہ نہیں تھی مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دونوں عفریت ختم ہو گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی میری زندگی بدل گئی۔ کسی نہ کسی طرح واپس مولوی صاحب کے پاس پہنچا تھا ساری تفصیل انہیں بتائی تھی سندرادیوی کو بلایا گیا تھا۔ انہوں نے لبنیٰ کے لئے میرا رشتہ دیا۔ اب لبنیٰ میری بیوی ہے میں ریلوے کلرک ہوں اور ریلوے کالونی میں رہتا ہوں مزے سے زندگی گزر رہی ہے اللہ کا شکر ہے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ رزق حلال کی دو روٹیوں میں جو مزہ ہے وہ کائنات کی کسی اور شے میں نہیں ہے۔

☆=====تمت بالخیر=====☆